قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

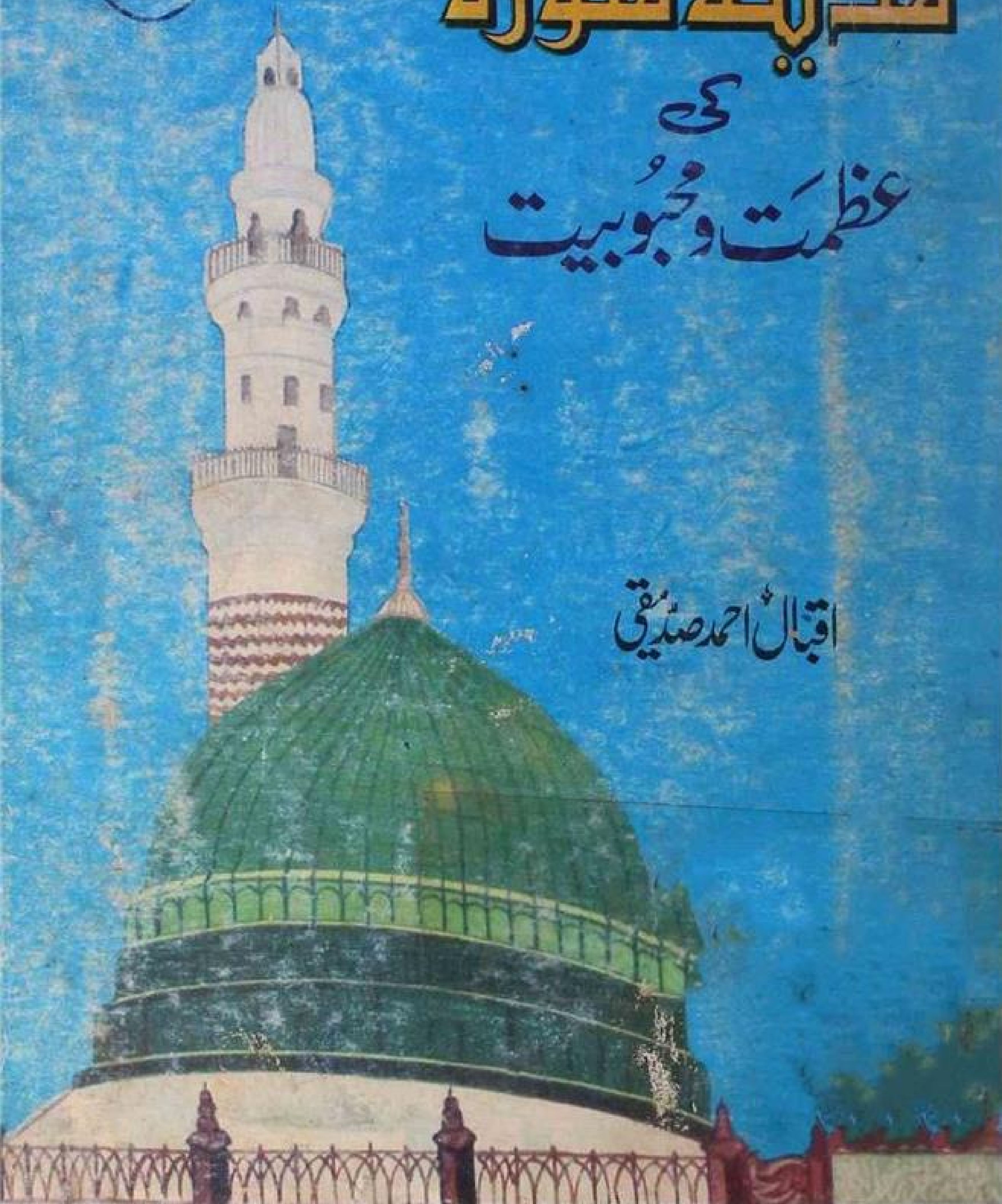
(آل عمران ۳۱)

اشاعتِ ثانی

مدینہ منوّرہ

کی

عظمت و محبوبیت



اقبال احمد صدیقی

جناب اقبال احمد صدیقی بحیثیت صحافی اپنی تحریروں اور افکار کا مظاہرہ کر چکے ہیں اور میں بلاشک و شبہ اظہار کرتا ہوں کہ اقبال صدیقی صاحب ایک بلند کردار اور بُردبار صحافی ہیں میں نے اُن کو تقریباً دُو دہائی پر محیط صحافتی زندگی میں بہت قریب سے برتا اور پرکھا ہے۔ اُن کی سادگی، سنجیدگی اور نیکی سے میں بہت متاثر رہا۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ انہوں نے ایک مشکل تحقیقی کام مکمل کر لیا ہے اور اُن کی کتاب

مدینۂ منورہ کی عظمت و محبوبیت

مکمل ہوگئی ہے جس کا مسودہ میں نے بڑے غور سے پڑھا۔ یقیناً اب اقبال احمد صدیقی صاحب کی شخصیت ایک مؤرخ اور محقق کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئی ہے، لیکن کم از کم میرے لئے یہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ میں کسی ایسے ہی کام کی اُن سے توقع کر رہا تھا۔

مدینہ شریف اور حضورِ اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھا جاتا رہا ہے اور تاقیامت لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن میں نے "مدینۂ منورہ" پر اردو میں ایسی کوئی کتاب نہیں دیکھی جیسی کہ اقبال صدیقی صاحب نے تحریر کی ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جس مسلمان نے مدینہ منورہ نہیں دیکھا وہ دیکھنے کے لئے تڑپ اٹھتا ہے۔ دوسری اہم خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ سے عقیدت کی خوشبو آ رہی ہے اور پوری کتاب مرقعِ نُور ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب اقبال احمد صدیقی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اشک ریز رہے ہیں اور انہوں نے یہ کتاب روشنائی سے نہیں محبت اور محبوبیت کے آنسوؤں سے لکھی ہے۔ ماشاء اللہ

میں صدقِ دل سے دُعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اقبال احمد صدیقی صاحب کو صحت اور طویل عمر عطا فرمائے اور وہ دینِ اسلام اور تبلیغی کاموں پر پُوری توانائی سے کام کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔

میر خلیل الرحمٰن
ایڈیٹر انچیف جنگ گروپ آف نیوز پیپرز
کراچی (پاکستان)

جناب اقبال احمد صدیقی زائرِ مدینہ بن کر گئے اور واقفِ اسرارِ مدینہ بن کر لوٹے انہوں نے مدینہ کی عظمت و محبوبیت پر مدینہ کی فضا میں ڈوب کر لکھا ہے وہ عشقِ رسالت کا سرمایہ اپنی ذات تک محدود رکھنے کی بجائے ہم سب کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ آیئے ہم بھی اُن کے ساتھ مدینۃ الرسولؐ کی عظمت و محبوبیت میں گم ہو جائیں۔

علامہ محمد ضیاء القاسمی
جنرل سیکرٹری انٹرنیشنل ختمِ نبوت مشن لندن فیصل آباد

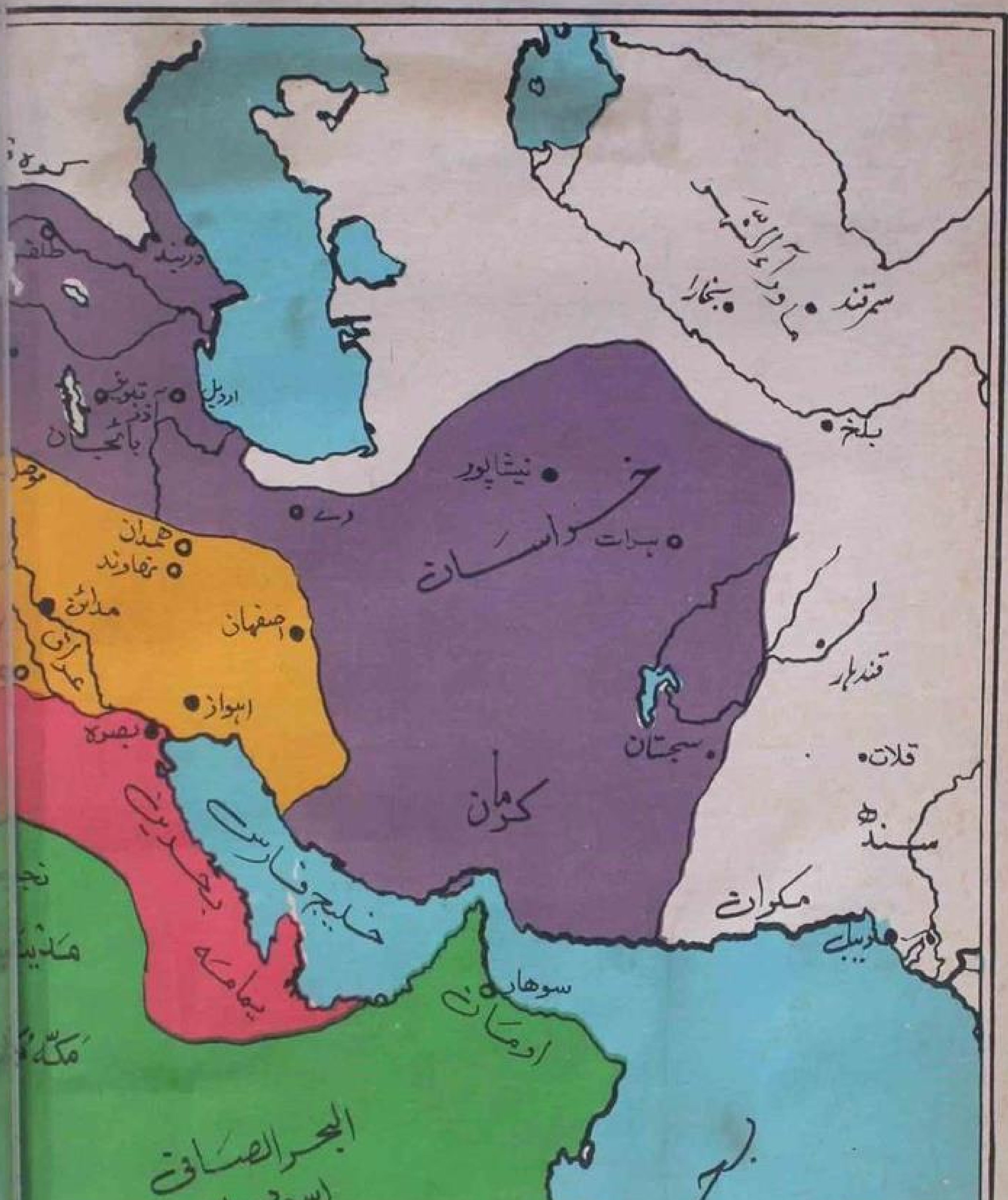
میرا یقین ہے کہ ایک مسلمان اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے اس کتاب کا مطالعہ باعثِ خیر و برکت ہوگا۔ "مدینہ منورہ" کی گلیوں کی خاک کو آنکھوں کا کاجل بنانے کی کسے آرزو نہیں ہوتی اور شہرِ نبویؐ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی لگن مجھے ہمیشہ سے رہی ہے۔ مدینہ منورہ کے بارے میں اتنی ضخیم کتاب لکھ کر آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کا اجر یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا۔ بیگم ثاقبہ رحیم الدین (سابق گورنر سندھ)



اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا صدق اللہ العظیم

اور اللہ کی رسّی کو (سب مل کر) مضبوطی سے تھامے رکھو اور
آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (سورۃ آل عمران۔ القرآن)


ماوراء النہر
سمرقند
بخارا
بلخ
دربند
اردبیل
تبریز
آذربائیجان
خراسان
نیشاپور
رے
ہرات
ہمدان
نہاوند
مدائن
عراق
اصفہان
اہواز
بصرہ
قندہار
قلات
سجستان
کرمان
سندھ
مکران
دیبل
بحرین
خلیج فارس
یمامہ
سوہار
عمان
البحر الصافی
(سعودی عرب)
حضر موت
بحیرہ عرب



بحر اسود
سلطنت بازنطینی
کریٹ
قبرص
بحیرہ روم
برقہ
شام
دمشق
بیت المقدس
یروشلم
اسکندریہ
مصر
تبوک
فدک
خیبر
اسوان
جدہ
پہلی اسلامی ریاست ایک نظر میں
جغرافیائی حدود میں اضافے کا نقشہ
عہدِ فاروقِ اعظمؓ میں
عہدِ رسالتؐ میں
عہدِ عثمانِ غنیؓ میں
عہدِ صدیق اکبرؓ میں
ایبی سینیا

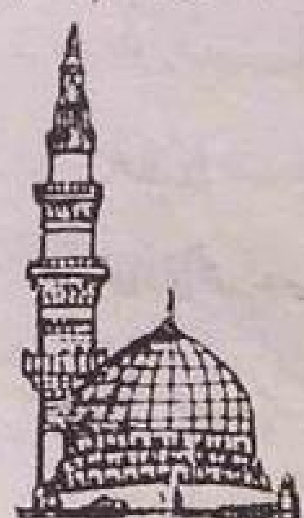
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

القرآن

(سورۃ النساء ۔ ۵۹)



"مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت"

ایک مطالعہ سیرت رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

اقبال احمد صدیقی

ادارہ ابلاغ علوم و افکار ملی

اے ۲۳ ۔ یو ۔ کے ۔ پلازا ۔ فیڈرل بی ایریا (۷) ، کراچی (پاکستان)

نام کتاب مستطاب	:-	"مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت"
مصنف	:-	اقبال احمد صدیقی
تزئین	:-	انور انصاری
کتابت	:-	حفیظ سدیدی
خصوصی خطاطی	:-	حافظ محمد یوسف سدیدی۔ محمد سرور جدہ (سعودی عرب)
طباعت	:-	مشہور آفسٹ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی
نگرانِ طباعت	:-	شہاب جمال
اشاعت اوّل	:-	مئی ۱۹۸۷ء
اشاعت دوم	:-	دسمبر ۱۹۸۹ء
تعداد	:-	ایک ہزار ایک سو
مقامِ اشاعت	:-	اے/۲۳-یو۔ کے پلازہ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک کراچی ۳۸ (پاکستان)
قیمت	:-	ایک سو پچاس روپے ۱۵۰

فون نمبر :- ۶۸۳۸۱۰

سلسلہ مطبوعات ادارۂ ابلاغ علوم و افکار ملی۔ کراچی

بھارت میں کتاب کے لئے رابطہ :- مظہر حسین صدیقی، کوہ نور وولن ہاؤس

۱۷۵۔ تلی تال، نینی تال کوڈ نمبر ۲۶۳۰۰۲، اُتر پردیش (انڈیا)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الْمُخْتَارِ لِلسِّیَادَۃِ
وَالرِّسَالَۃِ قَبْلَ خَلْقِ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

الٰہی اپنی خاص رحمت نازل فرما ہمارے سردار (آقا) حضرت محمدؐ
(صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو منتخب ہوئے سرداری اور رسالت
کے لئے لوح و قلم کی تخلیق سے بھی پہلے!

نذرِ عقیدت

بارگاہِ رسالت مآب رحمتِ مجسمؐ

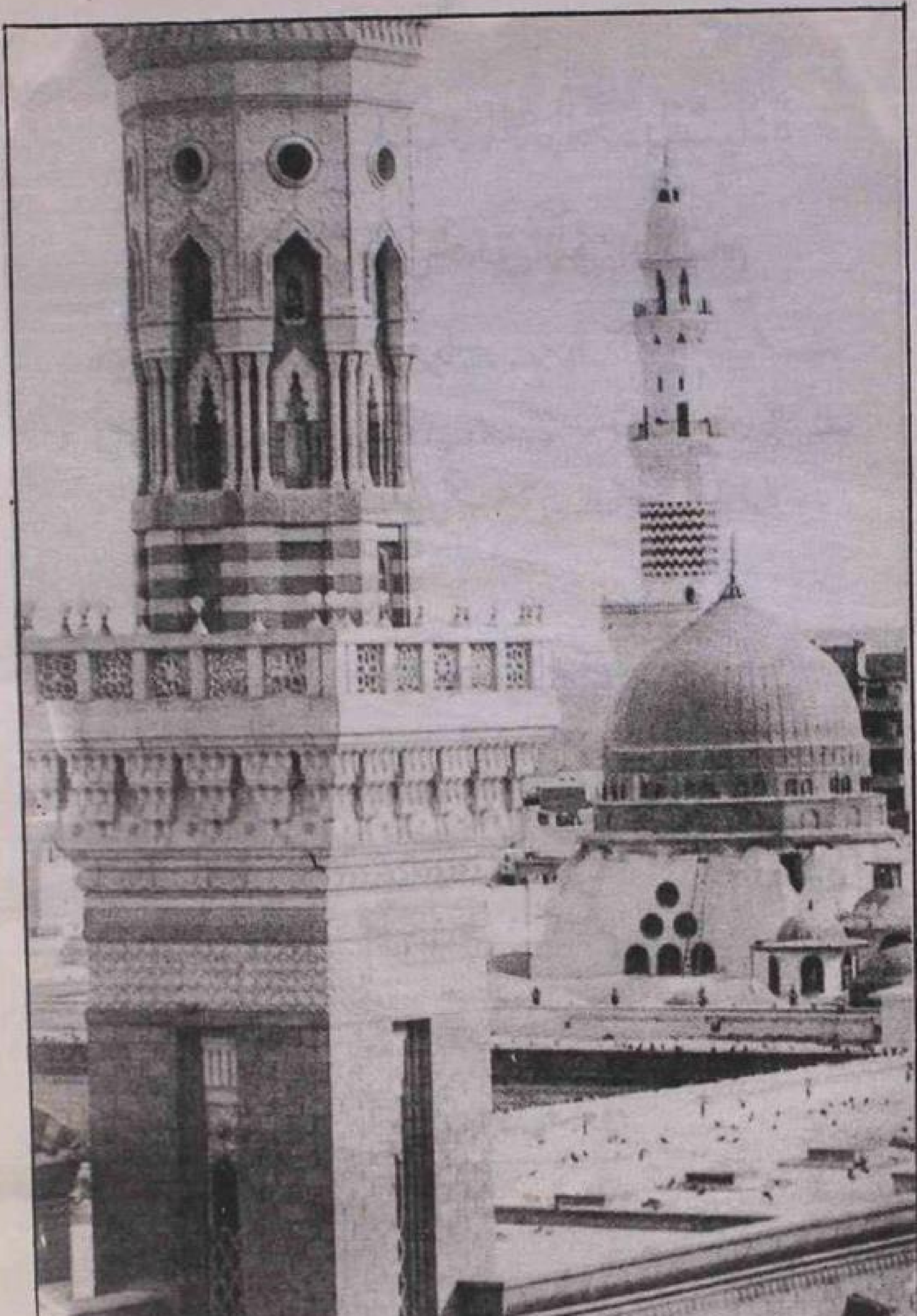
صلی اللہ علیہ وسلم

میں

خاکپائے رسولِؐ صادق

اقبال احمد صدیقی

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است



مدینہ طیبہ، منقّش مینار مسجدِ نبوی ؐ

اور سبز گُنبد

مشفق و محترم اُستاذِ گرامی

شیخِ طریقت، خطیبِ شعلہ بیان، عالمِ فضل و کمال،

شاعرِ شیریں مقال

حضرت علامہ قاری غلام محی الدین نقشبندی

قدس سرہ العزیز

(نبیرہ حضرت شاہ جی محمد شیر میاں پیلی بھیتی رح)

کے فیضِ فراواں، بے پایاں شفقت اور عارفانہ دُعاؤں کے نام

کہ اللہ جل شانہ، نے

حقیر کو اس موضوعِ جمیل پر جُنبشِ قلم کا مُستطیع فرمایا۔

رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

"لَقَدْ جَآءَكُمْ
رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا
فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ
إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ"

التوبة ١٢٨، ١٢٩ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

(ترجمہ)

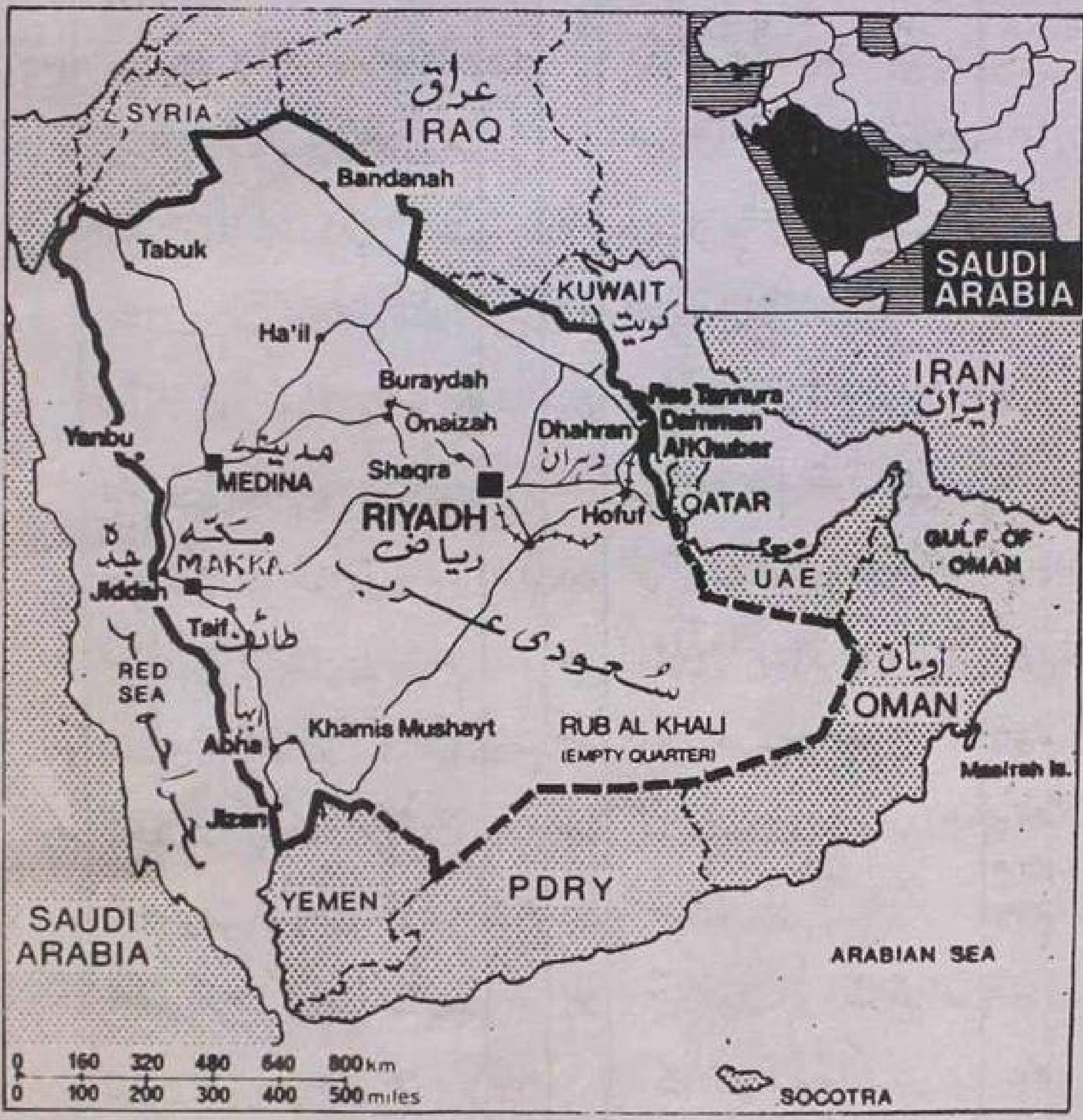
"اے لوگو! تمہارے پاس ایک
ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو
تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جنکو
تمہاری مضرت کی بات نہایت
گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت
کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔
(یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے۔
بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ
بڑے ہی خلیق (اور) مہربان ہیں
پھر اگر یہ روگردانی کریں تو (آپ)
کہدیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ
میرے لئے (تو) اللہ تعالیٰ حافظ و
ناصر کافی ہے، اس کے سوا کوئی
معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے
اسی پر بھروسہ کرلیا اور وہ بڑے
عرش کا مالک ہے"

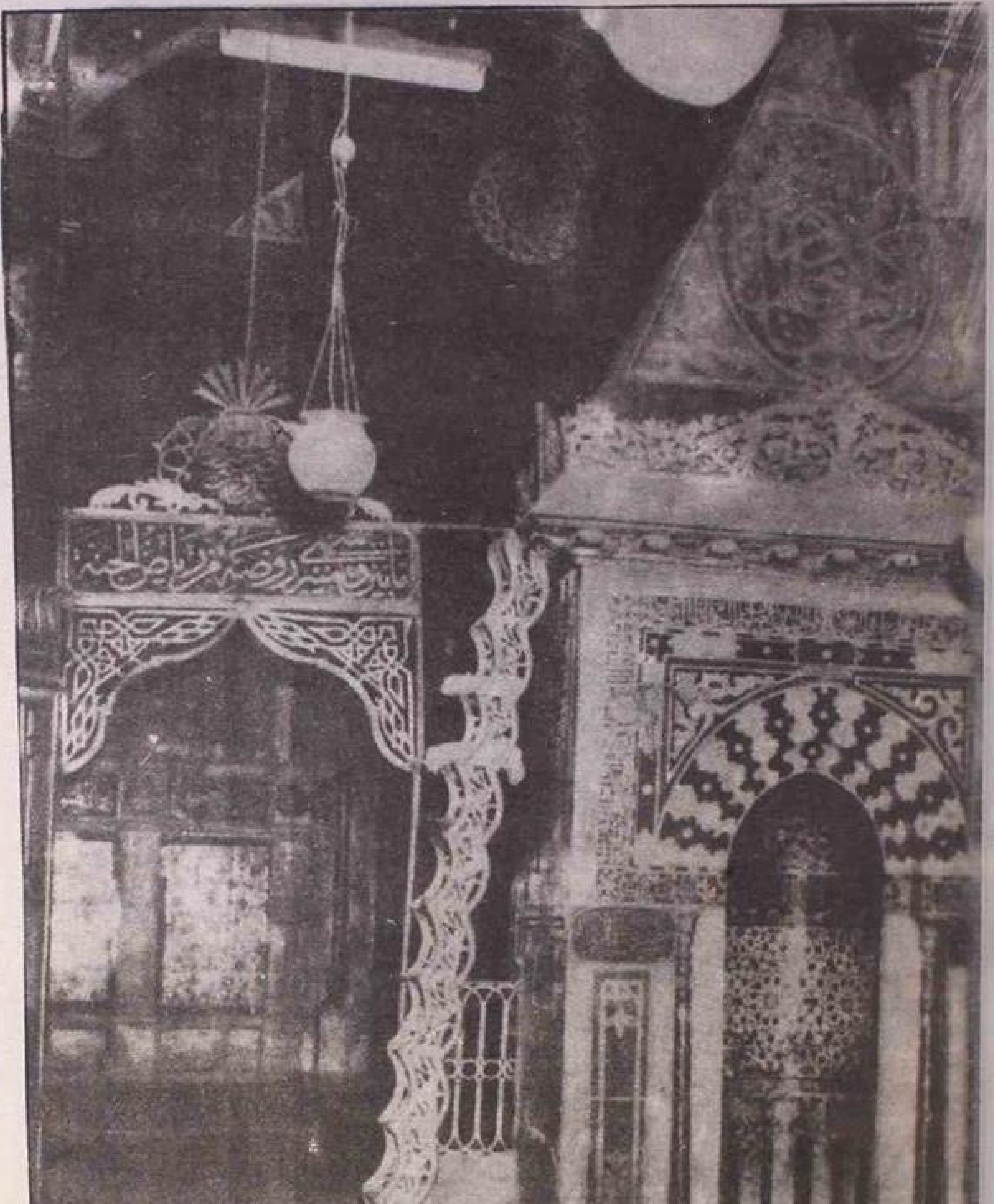
فہرستِ مضامین

سعودی عرب

اور اس کی سرحدوں سے متصل چند دیگر مسلم ممالک

کا جدید ترین نقشہ





مسجد نبویؐ کے محراب و منبر

• میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ــــــــ (حدیث نبوی صلعم)

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

حیَّ عَلَی الفَلاح

(جناب حکیم حافظ محمد سعید)

انسانیت کا سب سے قیمتی سرمایہ سیرتِ انبیاء ہے۔ اِن نفوسِ قُدسیہ نے دُنیا کی تقدیر سنواری ہے اور مثبت فکر وعمل کے ذریعہ فتنہ و فساد اور تخریب وانتشار کی قوتوں پر فتح حاصل کرنے کے زریں اُصولوں کے عملی نمونے پیش کئے ہیں۔ ان تمام انبیاءِ کرام میں جس ذات جامع کمالات کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل ہے، وہ خاتم النبیین، سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چونکہ آپؐ کی بعثت و رسالت پورے عالمِ انسانی کی طرف ہے، اس لئے آپؐ کی سیرتِ طیبہ بھی عالمگیر اور بین الاقوامی رُشد و ہدایت کا سامان رکھتی ہے اور اسی لئے اس موضوع پر دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں اہم مواد پر مشتمل نہایت بیش قیمت کتابیں ہمیشہ لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ تاابد جاری رہے گا، نت نئے عنوانات اور متعدد پہلو سامنے آتے رہیں گے، اور کرہ ارضی کو ہدایت در وشنی فراہم کرتے رہیں گے۔

نبوتِ محمدی کا سب سے بڑا فیضان عقیدۂ توحید کی وہ تکمیل ہے جو آپ کی سیرتِ طیبہ کے تمام عنوانات میں سب سے زیادہ جامع، وسیع اور محیط بہ ہمہ صفات ہے۔ اِس لیے کہ اِسی تصور توحید نے، انسانی قومیت انسانی برادری، انسانی معاشرت، انسانی تمدن، عالمی اُخوت اور عالمی عدل و مساوات کا شعور عطا کیا ہے۔

ہمارے سیرت نگاروں کی نگاہوں سے مزاجِ عصر کی یہ خصوصیت مخفی نہ ہوگی کہ آج کا انسان فکر و نظر کی وسعت اور آفاقیت کے اعتبار سے بہت کچھ آگے بڑھ چکا ہے اور وہ اس مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں بین الاقوامی صفات رکھنے والی سیرت اور صفات سے متصف نبوت کی تعلیمات ہی اس کے لئے شمعِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں، اور ایسی ذاتِ گرامی صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ آپ کا پیغام سارے عالم کے لئے ہے۔ آپ نے کسی ایک قوم کو دعوت نہیں دی، بلکہ پوری انسانی مخلوق کو اُس کے خالق کی طرف بُلایا۔ یہی توحید انسانی وحدت کا سرچشمہ ہے۔ نسلیت، قومیت، وطنیت، آفاقیت، انانیت، کے بُتوں پر اسی عقیدۂ توحید نے کاری ضرب لگائی۔ عالمی تمدن اور عصری انسان آج ایسے ہی عالمگیر دین و مذہب کا متلاشی ہے۔

سیرت نگاروں کا یہ فرض ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بعثت اسود و احمر، سب کی طرف ہوئی ہے، اُن کے اسوۂ حسنہ کو بین الاقوامی تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کریں اور توحید کی بنیاد پر وحدت و اُخوت کا وہ تجربہ جو مدینہ طیبہ میں کیا گیا، اس کو دلیلِ راہ بنا کر اتحادِ اُمّت کی جد و جہد میں اپنا کردار ادا کریں۔ پھر اُسی نمونہ و مثال کو سامنے رکھ کر عالمی سطح پر نوعِ انسانی کی اس تفریق کو دُور کرنے کی کوشش کریں جو سیرتِ نبوی اور پیغامِ محمدیؐ کی اجتماعیتِ کُبریٰ سے بے خبری کی وجہ سے بڑھتی جا رہی ہے۔

مجھے مسرت ہے کہ عزیز و محترم جناب اقبال احمد صدیقی نے "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" پر ایک گراں قدر کتاب لکھی ہے اور امن و انسانیت، اخوت و محبّت کے اِس عظیم ترین مرکز کے حوالے سے مسلمانوں میں وحدتِ فکر و عمل پیدا کرنے کی اہمیت اور ضرورت پر موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اُن کی یہ کوشش قابلِ صد تحسین ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذہنی تعمیر کرنے والی کتابوں میں اُن کی اس کوشش کو مقبولیت اور امتیاز بخشے، اور اُنھیں اجرِ عظیم سے نوازے، اس لئے کہ ان کی اِس کتاب سے وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہوئی ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ؀

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔

حرفِ حق

(محمد صلاح الدین مدیر ہفت روزہ تکبیر۔ کراچی)

کلمۂ طیبہ اسلام کی اساس ہے۔ یہ چھوٹا سا کلمہ دو مختصر فقروں پر مشتمل ہے۔
لا الٰہ الا اللہ — اور — محمد رسول اللہ —— ان میں سے پہلا جزو اقرارِ توحید، اور اقرارِ رسالت پر مبنی ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک کا اقرار کرلیا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ محض لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا، اور نہ محض محمدؐ رسول اللہ کا اقرار کر لینے سے کوئی دائرہ اسلام میں شامل ہو سکتا ہے۔

جس طرح یہ دو فقرے مل کر ایک کلمہ بنتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ، اور مدینہ منورہ میں مسجدِ نبویؐ مل کر اس کرۂ ارض پر توحید و رسالت کے دو ایسے مرکز بنتے ہیں جو بظاہر الگ الگ، مگر حقیقتاً باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ایک مرکزِ دین و ایمان ہے تو دوسرا مرکزِ عقیدت و محبت۔ ایک قبلہ ہے تو دوسرا قبلہ نما۔ ایک نشانِ معبودیت ہے تو دوسرا نشانِ عبدیت۔ ایک مرکزِ نظر ہے تو دوسرا نورِ نظر۔ ایک مرکزِ عہدِ بندگی ہے تو دوسرا مرکزی درس گاہِ بندگی۔ ایک عظمتِ خداوندی کی علامت ہے تو دوسرا رفعتِ بندگی۔ ایک جلوہ گاہِ جلالِ ربانی تو دوسرا جلوہ گاہِ جمالِ نبویؐ۔ ایک کتاب ہے تو دوسرا تفسیر۔ ایک پیغامِ عمل ہے تو دوسرا مجسّم عمل۔ ایمان قلب و نظر کی یک جائی کا نام ہے۔

اور اِس یک جائی کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ مسِس پیشِ نظر ہو اور قلب پروانے کی طرح شمعِ رسالتؐ کا طواف کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ الم نشرح میں اپنے محبوب پیغمبرؐ پر خصوصی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ وَ رَفَعنا لَکَ ذِکرَک ۔ اور ہم نے تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا ہے۔ اِس فضلِ خاص کا کرشمہ دیکھئے کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو کروڑوں انسان۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود و سلام بھیجتے ہوئے اُٹھتے ہیں۔ دن بھر کروڑوں زبانوں پر پانچ وقت کی نمازوں میں اور اُٹھتے بیٹھتے اِس کا وِرد رہتا ہے۔ سورج غروب ہوتا ہے تو اُسی ذکر کے ساتھ، اہلِ ایمان رات کو سوتے ہیں تو اِس ذکر کے ساتھ، شب بیداری کے لئے اُٹھتے ہیں تو اسی ذکر کے ساتھ اور اسی ذکر کے لئے۔ آج محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کا ذکر بلندی کی اس معراج تک جا پہنچا ہے کہ غیر مسلم بھی پوری تاریخِ انسانیت سے سو بڑے آدمیوں کا انتخاب کرتے ہیں تو سرِ فہرست محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کا نام درج کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ذکرِ محمدؐ میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی حلاوت رکھ دی ہے کہ عہدِ نبویؐ سے مدینے کی بچیوں کے گیت اور حسان بن ثابت رضؓ کی نعتوں سے اظہارِ عقیدت و محبت کا جو روح پرور اور وجد آفریں سلسلہ شروع ہوا تھا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک موجزن دریا کی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ اِسمِ محمدؐ ایسا اُجالا ہے، ایسی روشنی ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص کو بھی اظہارِ خیالات و جذبات کی کچھ قدرت میسّر آئی ہے، اُس نے حسبِ توفیق حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نثر میں، نظم میں یا محض نوکِ زبان سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی کوشش ضرور کی ہے اور اُسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھا ہے۔ آج دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں سیرتِ محمدؐ، آپؐ کے حضور پیش کردہ نعتوں اور آپؐ کے شہر مدینہ منوّرہ پر کتابوں کا جو ذخیرہ موجود ہے دنیا میں شاید ہی اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکے۔ ذکرِ محمدؐ ایک ایسی پیاس ہے جو اس ذکر سے سیراب ہوتی اور مزید بھڑکتی ہے۔ اس کی تشنہ لبی ہر وقت ہل من مزید کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔

ہمارے ملک کے مُمتاز صحافی اور ہفت روزہ اخبارِ جہاں کے سابق مدیر جناب اقبال احمد صدیقی کو اللہ تعالیٰ نے اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت عطا فرمائی ہے جو دیارِ حرمین کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور پھر "مدینہ منوّرہ کی عظمت و محبوبیت" جیسی کتاب لکھنے کا اعزاز بھی انھیں حاصل ہوا۔ یہ کتاب قلبی واردات کا اظہار بھی ہے اور مدینہ منوّرہ کی مستند تاریخ بھی۔

جناب اقبال احمد صدیقی قابلِ مُبارک باد ہیں کہ انھیں مسلمانوں کے قلُوب میں سرورِ کونین ؐ سے عقیدت و محبّت کے جذبات کو مزید توانا بنانے اور بیدار کرنے کی خدمت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کاوش کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی عظمت عطا کرے اور اُن کے لئے اسے توشۂ آخرت کے طور پر قبول فرمائے۔

کراچی

۲۰/ جنوری سنہ ۱۹۸۶ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



پیش لفظ

پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی ——— جامعہ کراچی

ہمارا رب، رب العالمین ہے اور ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) رحمۃ للعالمین ہے۔ اور ہمارا دین آفاقی اور کائناتی ہے ——— یہ دین قید مقامی سے بالاتر ہے۔ ملت اسلام کا محور و مرکز تو اللہ اور اس کا رسولؐ ہیں لیکن اگر اس کائنات میں، جو اسیر مکاں ہے، ملت اسلام کا کوئی مرکز ہے تو ——— اب اس سوال کا جواب علامہ اقبال سے سنیئے ؎

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہِ مصطفےٰؐ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شہنشاہِ معظمؐ کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جسؐ کے شہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے

ہے اگر قومیت اسلام، پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اِس کی نہ فارس ہے نہ شام
آہ! یثرب دیس ہے مُسلم کا تو، ماوٰے ہے تو
نقطۂ جاذب، تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دُنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اِس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

یثرب کے لفظ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سات شعروں میں مدینہ منوّرہ کی اہمیت وعظمت اور ملّت اسلامیہ سے شہر دلبر صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ و علاقہ سمٹ کر آ گیا ہے۔

جناب اقبال احمد صدیقی نے مدینہ منوّرہ سے متعلق ایک ایسی کتاب اردو کو دی ہے جو خوشبوئے محبت رسالت سے بسی ہوئی ہے۔ اس کے تحقیقی حصے میں بھی دل شامل ہے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کتاب کی ترتیب نے متاثر کیا ہے۔ یہ ترتیب اس عام تصنیفی اور تالیفی ترتیب سے بہت مختلف ہے۔ جس سے جناب اقبال احمد صدیقی خوب واقف ہیں۔ اور جس کے تحت وہ عمر بھر لکھتے رہے ہیں مگر اس کتاب میں جغرافیہ کے دامن میں تاریخ اور تاریخ کے حدود میں جغرافیائی خدوخال ایک ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح ماضی و حال کے درمیان کوئی بُعد نہیں ــــــ تاریخی تذکرہ میں ماضی کے بیان میں حال کی تبدیلیاں اور مستقبل کے امکانات آ جاتے ہیں۔

عشقِ مصطفویؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک نمود یہ ہے کہ کتاب کا آغاز مسجد نبویؐ سے ہوتا ہے۔ حرم مصطفویؐ، جس کے گنبد کے گرد صرف کبوتر ہی طواف نہیں کرتے، بلکہ ہماری روحیں بھی طواف کرتی ہیں۔

مدینہ منوّرہ اور ہجرت نبوی کا رشتہ اقبال صاحب کی تحریریں اپنے تمام

پہلوؤں کے ساتھ نہایت واضح ہے۔ حضور سرورِ کائناتؐ، فخرِ موجودات، بانیٔ ریاست اسلامیہ نے معاذ اللہ اپنی جان بچانے کے لئے نہیں بلکہ قیامِ ریاست اسلامیہ کے لیے مکّہ سے یثرب ہجرت فرمائی تھی ـــــــ اور اس ہجرت نے تاریخ، جغرافیہ، سیاسی تصورات اور نظریہ قومیت سب ہی تو بدل کر رکھ دیا۔ یثرب، مدینۃ النبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بن گیا۔ اور آج بھی جب ہم مدینہ منورہ کہتے ہیں تو مدینہ منورہ کی صفت ہمیں اس ذات اقدس واکمل کی یادوں تک پہنچا دیتی ہے یہیں وہ ریاست قائم ہوئی۔ جو اسلام کے اساسی تصورات کی امین تھی اور اس قومیت کا گہوارہ و مرکز بنی جس کی بنیاد رنگ پر نہیں تھی بلکہ عقیدے پر تھی۔ انہیں تمام حقائق کے پیشِ نظر شاہکارِ رسالت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی تقویم کا آغاز واقعۂ ہجرت سے فرمایا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ فداہُ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا کوئی بھی واقعہ ہماری تقویم کا نقطۂ آغاز بن سکتا تھا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اس کتاب کا آغاز ذکرِ حرم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا۔ اس ذکر میں تاریخ بھی ہے۔ حال کی توسیع بھی ہے، مسجد نبویؐ کے ستون بھی ہیں اور روضے کی جالیاں بھی ہیں۔ نئی شاہراہوں کی تعمیر کے ذریعے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک فاصلے میں جو کمی آئی ہے۔ اس کا تذکرہ بھی ہے۔

اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں کتابی اور تاریخی حوالوں کے ساتھ زندہ حوالے اور شخصی دیدہ تاثرات بھی ہیں ـــــــ یہ سب پہلو اس کتاب میں یوں سموئے گئے ہیں۔ کہ ایک نئی ترتیب وجود میں آگئی ہے۔ مولّف نے ہمیں مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب کے سفر میں بھی اپنا شریک بنالیا ہے۔ اور ان مقامات کے تذکرے میں ان کے فضائل کے باب میں احادیث اور اقوالِ اکابر امت رحمہم اللہ اجمعین یوں آتے چلے گئے ہیں جیسے اقبال صدیقی نگینے جڑ رہے ہوں۔ اور تالیف سازی کا کام

مرقع سازی میں ڈھل گیا ہو۔

یہی وہ شہر ہے جس کا نام اللہ نے طابہ یعنی پاکیزہ رکھا۔ اور جو روحوں کے لئے باعث سکون ہے (صفحہ ۱۰) اور خود سرکار ختمی مرتبت نے فرمایا کہ جس نے میری لحد کی زیارت کی تو گویا اس نے مجھے زندگی میں دیکھ لیا (صفحہ ۱۵) اور جس کے حدود میں دفن ہونے کی تمنا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمائی (صفحہ ۱۶) اور جس کے حدود میں رہنے والا تکالیف دنیوی پر صبر کرے تو اس کی سفارش قیامت کے دن حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائیں گے۔ (صفحہ ۱۷) جس شہر کے بارے میں حدیث ہے کہ مدینہ لوگوں کے لئے بہترین شہر ہے (صفحہ ۲۰)

مختصر یہ کہ مدینہ کے مقامات کی لفظی اور قلمی تصویروں کے ساتھ اس شہر کے فضائل کی روایات و احادیث بڑے سلیقے کے ساتھ یوں آتی چلی گئی ہیں جیسے محبت کی موجیں ایک دوسرے کے جلو میں ساحل مراد سے آکر ٹکرا رہی ہوں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ناقۂ قلم کو اس شہر محبت میں اقبال صدیقی نے آزاد چھوڑ دیا ہو۔ اور ناقہ نے اپنی منزلیں آپ طے کی ہوں۔

مدینہ منورہ کی عظمت کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اور آپ کے روضہ مبارکہ سے ہے۔ ہمارے آقا، ہمارے سردار اور ہمارے وجود کے ضامن صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات میں انسان سازی کے لئے تشریف لائے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی حیات، واقعات اور کارنامے اس پر شاہد ہیں کہ انسانی تاریخ نے اس کرۂ ارض پر ان سے بہتر انسانوں کا کوئی گروہ نہیں دیکھا۔ یہ وہ گروہ ہے جس کا ہر فرد ہدایت کا ستارہ ہے۔ یہ وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کہا کہ وہ ان کا مولیٰ اور کارساز ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے قلوب پر اللہ خود راحت و سکون نازل فرماتا تھا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں

پر بیعت کر کے خود اللہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ یہ وہ ہیں کہ جن سے اللہ راضی ہوا اور جو اللہ سے راضی ہوئے۔

"محمد رسول اللہؐ اور ان کے ساتھی کافروں کے مقابلے میں شدید اور آپس میں رحیم ہیں۔ اور (اے مخاطب) تو جب انہیں دیکھے گا کبھی وہ رکوع میں ہوں گے اور کبھی سجدے میں۔ اور وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں محو و مصروف ہیں۔ اور سجدوں کی تاثیر سے ان کے آثار (فضیلت) ان کے چہروں پر نمایاں ہیں"

(سورہ الفتح : آیت ۲۹)

مدینہ منوّرہ اور اس کی تاریخ کو جو شرف حاصل ہوا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الذین معہٗ کی وجہ سے ——— مکان کو مکین سے شرف حاصل ہوتا ہے۔

جناب اقبال احمد صدیقی کی اس کتاب میں اذکارِ محمدؐ و اصحابِ محمدؐ جابجا ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

اقبال صاحب نے مقاماتِ مدینہ منوّرہ کے لغوی پہلو کو بھی سامنے رکھا ہے اور یوں کتاب کا علمی پایہ خاصا بلند ہو گیا ہے اس کتاب کا تحقیقی پہلو بھی اہمیت رکھتا ہے لیکن زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اقبال احمد صدیقی نے مدینہ منوّرہ اور مسلمان کے رشتے کو اپنے سامنے رکھا ہے اور زیادہ اہمیت دی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جس شہر کو منسوب ہونا تھا اس کا ذکر توراۃ میں سلع کے نام سے موجود ہے یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تین چار سو سال پہلے دوسری صدی عیسوی میں یہاں کی بستیوں کا رخ کیا اور ان بستیوں کو منظم کر کے ایک شہر کا درجہ دیا۔ اور اسے یثرب کا نام دیا ——— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت کے موجب اس شہر کو اسلامی ریاست بنا دیا۔ یوں اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یثرب کا مدینہ بن جانا بھی قبلہ

کی تبدیلی کے سلسلے کی کڑی ہے۔ بلکہ پہلی کڑی ـــــ یہ اس حقیقت کا پہلا اظہار تھا کہ یہود کی امامت و قیادت وسیادت کا دور ختم ہوا۔

اور یوں یثرب کا مدینہ بن جانا اِس اُمّت مسلمہ کی تشکیل کا ایک اہم باب ہے۔

ہمارے بہت سے ممتاز شعراء نے یثرب کا لفظ اپنے کلام میں استعمال کیا ہے حضرت خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نام ناپسند تھا۔ لغوی اعتبار سے اس کے معانی میں ظلم اور خرابی کا مفہوم شامل ہے پھر یہ عہد اسلام سے پہلے کی یادگار ہے۔ (طیبہ اور یثرب ہم وزن ہیں، اسی لئے یثرب کے لفظ کو اشعار میں طیبہ سے بدلا جا سکتا ہے۔)

اس کتاب کے اسلوب کے بارے میں میں نے دانستہ کچھ نہیں کہا، کیونکہ اقبال احمد صدیقی ایک مقبول صاحب قلم ہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق صحافی ہیں۔ اور صحافی ابلاغ کے مسئلہ کو خوب جانتا ہے۔ اقبال صدیقی صاحب کا بیان ہر جگہ "بیان" کے مفہوم کا حق ادا کرتا ہے۔ یعنی بات میں وضاحت اور قوت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ یہ کتاب خوشبوئے محبتِ رسالت میں ڈوبی ہوئی ہے پھر اس کتاب میں ان صحابہ کرامؓ کے واقعات ہیں جن کی زندگی اور کردار میں صفاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو نظر آتا ہے۔ یوں یہ کتاب ایک مرقّع نور بن گئی ہے اور اقبال احمد صدیقی کے الفاظ میں خوشبو کے ساتھ ساتھ روشنی بھی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جناب اقبال احمد صدیقی کی یہ کاوش صرف اُردو دنیا ہی میں مقبول نہیں ہوگی، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بھی اسے شرف قبولیت حاصل ہوگا۔ کیونکہ یہ شہر ہادی برحق اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر تھا اور اس شہر کی خاک سے آپ کو ازلی و ابدی نسبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :-

"میرے جسم کی تخلیق میں استعمال ہونے والی خاک (مقدس) اسی بلدِ نور (مدینہ) کی خاک کا وہ حصہ ہے جہاں میری آخری آرام گاہ ہے۔"

یہ وہ شہر ہے جس کا ایک نام "دار الہجرۃ" بھی ہے۔ اس شہر کو "الایمان" بھی کہا گیا۔ یہی شہر "بیت الرسول" ہے۔ یہی شہر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے۔ اور یوں "المحبیہ" بھی اس کا نام ہے۔ یہ دار الابرار، دار الاخیار اور "الانصار" ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کی تاریخ اور روایاتِ محبت کو ہم تک پہنچانے والے کو اپنے بہترین انعامات سے نوازے۔

ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

کراچی

حکایتِ غمِ جاناں ہے باوضو کہیئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

اور مضبوط پکڑے رکھو رسی اللہ کی سب مل کر اور آپس میں تفرقہ مت ہونے دو (آل عمران ۱۰۳)

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

عرضِ مؤلف

الحمدُ للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ اما بعد ــــــ

سراپا سپاس گذار اور مجسم تشکر و ممنونیت ہوں، اپنے معبودِ حقیقی، خالقِ کائنات اللہ جل جلالہٗ وحدہٗ لاشریک کا، کہ اُس رحمان و رحیم کی عطائے خاص اور توفیقِ فراواں سے یہ کتاب مستطاب "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" تحریر، ترتیب اور تدوین کے مرحلۂ تکمیل کو پہنچی۔ مرحلۂ تکمیل سے مفہوم دیگر نہ لیا جائے۔ عرضِ مدعا کا محل یہ ہے کہ ان مختصر اوراق میں سمندر جیسے وسیع و عمیق موضوع پر جو حقائق اور فکر انگیز کوائف یک جا کئے جا سکتے تھے، اُنھیں بصد مشکل اور بدقت تمام سمیٹ لینے اور سمو لینے کی کوشش کی ہے۔ اربابِ فکر و نظر آسانی سے کتاب کے احقر تذکرہ نگار کے یہ دردمندانہ جذبات محسوس فرمالیں گے کہ اگرچہ تحقیقی طرزِ بیان کے سبب یہ اوراق تاریخی تاثر کا مجموعہ نظر آتے ہیں اور کتاب کے متعدد ابواب اور ذیلی عنوانات ہمارے جلیل القدر اسلاف کے رفیع الشان کارناموں سے جگمگا رہے ہیں۔ لیکن بین السطور پوری کتاب پر فکری و نظریاتی رنگ غالب ہے۔ اور یہ رنگ روئے زمین پہ شرقاً غرباً، جنوباً شمالاً آباد، تمام فرزندانِ اسلام کے مابین ملی وحدت کا رنگ ہے۔ یہ نظریہ یہ نصب العین، اسلامی یک جہتی اور اُخوت کا نظریہ ہے۔ ہم اللہ رحمٰن و رحیم کے

نام لیواؤں کو اور محسنِ انسانیت، رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو اپنے آقا، رہبر، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کسی بھی سرد و گرم مرحلے میں ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے ۔ طبقاتِ کبیر میں علامہ ابن سعدؓ نے یہ قولِ رسولؐ نقل کیا ہے :۔

اِنَّ کُلَّ مُسْلِمٍ اَخُوالْمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ اِخْوَۃٌ

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں ۔"

راقم السطور نے ماضی اور مستقبل دونوں حوالوں سے مسلمانوں کے لئے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بلا شرکتِ غیرے اس کی حاکمیتِ اعلیٰ پر ایمان رکھنے والے اور اللہ کے رسول آخریؐ کو پیغمبرِ صادق ماننے والے افرادِ ملّت کو جبکہ وہ حاملِ قرآنِ حکیم بھی ہیں ۔ ملّتِ اسلامی کی اساسِ اخوت و یگانگت کے رشتے میں مربوط و منظم رہنا چاہیئے ۔ یہی منشائے الٰہی ہے ۔ یہی مقصدِ تعلیماتِ نبویؐ ہے

بالفعل صورتِ حال تشویشناک حد تک برعکس ہے ۔ ہم معروضی حقائق سے گریزاں ہیں ۔ یعنی ہمارے نام مسلمانوں جیسے ہیں ۔ دعویٰ ہمیں اللہ کا بندہ اور رسول اکرمؐ کا غلام ہونے کا ہے ۔ لیکن عملاً ہم اس ملک میں ہی نہیں، پوری دنیا میں منتشر اور فرقہ بندی میں منقسم ہیں ۔ شعائرِ اسلامی سے واسطہ واجبی سا ہے یا وہ رسم و رواج کے طور پر ہیں ۔ ہمارے فرائضِ دینی اور واجبات تک ہماری ذاتی پسند یا ناپسند اور اختراعات سے محفوظ نہیں ۔ کتاب و سنّت کی مکمل روشنی اور رہنمائی کے باوجود ہم علوم و افکارِ دین و مذہب کی نت نئی تشریحات و تعبیرات کی بدولت بے شمار فرقوں اور طبقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں ۔ قیامت کا خوف اور ربّ کائنات کی عدالتِ عظمیٰ میں اپنے اعمالِ نیک و بد کی جواب دہی کا احساس ہمارے دلوں سے جاتا رہا ۔ اس سے عظیم اور عصری المیہ کیا ہو گا کہ فی الوقت من حیث القوم مسلم

ہم پورے کرۂ ارض پر روبہ انحطاط ہیں اور وسائلِ مادی، اخلاقی و روحانی کی فراوانی کے باوجود نحیف و نزار ملّت کے طور پر ہماری شناخت بنتی جارہی ہے۔ ہمارا ماضی ایسا تو نہ تھا۔ انفس و آفاق ہمارے جلیل القدر اکابر اور کارناموں کے شاہد ہیں۔

پوری دنیا کی اسلام دشمن قوتیں، تحریکیں، دولت مند ممالک، سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ اقوام مسلم ممالک میں انتشار، اخلاقی کج روی اور ذہنی بے راہروی پھیلانے والی خفیہ تنظیمیں ہمیں لقمۂ تر سمجھ رہی ہیں اور درپۂ آزار ہیں۔ اُخوّت کی جگہ عناد نے، ملّی وحدت کی جگہ محاربۂ خون آشام نے لے لی ہے۔

تاریخ اسلام کا عہدِ مکّی اور عہدِ مدنی گواہ ہے کہ جب ہم بکھرے ہوئے، غیر منظم اور ناواقفِ اسرارِ متاعِ حیات تھے، عرفانِ ذات اور خدا شناسی سے محروم تھے۔ حتّٰی کہ نوع بہ نوع عصبیتوں اور فرقوں اور استحصالی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تو کون سا ایک سجدہ بنی نوعِ انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلانے آیا تھا۔ یہ توحیدِ باری تعالیٰ کا آوازۂ حق تھا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّتِ آخریں اور اُن پر نازل ہونے والے کلامِ ربّانی قرآنِ مجید نے ہمیں ایک متحد، مربوط، مجموعۂ اوصاف، شجاع، صحیح العقیدہ، ثابت قدم اور ناقابلِ تسخیر اُمّتِ مسلمہ بنا دیا۔ جس کا قلب صرف خشیتِ الٰہی سے معمور تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ یہ سب نعمتیں، ہدایات اور لافانی صداقتیں آج بھی موجود ہیں۔

- توحیدِ باری تعالیٰ ہمارے ایمان کی بُنیاد ہے۔
- احکاماتِ الٰہی اور اُسوۂ رسولؐ کا اتباع ہمارا دستورِ حیات ہے۔
- آقائے دو جہاںؐ کی اطاعت، محبّت، اسوۂ حسنہ کی پیروی بلکہ عشقِ مصطفےٰؐ میں فنا ہو جانے کے ہم آرزو مند اور داعی ہیں۔
- حرمِ کعبہ، مکّہ مکرّمہ۔ حرمِ نبویؐ مدینہ منوّرہ ہماری آنکھوں کا نور، اور

دلوں کی ٹھنڈک ہے۔

جیسے قول وعمل کی سچائی کی یہ بہاریں دیکھنی ہوں سننے سے بہتر ہے، جس مرد یا خاتون کو ربِ کائنات توفیق دے، استطاعت دے، دنیا بھر سے آئے ہوئے مختلف رنگ ونسل، زبان ولباس کے لاکھوں فرزندانِ توحید کا اُمنڈتا ہوا یہ سیلابِ نور بچشمِ خود دیکھے، کبھی بیت اللہ شریف میں مسجد الحرام میں، کبھی مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں سبحان اللہ! اس کتاب کو لکھتے وقت راقم السطور کی کیفیت ایک عاجز وعاصی اور مہجور بے نوا کی رہی۔ جو خاکِ طیبہ پر قدم رکھ کر اپنی جسارت پر ندامت اور وارفتہ محبت کے آنسو بہا رہا ہو۔ بہرحال اپنے دامنِ عجز ونیاز میں اس زائرِ حرم نے کچھ تحفے مقدور بھر آپ کے لئے جمع کئے ہیں۔

شاید ان میں والہانہ اُلفت کے جذبوں کا مدّ وجزر ہے۔ طیبہ کی فضاؤں کی شبنمی ٹھنڈک ہے۔ ہجرتِ نبوی کے عہد ساز واقعہ کی تاریخ آفرینی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حکایت جاں نثاری ہے۔ اُمّہات المومنین رضی کی دل افروز وفاشعاری ہے بے مثال صبر وقناعت اور صاحبِ قابَ قوسین کی جود وسخا کے خیال انگیز واقعات ہیں۔ جہاد کی شفق شفق پھیلی ہوئی قوسِ قزح ہے۔ ورطۂ حیرت میں ڈالنے والے واقعات کی کہکشاں ہے۔ الفاظ کی تنگ دامانی کے علی الرغم شمائلِ نبوی اور جمالِ مصطفےٰ کا جہانِ رنگ ونور ہے۔ یہی خوشبوئے محبت، ایمان وایقان کی شمع اور اپنے رفیع الشان اسلاف کے کارناموں کا تاریخی شعور ہے۔ نکہت ونور کے ایک بحرِ بیکراں میں اتنے لعل وگہر ہیں، کسے اپنے دامن میں رکھ لوں، کسے اوجِ ثریا پر سجا دوں، خوش رنگ اور ہری بھری شاخوں سے کس غنچے یا گلِ نازک کو چن لوں، کسے شاخ پر دمکتا رہنے دوں، اگر اس جمع وانتخاب میں کوئی کمی سیلتے کی رہ جائے، تو یہ گُل ولالہ کی نہیں گُل چیں کی محدود دسترس، اور کم نگاہی کا قصور جانیں اور اس عاجزانہ پیش کش کو قبول فرمالیں۔

من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

ربِّ کائنات کے حضور بصمیم قلب دُعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو حرمین شریفین کی زیارت اور حاضری بار بار نصیب ہو اور پُورے وثوق سے کہتا ہوں کہ جس شخص، مرد یا خاتون نے بیت اللہ شریف کے طواف کا حال سُنا، مسجدِ نبوی کی حاضری کی کیفیت کسی زائرِ حرم نے بتائی۔ اس کے لئے یہ اُس وقت تک کافی نہیں ہے۔ تا آنکہ وہ خواتین و حضرات یہ ایمان افروز اور ناقابلِ قیاس روح پرور، وجد آفریں مناظر بچشمِ خود زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ نہ دیکھ لیں۔ سُبحان اللہ العظیم۔

اربابِ دانش سے مخلصانہ گزارش ہے کہ باوجود حتی الوسع احتیاط، اگر کوئی سہوِ کتابت یا نادانستہ فروگزاشت اِن اوراق میں کسی مقام پر نظر آئے تو ازراہِ کرم ایثارِ فی الدین کے جذبہ سے اس عاجز کو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ نقشِ ثانی میں اس پر توجہ دی جاسکے۔ ماہرینِ تاریخ وسیَر امر بھی ذہن نشین فرمالیں کہ کتاب کے بڑھتے ہوئے حجم کے پیشِ نظر غزواتِ نبوی کی تفصیلات اور بعض دوسرے موضوعات کو اس ایڈیشن میں صرفِ نظر کرتے ہوئے محفوظ رکھنا پڑا۔ سیرتِ طیبہ رسولِ پاک کے بنیادی عوامل کو مقدم رکھا گیا ہے۔

اس کتاب کی طباعت و اشاعت، پروف ریڈنگ اور دیگر امور میں تعاون کرنے والے حضرات کا نہایت ممنون ہوں۔ کثیر تعداد میں تہنیت اور حوصلہ افزائی کے پیغامات ملے، جنھیں خصوصی مجلّہ میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تدوین و اشاعت کا مقصد غیر متنازعہ انداز میں سیرتِ رسولِ پاک، عظمتِ صحابہؓ، امہات المومنینؓ، خانوادہ رسالتؐ اور اسلام کی پہلی فلاحی ریاست، مدینہ کے حالات و کوائف کا ابلاغ کرنا ہے۔ جو حضرات اس میں تعاون فرمائیں گے۔ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ انھیں اِس کارِ خیر کا اجر و ثواب ضرور عطا فرمائیں گے۔

مخصوص انداز سے لکھی جانے والی کتابیں بعض اوقات دین کا فہم دشوار اور تاریخ کی صحیح قدر و منزلت کا ادراک مشکل بنا دیتی ہیں۔ لیکن راقم السطور نے اس کتاب کو کھلے ذہن کے ساتھ اور حقیقی جذبات احترام و عقیدت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ تاکہ تمام مرد بھائی، خواتین بہنیں، ہماری نئی نسل کے لڑکے، لڑکیاں، بچے، بچیاں، اس کتاب کو اول تا آخر ذوق و شوق، ذہنی طمانیت اور فکر و مطالعہ کی روانی کے ساتھ پڑھ سکیں اور ان میں اسلامی شعائر کی پیروی و اتباع، اپنے عظیم المرتبت اسلاف کے لئے احترام، اور قدر شناسی کا جذبہ بیدار ہو، اسلام کی درخشاں تاریخ کے صحیح شعور کے بغیر ہم جدید مسلم معاشرے کی خود اعتمادی بحال نہیں کر سکتے۔ جبکہ مغربی نشر و اشاعت کے ادارے منفی رجحانات کی نشو و نما میں اتنے برق رفتار ہوں!

خواتین کے لئے جس قدر زیادہ تناسب سے اس کتاب میں سیرتِ پاکؐ اور متعلقہ موضوعات پر مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس نے اسے مسلم خواتین کی خصوصی دلچسپی کی کتاب بھی بنا دیا ہے۔ بہر حال یہ ایک انسانی سعی و جستجو اور کاوش قرطاس و قلم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قبولیتِ عامہ کے اسباب مہیّا فرما دیں، تو میں سمجھوں گا، کارِ خیر کا مقصد پورا ہوا۔ یا مقصد نگارش کا ابلاغ ہوا۔ دعائے عاجزانہ مستجاب ہوئی۔

اے باری تعالیٰ! میرا ہدیۂ تشکر قبول فرمالیجئے کہ آپ نے سیرتِ پاکؐ اور مدینہ طیبہ جیسے مُبارک موضوع پر احقر العباد کو یہ ضخیم کتاب لکھنے، مدون کرنے، شائع کرنے کی سعادت عطا فرمادی، آپ میری التجا قبول نہ فرماتے تو میرے لئے یہ ہرگز ممکن نہ تھا۔ یقیناً آپ بڑے مہربان اور رحمت فرمانے والے ہیں۔ اے الٰہ العالمین! میرے افراد خانہ میں میری رفیقۂ حیات (جو خود حرمین شریفین کی زائرہ ہیں) اور میرے فرزند سعادتمند عزیز اقبال صدیقی نے اس مفید کاوش میں میری جو مادّی و اخلاقی حوصلہ افزائی کی۔ انھیں اپنی رحمتوں اور دینی و دنیاوی نعمتوں کی صورت میں اجرِ کثیر عطا فرمائے۔ آمین

کراچی — یکم رجب المرجب ۱۴۱۳ھ زائرِ حرم: اقبال احمد صدیقی

اشاعتِ ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ تشکر

اللہ رب العالمین کی اس عطائے خاص کا بدرجہ غایت شکر و احسان ہے کہ تحقیقی اور تالیفی خصوصیات سے مرصّع یہ کتاب "مدینہ منوّرہ کی عظمت و محبوبیت" (الموسوم: ایک مطالعہ سیرت رسولِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم) ۲۵ ستمبر ۱۹۹۷ء کو کراچی میں ایک شایانِ شان تقریب رونمائی کے ساتھ منظرِ عام پر آئی اور دوسرے برس کے اختتام سے قبل ہی اس کا ایک ایک نسخہ خواہش مند قارئین کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ علمی و دینی حلقوں تعلیمی و تحقیقی اداروں، پاکستان اور بیرون پاکستان تاریخی و سوانحی کاوشوں کی جو غیر معمولی پذیرائی ہوئی وہ اپنی جگہ وقیع اور لائق طمانیت، لیکن اخبارات و جرائد کے ناقدانہ تبصروں اور پاکستان ٹیلی وژن کراچی کے نشریاتی پروگرام میں معروف اسکالرز، ذی وقار صحافیوں، مورخین اور ثقہ سیرت نگاروں نے اس کتاب کو جس تحسین و ستائش کا مستحق قرار دیا اس کا اعتراف کرنا بھی نہایت خوشگوار فریضہ ہے۔

ایسے ہر موقع پر راقم الحروف نے اپنے والد بزرگوار اقبال احمد صدیقی صاحب مصنّف کتاب ہٰذا کو اللہ جل شانہ کے حضور سراپا سپاس گزار دیکھا ہے۔ وہ پروردگار عالم کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا واضح اعتراف کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی تاریخ، پہلی اسلامی فلاحی مملکت کی تشکیل اور حضور نبی کریم رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اقدس جیسے حساس، واجب ادب و احترام اور وسیع موضوع پر اس اسلوب خاص کی کتاب کی تدوین و تکمیل تائید الٰہی اور حضور رحمۃ للعالمینؐ کے فیضان کے بغیر ہرگز ممکن نہ تھی اور یہ بلاشبہ آقائے دوجہاں صاحب قاب قوسین محبوب رب المشرقین و المغربین کے نام مبارک اور رفیع الشان ذکر کی خوشبو ہے جو از خود ہر سمت فضا کو معطر کر رہی ہے اور متواتر نکہت و نور بن کر بکھر رہی ہے۔

الحمد للہ! اب اس کتاب "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" جس کا ذیلی عنوان (سیرتِ رسول اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مطالعہ ہے کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آرہا ہے جن کرم فرماؤں اور عقیدت مندوں نے پہلے ایڈیشن کا نسخہ مطالعہ کر کے حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے یا اپنی بے لاگ قیمتی آراء سے نوازا ہم ان کے ممنون ہیں۔ یہ خواتین و حضرات رسول پاکؐ کی سیرت مطہرہ، جاں نثار صحابہ کرامؓ و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پر عظمت شخصیات اور کارناموں، نیز اسلامی فلاحی طرز معاشرت کے ابلاغ میں فاضل سیرت نگار کے مددگار و معین بنے ہماری دعا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک اس بامقصد کاوش میں بقدر امکان و استطاعت شریک ہونے والوں کو اجر فراواں عطا فرمائے اور رسالت آخرینؐ کے نور سے ہمارے قلوب کو منور اور کشادہ ظرف کرے۔

اس موقع پر یہ توقع بھی بے جا نہ ہوگی کہ طبع دوم کو بھی انشاء اللہ العزیز حسب سابق جمیع مسلمانان پاکستان اور دیگر ممالک میں قبولیت عام حاصل رہے گی۔

اگرچہ چند در چند ناگزیر وجوہ اور موانع کے باعث کتاب کا نقش ثانی شائع کرنے میں تاخیر ہوئی۔ حتیٰ کہ معیاری آفسٹ پیپر اور دیگر طباعتی اشیاء کی ہوش ربا گرانی نے بادل ناخواستہ کتاب کی سابقہ قیمت پر بھی نظر ثانی کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ تاہم قارئین کرام سے التماس ہے کہ معتبر راویوں، صحیح العقیدہ متقدمین کے ثقہ ماخذوں سے مرتب کی جانے والی تاریخی و سوانحی کتابوں کے اس سلسلے کو قائم رکھنے میں ادارہ ابلاغ علوم و افکار ملی سے ہر ممکن تعاون جاری رکھیں اور فاضل مصنف کتاب، بانی ادارہ ابلاغ، محترم اقبال احمد صدیقی صاحب کی صحت و عافیت کیلئے دعا فرمائیں۔ تاکہ وہ دوسرے زیر تکمیل تحقیقی و تصنیفی موضوعات پر اپنی کاوشوں کو مکمل کر سکیں۔

زیر نظر اشاعت دوم بجا طور پر برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم دین، عالمی سطح پر معروف فقہ اسلامی کے ماہر، نامور مورخ اور محقق حضرت مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی علیہ الرحمتہ کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ گرامی قدر ممدوح اس جہان آب و گل میں موجود ہوتے تو آج اس کتاب کا نقش ثانی دیکھ کر یقیناً مسرور ہوتے۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کے مسودہ پر پہلی بار نظر ثانی کر کے اسے شایان شان طریق پر شائع کرنے کا مفید مشورہ مرحمت فرمایا تھا اور کتاب شائع ہونے پر بطور سیرت نگار اور محقق، مجھ عاجز کے والد گرامی جناب اقبال احمد صدیقی کو

(اپنی بدرجہ کمال علمی سخت گیری کے باوجود) تحسین وآفرین سے نوازا تھا۔ باری تعالیٰ فکری ژولیدگی، اخوت و یگانگت کے فقدان، اخلاقی کج روی، ذرائع ابلاغ واشاعت پر مغربی افکار وتمدن کے گمراہ کن تسلط اور غیر ثقہ حکایات وکتابیات کی موجودہ یلغار میں دین حق اور مثالی مسلم معاشرہ کیلئے صدق دل سے جدوجہد جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے عزائم، ہمارے وسائل میں اتنی خیر وبرکت دے کہ شر کی کھل کر مزاحمت کرسکیں اور کارہائے خیر کے لئے ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

منصور اقبال صدیقی

(ایم۔اے تاریخ اسلام)

۱۷ر دسمبر ۱۹۸۹ء

کراچی فون:۔ ۱۰ ۳۸ ۶۸

مدینہ منورہ کی عظمت ومحبوبیت :- اقبال احمد صدیقی

سعادتِ عمرہ اور فریضۂ حج کے لیے حرمین شریفین کے سفر پر جانے والے خوش نصیب حضرات کو دعائیہ کتابچے عموماً دستیاب ہوجاتے ہیں لیکن پیشِ نظر کتاب "مدینہ منورہ کی عظمت ومحبوبیت" میں مدنی تاریخ اور سیرتِ نبویؐ کا فاضل مصنف جناب اقبال احمد صدیقی نے ایسے مؤثر اور دل نشیں انداز میں احاطہ کیا ہے کہ بالاستیعاب مطالعے کے بعد اوّلین اسلامی فلاحی مملکت کے مثالی رموز ونکات اور سرکارِ مدینہ سید الاوّلین والآخرین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ مبارک کے اوصاف وکمالات قلب پر نقش ہوجاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس جامع کتاب کی قبولیتِ عامہ کا ایک بڑا سبب اس کا یہی منفرد اسلوب ہے اور اپنے محققانہ طرزِ تدوین کی بدولت اسے سیرت کی کتابوں میں گرانقدر اضافہ قرار دیا جاتا رہے گا۔

(جناب اظہر حسن صدیقی۔ نائب صدر ایوانِ اُردو۔ کراچی)

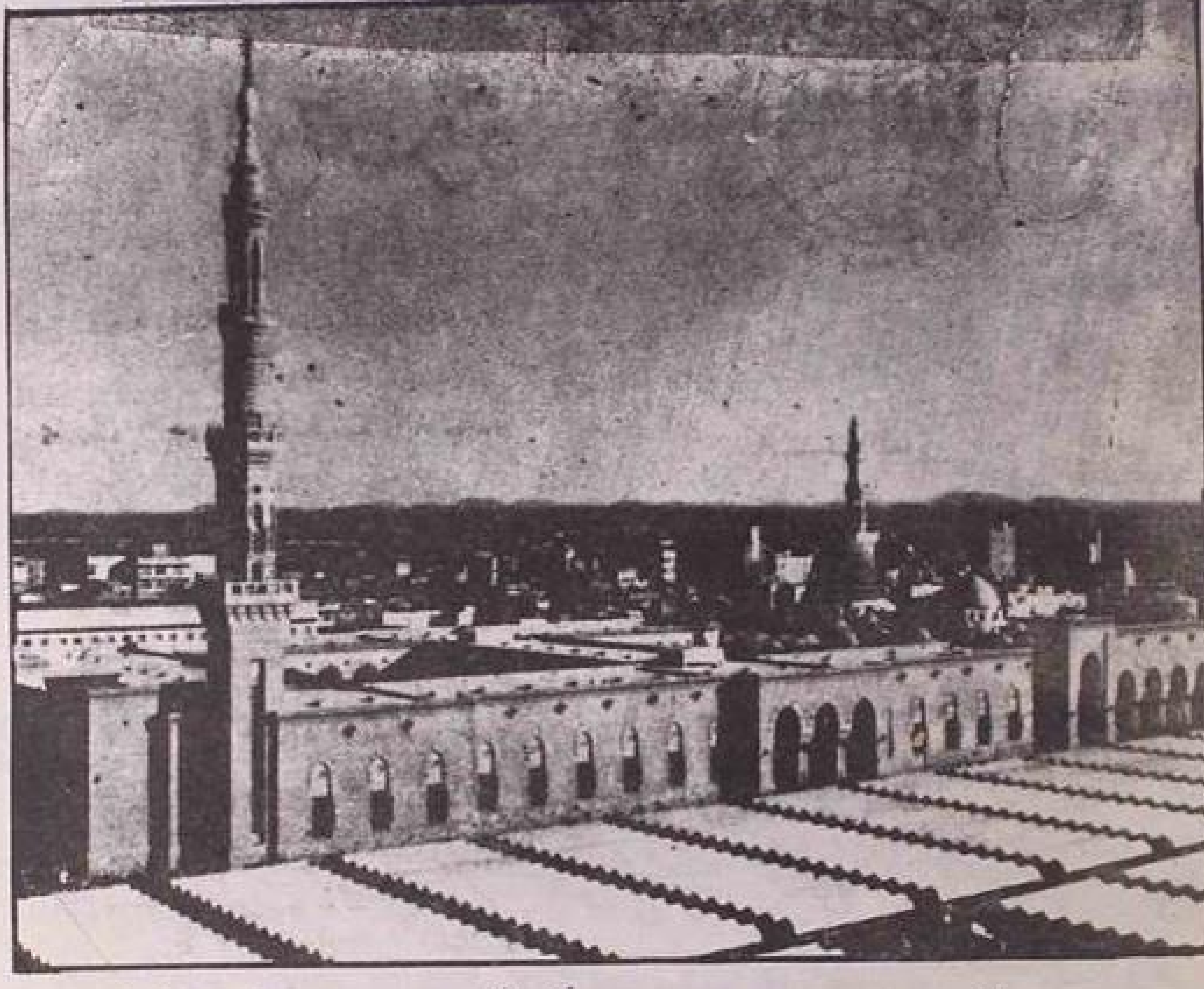
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً

خداوندا اپنی خاص رحمت نازل فرما ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مبعوث

لِكُلِّ الْاُمَمِ

ہوئے رحمت بنکر ساری اُمتوں کے لئے

گلستانِ محبّت، گلستانِ مدینہ



مدینہ منوّرہ اور ہجرتِ مدینہ مسلمانوں کے ملّی ارتقاء وارتباط کی دو ناگریز کڑیاں ہیں۔ ہجرتِ مدینہ کی بدولت ہی ۶۲۲ عیسوی میں اسلامی سن ہجری کا آغاز ہوا۔ مدینہ منوّرہ کا چپہ چپہ آقائے دوجہاں سرور کونین محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ کی یادوں کی خوشبو لیے ہوئے ہے۔ کیا گلیاں، کیا بازار، کیا تنگ راستے، کیا کشادہ شاہراہیں کہ اب متوازن راستوں اور گزرگاہوں کو اہلِ مدینہ اور زائرین حرم کی سہولت کے لیے سعودی حکومت کشادہ تر کرنے میں مصروف ہے۔ چودہ صدیوں قبل کی بات تو خیر دُور افتادہ بات ہے جن خوش نصیبوں نے دنیا کے کسی حصّے سے سُو پچاس

برس قبل مدینۃ النبیؐ میں حاضری دی ہ وہ صورتِ حال اب باقی ہے جن صاحبان نے دس بیس برس قبل مدینہ کی مہمانی کی سعادت حاصل کی وہ بعد میں گئے تو تعمیراتی تبدیلیاں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ راقم الحروف نے جو مناظر حرم نبوی پاک کے اطراف گنجان اور قدیم آبادی کے دیکھے ہیں وہ آئندہ سال زیارتِ مدینہ کرنے والے نمایاں تغیرّ و تبدل کے ساتھ دیکھیں گے کیونکہ نمازیوں کو زیادہ کشادہ اور سایہ دار جگہ مہیّا کرنے اور حجاج کی آمد و رفت میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مسجد نبویؐ کے چہار اطراف صفائی ستھرائی کا سلسلہ جاری ہے۔

تاریخی نقطۂ نظر سے مسجد نبویؐ کے رقبے میں وسعت اور دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی عظمت و مقبولیت میں اضافے کا سلسلہ متواتر جاری ہے۔ یہ وہ مقاماتِ نور و نکہت ہیں کہ ان کی شان و شوکت، عظمت و رفعت اور حرمت و مقبولیت کے لیے ہر طلوع ہونے والا دن نوید جانفزا لے کر آتا ہے۔ یہ وہ شان مصطفویؐ ہے کہ اللہ ربّ العزت خود اس کا نگہبان اور محافظ ہے اور اسی کی خوشنودی اور رضا سے آج یہ عالمگیر شہرت کا حامل مقام مرجع خلائق ہے۔ یہ ایسی شان ایسی آن بان ہے کہ کسی فرد یا گروہ کے لیے اس کو مٹانا انشاء اللہ ہرگز ممکن نہیں۔ مستند کتابیات گواہ ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب اس جہانِ فانی سے پردہ فرمایا اور مدینہ منوّرہ میں صدیقۃ کائنات سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ کا حجرۂ مبارک آقائے دو جہاں صاحب قاب قوسین کی ابدی آرام گاہ بنا تو مسجد نبویؐ کا تعمیراتی رقبہ ۲۴۷۵ میٹر پر مشتمل تھا۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ کے لیے یہی سعادت کیا کم ہے کہ بعد از ہجرت جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو زمین کی قیمت رفیق سفرِ ہجرت خلیفۃ الرسول سیّدنا صدیق اکبرؓ نے ادا کی۔ اس طرح مدینہ منوّرہ میں خانۂ خدا حضرت صدیق اکبرؓ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ (بحوالہ فتح الباری)

امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب کے عہدِ خلافت میں گیارہ سو میٹر مسجدِ نبویؐ میں توسیع ہوئی۔ امیر المؤمنین خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ۴۹۶ میٹر کا اضافہ ہُوا۔ اموی عہد خلافت میں خلیفہ ولید بن عبد الملک نے مسجد نبویؐ میں ۲۳۶۹ میٹر کی توسیع و تعمیر کی جبکہ عباسی خلیفہ مہدی نے اپنے زمانے میں ۲۴۵۰ میٹر رقبہ مسجد نبویؐ میں شامل کیا۔ ملک اشرف قاتیبائی نے بھی تعمیر و توسیع جاری رکھی۔ اس طرح ۱۲۰ میٹر کا مزید اضافہ ہُوا۔ ترک سلطان عبد المجید عثمانی نے اپنے عہدِ حکومت میں خصوصی توجہ دی اور یہ رقبہ مزید ۱۲۹۳ میٹر وسیع ہو گیا۔ حجازِ مقدس میں جب سعودی حکومت کا آغاز ہُوا۔ اس وقت مسجد نبویؐ کا مجموعی رقبہ دس ہزار تین سو تین مربع میٹر تھا۔

اس کے بعد سعودی توسیعات کا سلسلہ شروع ہُوا۔ سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آلِ سعود کے دَور میں مجموعی طور پر ۶۰۲۴ مربع میٹر کی توسیع ہوئی اور نئی تعمیرات سے عمارت کا شکوہ بہتر بنایا گیا۔ ان کے جانشین جلالۃ الملک شاہ سعود کے دَور میں بھی یہ تعمیراتی سلسلہ جاری رہا۔ باب السعود مسجد نبویؐ کے ابواب میں ایک عظیم الشان باب ہے جس پر نماز کے وقت بڑا ہجوم دیکھنے میں آتا ہے۔ بعض اوقات اور خصوصیّت سے ایامِ حج میں نمازیوں کی صفیں بابِ سعود سے گزر کر شیڈوں تک جا لگتی ہیں۔ جو لوگ تاخیر کے سبب مسجد نبویؐ میں داخل ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں وہ باب السلام بابِ سعود، بابِ عمرؓ، بابِ عثمانؓ، باب جبرائیلؑ یا مسجد نبویؐ کے کسی بھی باب کے قریب ترین جا نماز بچھا کر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسجد نبویؐ میں گول ستونوں کی تعداد ۲۳۲ ہے۔ سب نہایت ٹھوس مضبوط اور بلند ہونے کے علاوہ خوبصورت ہیں۔ آثار مدینہ منوّرہ کے مؤلف نے تحقیق شدہ کوائف کے حوالے سے لکھا ہے:

"یوں تو مسجد نبویؐ کی توسیع اور اس کو شایانِ شان تعمیر کرنے کا عظیم الشان

منصوبہ جلالۃ الملک عبدالعزیز السعود کے ذہن میں عرصۂ دراز سے متمکن تھا لیکن مشیّتِ ایزدی کے مطابق اب اس کا وقت آگیا تھا چنانچہ ۵ رمضان ۱۳۶۸ھ کو جلالۃ الملک موصوف کا ایک کھُلا خط مدینے کے ایک اخبار میں اس عظیم و مبارک کام کے متعلق حکومت کے منشا اور نیک خواہشات کے بارے میں شائع ہُوا جس کے ذریعے تمام عالمِ اسلام کو مسجد نبوی ؐ کے توسیعی پروگرام کا مژدۂ جانفزا سُنایا گیا۔ اس اعلان کے بعد جلالۃ الملک نے تیزی کے ساتھ عملی اقدامات شروع کر دیے۔ چنانچہ تمام ضروری ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد شوال ۱۳۷۰ھ میں بروز جمعرات اس عظیم کام کی داغ بیل ڈال دی گئی اور توسیعی پروگرام کے سلسلے میں مسجد نبوی ؐ کے اطراف کے تمام مکانات وغیرہ منہ مانگے داموں خرید کر منہدم کرنا شروع کر دیے گئے اور ان کے ملبے کے حمل و نقل کا زبردست کام شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ میں جلالۃ الملک موصوف نے بنفسِ نفیس مدینۂ آ کر ایک عظیم مجمع کے رُوبرو مسجدِ نبوی ؐ کی توسیع کا سنگِ بُنیاد رکھنے کی رسم انجام دی۔ چنانچہ شعبان ۱۳۷۲ھ میں اس مسعود و مبارک مسجد کی بنیادوں کی کھدائی کا طویل سلسلہ بابِ رحمت کی مغربی سمت میں شروع ہو گیا اور ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ کو اس مقدس عمارت کی تعمیر شروع ہو گئی۔ ماہ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ میں جلالۃ الملک شاہ سعود مدینے پھر تشریف لائے اور موصوف نے مغربی گوشہ کی ایک دیوار کی تعمیر کے وقت خود اپنے ہاتھ سے چار پتھر رکھے۔" (صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

ایک دو باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں کہ مسجد نبوی ؐ کی تعمیر و توسیع کے منصوبے کے تحت جن قدیم عمارات اور مکانات کو منہدم کرنا پڑا۔ ان کے مالکان کو موزوں اور

معقول معاوضے کی فراہمی کی گئی۔ ایک ایک انچ زمین بھی زبردستی یا سرکاری حکم کے تحت حاصل نہیں کی گئی۔ حکومت سعودی عرب نے اکابرین و مندوبینِ مدینہ کی ایک بااختیار کمیٹی تشکیل دی تھی جس کا کام ہی یہ تھا کہ منہدم کی جانے والی جائیدادوں کا صحیح تخمینہ لگائے اور معاوضے کی صحیح ادائیگی تجویز کرے۔ اس طرح جو رقبہ مسجدِ نبوی کے لیے حاصل کیا گیا وہ مجموعی طور پر بائیس ہزار نو سو چھپن میٹر مربع تک پہنچ گیا۔ دوسری بات باعث مسرت و طمانیت یہ ہے کہ جن انجینئروں اور ماہرینِ تعمیر کی نگرانی میں جدید تعمیر کا آغاز ہوا ان میں مصری، شامی ماہرین کے علاوہ پاکستانی انجینئر بھی شامل تھے

زمانہ قدیم میں صرف عرب و عجم میں نہیں دنیا بھر کے متعدد ممالک میں شہروں کے اردگرد فصیل تعمیر کرنے کا رواج تھا تاکہ آبادیوں کو بیرونی حملہ آوروں کی یورشوں سے محفوظ رکھا جا سکے اور اگر کوئی حملہ آور فوج لے کر آئے تو فصیلِ شہر کے دروازے بند کر کے اُسے باہر روک دیا جائے۔ دریں اثناء اندرون شہر فوجی طاقت اور وسائل کو جمع کر لیا جاتا تھا۔

قلب جزیرۃ العرب المصباح المنیر، مشاہدات و معلومات خاصۃ الکامل، وفیات الاعیان، لسان العرب، وفاء الوفاء، روض الانف جیسی بے شمار کتابیں اس نوع کی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے ابھی تک ہم متعدد اہم اور معرکہ آرا عربی کتب کو اردو زبان میں منتقل نہیں کر سکے۔ اردو ترجمہ نہ ہونے کے باعث صرف محقق حضرات ہی کی نگاہ ان کوائف تک پہنچتی ہے جو تاریخی حقائق کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کی فصیل بندی ایک تودہ قرار دی گئی جب غزوۂ خندق کے موقع پر شہر پناہ کے طور پر خندق کھودنے کا کامیاب تجربہ کیا گیا لیکن باقاعدہ شہر کی فصیل کا پتہ ۲۶۳ھ میں محمد بن جعدی کے ذریعہ چلتا ہے جس نے شہر کے چاروں طرف فصیل تعمیر کرائی تھی۔ اس فصیل کو باقی رکھنے اور مضبوط بنانے میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں ۵۴۰ھ میں جمال الدین اصفہانی اور ۵۵۸ھ میں ملک العادل نور الدین محمود

بن زنگی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آٹھویں صدی اور نویں صدی ہجری میں پھر فصیلِ مدینہ کو مضبوط بنایا گیا۔ سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۴۶ھ میں پتھر اور چونے کی آمیزش سے طویل مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کرائی جو اب پندرھویں صدی ہجری میں بھی کسی نہ کسی صورت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس فصیل کے یہ دروازے مشہور ہوئے۔ بابِ مصری، بابِ قبلہ، بابِ شامی، بابِ مجیدی، بابِ جمعہ، بابِ جدید، بابِ صغیر وغیرہ بابِ صغیر کے بارے میں یہ حوالہ بھی ملتا ہے کہ فخری پاشا نے جنگِ عظیم اوّل میں اسے منہدم کرا دیا تھا۔

سیّدالانام، خاتم الانبیاء حضرت محمّد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مسکن مُبارک، دارِ ہجرت اور آخری آرام گاہ مدینہ منوّرہ، دُنیا کے نقشے پر مشرق میں ۳۹ درجہ طول البلد اور شمال میں ۲۴ درجے عرض البلد پر سطحِ سمندر سے دو ہزار تیس فٹ بلندی پر اپنی دل کش فضاؤں، عطر بیز ہواؤں، رُوح پرور تجلیّوں، حسن و جمالِ مصطفویؐ کی دلآویزیوں اور فیوض و برکاتِ نبویؐ کی فراوانیوں کے ساتھ شمالی وسطی حجاز میں واقع ہے

مدینۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے محلِ وقوع کے بارے میں متعدّد جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ وہ طائف اور خیبر اور چند دوسرے شہروں کی طرح حجاز کے کوہستانی سلسلے کا ہی ایک شہر ہے۔ بحرِ احمر کے ساحل پر واقع شہر الوجہ سے لے کر مکہ مکرمہ تک حجاز کا پہاڑی سلسلہ ساحلِ سمندر سے کافی ہٹ کر گزرتا ہے۔ ان پہاڑوں کے مغربی جانب جو وسیع میدانی علاقہ ہے اسے تہامہ کہتے ہیں، تہامہ کو غور بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی نشیبی زمین کے ہیں جب کہ نجد کے معنی بلند زمین کے ہیں۔ چونکہ مدینہ منوّرہ تہامہ کے شمالی حصّے میں وادیٔ عقیق کا سرسبز و شاداب خوبصورت اور پرفضا نخلستانی مقام ہے اور اس کا محلِ وقوع میدانِ تہامہ اور حجازی سلسلہ کوہ

کا مقام اتصال ہے، اس لیے اس شہرِ عالم تاب کو تہامی بھی کہہ سکتے ہیں۔

"مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے شمال میں ۴۹۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بحر احمر کے ساحل پر واقع مشہور تاریخی شہر اور اہم بندرگاہ جدہ سے مدینہ منورہ تقریباً ۴۲۵ کلومیٹر ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے حجاز کے ان تینوں اہم شہروں کے درمیان فاصلے کا ایک مساوی الاضلاع مثلث بن جاتا ہے جن کے قاعدے یعنی جدہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان کی مسافت ۶۱ کلومیٹر سے لے کر ۱۰۰ کلومیٹر ہے۔"

جناب محمد بن خلیل عربی مرحوم نے حجاز مقدس پر تحقیقی کوششوں کے بعد ایک سلسلہ وار تاریخی مقالہ روزنامہ المدینہ جدہ میں ۱۴۰۵ھ کے ایام حج میں شائع کرایا تھا۔ مندرجہ بالا پیراگراف اسی سے ماخوذ ہیں۔ ان کے ہاں اختصار کے ساتھ جامعیت اور عقیدت کے ساتھ معلومات آفرینی بھی ہے اور ذوق جستجو نیا رنگ خود بناتا ہے ورنہ یہ دلکش عنوان کیسے سامنے آتا۔

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است

ہم ایک حد تک اس تحقیقی نکتہ سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ مدینۃ النبیؐ جو پہلے یثرب تھا ایک قدیم آبادی ہے اور ایک ہزار سال قبل مسیح میں اس کے واضح آثار مل جاتے ہیں۔ ہم نے بلد الامین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر جس راستے سے کیا وہ ۱۴۰۴ھ میں بالکل نئی شاہراہ کے طور پر مکمل ہوا ہے۔ "طریق ہجرت" کی بدولت اب ۴۹۷ کلومیٹر کی مسافت میں ۶۰ کلومیٹر کی مزید کمی ہو گئی ہے اور سبحان اللہ یہ سفر لاجواب ہے روشنیوں سے جگمگاتا اور تاریخ ہجرت کی یادوں کو تازہ کرتا سفر۔ نئی شاہراہوں، پلوں اور سرنگوں نے سعودی عرب میں ٹریفک کے نظام میں انتہائی جدید اور سہولت بخش تبدیلیاں کی ہیں۔ مدینہ منورہ کے محل وقوع کی اہمیت سرزمینِ حجاز مقدس میں جغرافیائی اور تاریخی دونوں حوالوں سے نہایت درجہ ہے۔ ایک مسلمان کے لیے خصوصیت سے یہ بات نہایت اہم ہوتی ہے کہ مقدس شہروں کے وہ کون سے راستے ہیں جہاں سے آقائے دو جہاں سید الکونین نبی رحمت

صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر رفقاء کا گزر ہوا۔ غزوات نبوی کے سلسلے میں جہاد کا سفر کیا۔ کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقائے صادق رضہ کے ہمراہ خیمہ زن ہوئے اور قیام فرما کر کوچ کا حکم فرمایا۔ اب یہ نئی کشادہ اور پختہ شاہراہیں یا تو کہیں کہیں ٹھیک انہی مقامات سے گزرتی ہیں یا ان مقامات کے دور و نزدیک سے گزرتی ہیں۔

اس ضمن میں مندرجہ بالا سلسلے کا ایک حوالہ اور لائقِ مطالعہ ہے جس سے بنیادی معلومات میں مدد ملتی ہے۔ مثلاً بحر احمر کا مغربی ساحل مدینہ منورہ سے کچھ زیادہ دُور نہیں۔ یہ فاصلہ صرف ۱۲۰ میل ہے جبکہ بحر احمر کا مغربی ساحل ۲۰۰،۱ کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ مشہور تاریخی بندرگاہ اور صنعتی ترقی کا مرکز ینبع یہاں سے کوئی ۲۲۰ کلومیٹر پر واقع ہے۔

"اسی علاقے میں واقع ایک اور ساحلی شہر الوجہ سے مدینہ منورہ چار سو نوے (۴۹۰) کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ مدینہ منورہ اور الوجہ کے درمیان کا یہ فاصلہ قریب قریب اتنا ہی ہے جتنا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے۔ نیز مدینہ منورہ اور جدہ کے درمیانی فاصلے سے کچھ ہی زیادہ ہے اور اس طرح بحر احمر کے ساحلی علاقے میں ایک دوسرا مثلث بن جاتا ہے جس کے سرے پر مدینہ منورہ واقع ہے اور جس کا قاعدہ جدہ اور الوجہ کی بندرگاہوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ تقریباً دو لاکھ کی آبادی کا یہ مقدس شہر آبادی کے لحاظ سے سعودی عرب کے شہروں میں پانچویں نمبر پر آتا ہے اور یہ اسلام کے تین مقدس ترین شہروں میں سے ایک ہے باقی دو شہر مکہ مکرمہ اور بیت المقدس ہیں۔ اللہ کے حکم سے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شہر کو بھی حرم قرار دیا اور مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد اس کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہاں مسلمان کی ایک نیکی کا ثواب اسے پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔"

(ماخوذ مجلہ المدینہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ ص ۱۶۰)

مدینے کے شب و روز:

گذشتہ دنوں فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں مدینہ منورہ میں قیام کا موقع ملا تو مسجد نبویؐ اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے بعد جو وقت ملتا تھا اس میں یہ خواہش ہوتی تھی کہ مدینۃ النبیؐ کی کسی علمی و دینی شخصیت سے ملاقات کی جائے۔ متعدد ایسی شخصیات کا ذکر سنا جو نبی پاکؐ کے اس محبوب اور پسندیدہ شہر میں مستقلاً سکونت پذیر ہیں۔ کوئی بزرگ سمرقند و بخارا سے آئے ہیں کوئی برصغیر پاک و ہند سے۔ آقائے دو جہاں سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارفتہ محبت کشاں کشاں اس نورانی سرزمین پر انہیں لے آئی اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ متعدد ایسے اشخاص ملے جو معمولی ذریعۂ معاش میسر آنے پر قانع ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں رہائش کو دوسری ضروریات پر ترجیح دے کر اس وقت یہاں زندگی کے شب و روز بسر کر رہے ہیں۔ جبل احد پر واقع مسجد کے خطیب و امام حافظ محمد صادق سے ملاقات ہوئی تو جلد ہی چند حوالوں سے دوستانہ روابط کی سبیل نکل آئی۔ جی بہت خوش ہوا۔ مسجد نبویؐ کے احاطے سے ملحق رباط بھوپال کے عقب میں باب المجیدی سے عین متصل ہماری قیام گاہ تھی۔ حافظ صاحب وہاں تشریف لائے۔ غزوۂ احد کی شہادت گاہ، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گنج شہیداں بیر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وہ کنواں جو ہجرت نبویؐ کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضؓ نے مسلمانوں کی ضرورت کے لیے یہودیوں سے خرید کر وقف کیا تھا) مسجد قبلتین، میدان غزوہ احزاب اور مسجد قبا کی زیارت کے لیے گئے۔ غزوۂ خندق کے مقام پر سات مساجد سفید رنگ کی موجود ہیں۔ مسجد ابوبکر صدیق رضؓ، مسجد عمر فاروق رضؓ، مسجد علی رضؓ، مسجد فاطمہ رضؓ، مسجد فتح، مسجد سلمان فارسی رضؓ وغیرہ۔ مسجد ابوبکر صدیق رضؓ میں پانچوں وقت کی باجماعت نماز ہوتی ہے جبکہ باقی مساجد میں زائرین نوافل ادا کرتے

ہیں۔ طرزِ تعمیر برقرار رکھا گیا ہے۔ مسجد فتح میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی لشکر کی کامیابی کے لیے دُعا فرمائی تھی اور بالآخر دشمن کے بڑے لاؤ لشکر کو سخت ناکامی اور ہزیمت کے ساتھ منتشر ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مدینہ منورہ سے اس مقام کا فاصلہ بمشکل تین کلومیٹر ہے۔

مدینے کی مسجد فتح:

مسجد فتح جبل سلع کے غربی سمت ایک ٹیلے پر واقع ہے جس کے نیچے بطحان کے سیلابی پانی کے بہاؤ کے لیے ایک نالہ ہے۔ مسجد کے اطراف میں ایک وسیع میدان بھی ہے جہاں اہلِ مدینہ مملکتِ عثمانیہ کے عہد میں اپنے خیمے نصب کرتے تھے اور فوجی انداز میں اپنی مخصوص جگہوں پر ٹولیاں بنا کر جسمانی ورزشیں کھیل کود اور جنگی مشقیں کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اب تقریباً تیس سال سے بند ہے۔ مسجد فتح کا شمار بھی اُن مساجد میں ہوتا ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں تعمیر ہوئیں۔ اس کی موجودہ عمارت پتھر، سیمنٹ اور چونے کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے جنوبی حصّے میں مضبوطی کے لیے ایک ستون بھی بنا ہُوا ہے اور سامنے کی جانب کشادہ صحن بھی ہے جو چھوٹی سی ایک دیوار سے محصور ہے۔ اس مسجد میں گنبد بھی بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۸ میٹر ہے۔ چوڑائی تین میٹر اور بلندی بھی تقریباً اتنی ہی ہے۔ اس بلندی پر واقع مسجد میں پہنچنے کے لیے تقریباً بارہ سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ایک مستطیل چوبی تختی پر جو مسجد کی پچھلی دیوار پر اندرونی جانب آویزاں ہے ایسی عبارت تحریر ہے جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد سلطان عبدالمجید خان کا حوالہ تحریر ہے۔ عین ممکن ہے سلطان عبدالمجید نے اپنے دَور میں اِس مسجد کی تعمیر و مرمّت پر توجہ دی ہو یا اس مسجد کو آکر دیکھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد فتح میں تین بار دُعا فرمائی اور جب آپؐ کی دُعا کو بارگاہِ الٰہی

میں شرفِ قبولیت حاصل ہُوا تو اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نمایاں تھے۔ اس کے علاوہ بھی اس سلسلے میں جتنی احادیث منقول ہیں ان سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ خندق کے موقع پر اسی مسجد میں مخالفینِ اسلام کی شکست کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفّار پر فتح و نصرت عطا کی اور تمام دشمنانِ اسلام شکست کھا کر ناکام و نامراد واپس لوٹے تو اس مسجد کا نام مسجد فتح رکھا گیا۔ محقق حضرات نے جب گذشتہ صدی کے آخر میں اسے دیکھا تو یہ مسجد اینٹ پتھر اور کھجور کی لکڑی سے بنی ہوئی نظر آئی۔ بقول ان کے ابن ابی الھیجا نے ۵۷۰ھ میں اس مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور پھر عثمانی عہد میں توجہ دی گئی۔ تاہم عمارتی شکوہ کیوں موجود نہیں رہا، یہ بات تحقیق طلب ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جب ذکر آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی نسبت بھی مسجد فتح سے ضرور رہی ہوگی۔ بطحان کا سیلابی راستہ طے کر کے یہاں پہنچا جاسکتا ہے۔

ہم نے اسلامی عہد کی تعمیرات کی جانب قارئین کی توجّہ مبذول کرانے کے لیے یہاں مسجد فتح کا تذکرہ کیا تاکہ نسبتاً گمنام ہوجانے والے مقامات روشنی میں آئیں۔ "آثار مدینۂ منوّرہ" کے نام سے جناب عبدالقدّوس انصاری نے مدینۂ منورہ میں مقیم رہ کر یہ معلومات کتاب کی صورت میں مدوّن کی تھیں، جناب سیّد عبدالرشید ندوی نے اسے اُردو زبان کا قالب عطا کردیا لیکن آج کل یہ کتاب نایاب ہے، پہلے ایڈیشن کے ایک دستیاب نسخہ سے استفادہ کیا گیا۔ سید عبدالرشید ندوی زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں بقول اُن کے "سعودی عرب کے مشہور و ممتاز فاضل و ادیب جناب عبدالقدوس انصاری کی یہ تالیف آثار المدینۃ المنورہ (۱۹۶۵ء میں) مطالعہ سے گذری تھی۔

مسجد سلمان فارسیؓ

یہاں مسجد سلمان فارسیؓ دیکھ کر کئی واقعات تازہ ہوگئے جو بعض مورخین یا

ہیں۔ طرزِ تعمیر برقرار رکھا گیا ہے۔ مسجد فتح میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی لشکر کی کامیابی کے لیے دُعا فرمائی تھی اور بالآخر دشمن کے بڑے لاؤ لشکر کو سخت ناکامی اور ہزیمت کے ساتھ منتشر ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مدینہ منوّرہ سے اس مقام کا فاصلہ بمشکل تین کلومیٹر ہے۔

مدینے کی مسجد فتح:

مسجد فتح جبل سلع کے غربی سمت ایک ٹیلے پر واقع ہے جس کے نیچے بطحان کے سیلابی پانی کے بہاؤ کے لیے ایک نالہ ہے۔ مسجد کے اطراف میں ایک وسیع میدان بھی ہے جہاں اہلِ مدینہ مملکتِ عثمانیہ کے عہد میں اپنے خیمے نصب کرتے تھے اور فوجی انداز میں اپنی مخصوص جگہوں پر ٹولیاں بنا کر جسمانی ورزشیں کھیل کود اور جنگی مشقیں کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اب تقریباً تیس سال سے بند ہے۔ مسجد فتح کا شمار بھی اُن مساجد میں ہوتا ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں تعمیر ہوئیں۔ اس کی موجودہ عمارت پتھر، سیمنٹ اور چونے کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے جنوبی حصے میں مضبوطی کے لیے ایک ستون بھی بنا ہوا ہے اور سامنے کی جانب کشادہ صحن بھی ہے جو چھوٹی سی ایک دیوار سے محصور ہے۔ اس مسجد میں گنبد بھی بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۸ میٹر ہے۔ چوڑائی تین میٹر اور بلندی بھی تقریباً اتنی ہی ہے۔ اس بلندی پر واقع مسجد میں پہنچنے کے لیے تقریباً بارہ سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ایک مستطیل چوبی تختی پر جو مسجد کی پچھلی دیوار پر اندرونی جانب آویزاں ہے ایسی عبارت تحریر ہے جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد سلطان عبدالمجید خان کا حوالہ تحریر ہے۔ عین ممکن ہے سلطان عبدالمجید نے اپنے دَور میں اِس مسجد کی تعمیر و مرمّت پر توجّہ دی ہو یا اس مسجد کو آ کر دیکھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد فتح میں تین بار دُعا فرمائی اور جب آپؐ کی دعا کو بارگاہِ الٰہی

میں شرفِ قبولیت حاصل ہُوا تو اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نمایاں تھے۔ اس کے علاوہ بھی اس سلسلے میں جتنی احادیث منقول ہیں ان سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ خندق کے موقع پر اسی مسجد میں مخالفینِ اسلام کی شکست کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفّار پر فتح و نصرت عطا کی اور تمام دشمنانِ اسلام شکست کھا کر ناکام و نامراد واپس لوٹے تو اس مسجد کا نام مسجدِ فتح رکھا گیا۔ محقق حضرات نے جب گذشتہ صدی کے آخر میں اسے دیکھا تو یہ مسجد اینٹ پتھر اور کھجور کی لکڑی سے بنی ہوئی نظر آئی۔ بقول ان کے ابن ابی الھیجا نے ۵۷۵ھ میں اس مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور پھر عثمانی عہد میں توجہ دی گئی۔ تاہم عمارتی شکوہ کیوں موجود نہیں رہا، یہ بات تحقیق طلب ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جب ذکر آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی نسبت بھی مسجدِ فتح سے ضرور رہی ہوگی۔ بطحان کا سیلابی راستہ طے کر کے یہاں پہنچا جا سکتا ہے۔

ہم نے اسلامی عہد کی تعمیرات کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانے کے لیے یہاں مسجدِ فتح کا تذکرہ کیا تاکہ نسبتاً گمنام ہو جانے والے مقامات روشنی میں آئیں "آثار مدینۂ منوّرہ" کے نام سے جناب عبدالقدّوس انصاری نے مدینۂ منورہ میں مقیم رہ کر یہ معلومات کتاب کی صورت میں مدوّن کی تھیں، جناب سیّد عبدالرشید ندوی نے اسے اُردو زبان کا قالب عطا کر دیا لیکن آج کل یہ کتاب نایاب ہے، پہلے اڈیشن کے ایک دستیاب نسخہ سے استفادہ کیا گیا، سیّد عبدالرشید ندوی زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں بقول اُن کے "سعودی عرب کے مشہور و ممتاز فاضل و ادیب جناب عبدالقدوس انصاری کی یہ تالیف آثار المدینۃ المنورہ (۱۹۶۵ء میں) مطالعہ سے گزری تھی۔

مسجد سلمان فارسیؓ

یہاں مسجد سلمان فارسیؓ دیکھ کر کئی واقعات تازہ ہو گئے جو بعض مورخین یا

سیرت نگاروں نے تحقیق کیے ہیں۔ پہلی بات جو کہی گئی وہ یہ کہ جب ۴ھ یا ۵ھ میں عرب کے مختلف قبائل نے جمع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں مدینے پر یلغار کرنے کا منصوبہ بنایا تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضؓ نے اپنے تجربے کی بنا پر مشورہ دیا کہ دشمنوں کی تعداد چونکہ بہت ہے اس لیے کھلے میدان میں جنگ کرنا درست نہیں۔ مناسب یہ ہوگا کہ شہر کے چاروں طرف خندقیں کھودی جائیں۔ اس طرح شہر محفوظ ہو جائے گا اور قلعہ کا کام دے گا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند کیا اور چاروں طرف خندق کھودنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے بلکہ خندق کی حدود حضور اکرم ؐ نے خود خط کھینچ کر مقرر فرمائی تھیں۔

جب دشمنانِ اسلام مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو خندق دیکھی، اندر پہنچنا دشوار نظر آیا۔ لہٰذا محاصرہ کر کے پڑ گئے۔ مسلمان مدینے کی جانب اُس طرف تھے جہاں اس طرف شہر آباد ہے اور خندق کے دوسری پار دشمن پڑے ہوئے تھے۔ ایک ماہ مسلسل محاصرہ رکھا اور لگا ہے گا ہے جانبین سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ چھ مسلمان شہید ہوئے اور تین مشرک جہنم رسید ہوئے حتیٰ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس کی وجہ سے مشرکین تتر بتر ہو کر بھاگ گئے اور مسلمان بحمد اللہ تعالیٰ وفضلہٗ اندر شہر میں آ گئے۔ (تذکرہ سیرت سلمان رضؓ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مقیم مدینہ منورہ) گویا اس غزوہ میں مسلمانوں کو مدینے کا دفاع مطلوب تھا لیکن دفاع کے علاوہ مکمل نصرت الٰہی سے ہمکنار ہوئے۔

حضرت سلمان رضؓ کا پسندیدہ مکان

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانۂ خلافت میں حضرت سلمان فارسی رضؓ مدائن کے گورنر بنا دیے گئے تھے۔ ان کی گورنری کے زمانے کے واقعات

عجیب ہیں۔ اُس زمانے میں اُن کو بیت المال کی جانب سے پانچ ہزار کی رقم ملتی تھی وہ اس سب کو صدقہ کر دیتے تھے اور خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ حال یہ تھا کہ اُن کے پاس ایک عبا تھی جسے آدھی بچھا لیتے تھے اور آدھی کو اوڑھ لیتے تھے۔ اسی گورنری کے دَور میں انہوں نے اس طرح بھی زندگی گذاری کہ صرف درختوں کے سائے میں بیٹھ کر دن پورے کر دیے اور ایک کوٹھری تک نہ بنائی۔ جب سایہ ہٹ جاتا تو سائے کے ساتھ خود بھی سرک جاتے تھے۔ درخت پر کپڑا ڈال کر مکان بنایا تو ایک شخص نے پیش کش کی — "آپ کے لیے مکان بنا دوں"۔

فرمایا — "اچھا بنا دو۔ مگر کیسا بناؤ گے؟"

اس شخص نے کہا — "اتنا مختصر بناؤں گا کہ جب آپ کھڑے ہوں گے تو سر چھت سے لگ جائے گا اور جب لیٹیں گے تو دیوار سے پاؤں لگ جائیں گے"۔

یہ سُن کر فرمایا۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے بنا دو"۔

(ماخوذ حلیۃ الاولیاء و صفۃ الصفوہ ۱۲)

مُسلم شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی روایت کیا گیا ہے:

المدینۃ حرم (یعنی مدینہ حرم ہے)

اس حدیثِ نبویؐ کو پڑھتے وقت طبرانی شریف کا یہ قولِ رسولؐ خود بخود ذہن میں آجاتا ہے:

حرم ابراھیم مکۃ وحرمی المدینۃ

(ترجمہ) ابراہیم علیہ السّلام کا حرم مکّہ معظّمہ تھا اور میرا حرم مدینہ طیّبہ ہے۔

ویسے یہ بڑی ضروری اور جاننے والی بات ہے کہ جزیرۃ العرب بھی شہر مدینہ کا ایک جامع اور خوبصورت نام ہے۔ الیٰ دیار المحبوب میں واضح طور پر اس امر کا حوالہ دیا گیا ہے کہ مدینہ طیّبہ کے بہت سے ناموں میں سے ایک نام جزیرۃ العرب بھی ہے۔

راقم الحروف نے اس کے بعد والی عبارت کو یوں محسوس کیا کہ گویا سند کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ یہ جو بعض محدثین نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب) بیان کر کے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ (مشرکین کو جزیرۂ عرب (مدینہ طیبہ) سے باہر نکال دو) ایک نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ جزیرۃ العرب سے مدینہ منورہ ہی مراد ہے اس رائے کو زیر غور رکھنا چاہیئے۔ اگرچہ دوسرے علماء اس سے تمام ارضِ حجاز ہی مُراد لیتے ہیں اور یہ بھی بلا شبہ وقیع رائے ہے۔ بہر حال نام جزیرۃ العرب شہر مدینہ کی عظمت اور مکہ مکرمہ کے بعد اسلام کا دوسرا مرکزی شہر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(بحوالہ صفحہ ۱۷)

احترامِ مدینۃ النبیؐ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مورخین نے تحریر فرمایا کہ بقول خود اس کی احتیاط فرماتے کہ شہر مدینہ میں سواری پر سوار نہ ہوں (شہر سے باہر جا کر سوار ہوں) فرماتے تھے مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے گھوڑوں سے اس زمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیبِ خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے پھرے ہوں۔"

مدینہ مسلمانوں کے لیے اوّل اوّل ایسا شہر نہیں تھا جہاں صرف راحت و سکون سے انہوں نے شب و روز گزارے ہوں بلکہ اسلام کی پہلی مثالی فلاحی مملکت کے قیام کی خشتِ اوّل رکھنے میں جو مشکل مراحل پیش آئے وہ سب یہاں پیش آئے۔ مدینہ کے عظیم المرتبت شہر ہونے میں جہاں اور عوامل شامل ہیں وہاں ہمیں یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عہد رسالت کے بھرپور ہونے کا تصور ہمیں یہیں سے ملتا ہے اور دین و دنیا میں حقوق و فرائض کی جو متوازن اہمیت اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لیے برقرار رکھی ہے اس کی ساری فلاسفی ذہن نشین

ہو جاتی ہے کہ خود نبی پاکؐ کا کوئی عمل کوئی کلمہ حکمت سے خالی نہیں ہے اور ہر بات اتنی واضح کر کے اپنی اُمّت تک پہنچادی ہے کہ ہر علمی استعداد کا شخص باآسانی اس کی معنی آفرینی سے اپنے ذہن کے دریچے وا کر سکتا ہے۔ حُبِّ رسولؐ کا تقاضا تو اس نقطہ عروج پر مکمل ہے کہ "کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ماں باپ، اولاد سے بڑھ کر محبّت نہ کرے۔"

اور مدینہ منوّرہ کے بارے میں یہ روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہٗ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے جس کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اس میں روحوں کو سکون، پاکیزگی اور خوشگواری نصیب ہوتی ہے۔"

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "جو شخص حج کے واسطے آیا اور پھر اس نے میری زیارت لحد بھی کی تو گویا اُس نے مجھے زندگی میں دیکھ لیا۔"

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ملفوظات میں مذکور ہے:

"زیارت روضہ مطہرہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل المستحبات میں ہے بلکہ بعض نے واجب کے قریب لکھا ہے۔ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری زیارت کو آئے اور اس کا مقصود صرف زیارت ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ میں قیامت میں اس کا شفیع ہوں جب مدینہ منوّرہ کو چلے تو درود شریف کی کثرت بہت کرتا رہے۔ خشوع و خضوع اور ادب سے آہستہ آہستہ سلام عرض کرے، بہت پکار کر نہ بولے جب تک مدینہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوٰۃ وسلام خوب ادا کرتا رہے۔ راتوں میں جاگے، وقت ضائع نہ کرے اور حتی الوسع نماز مسجد

نبوی میں پڑھے۔ (انتہی)

اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ میرے مکان اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض کے کنارے پر ہے۔"

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا— مدینے میں مرنا اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں ہے لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔ روئے زمین پر کوئی جگہ نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینے سے زیادہ محبوب ہو" (ماخوذ)

آرزوئے رسولؐ سیدنا فاروق اعظمؓ کی آرزوئے صادق

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی تھی:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ

اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما۔

اور واقعی سیدنا فاروق اعظمؓ مسجد نبویؐ میں قاتلانہ حملے کے نتیجے میں مدینہ منورہ میں شدید مضروب ہوئے اور جامِ شہادت نوش فرما کر اپنے آقا سید الکونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اور روضۂ اطہر کی حدود میں مدینے میں ہی ابدی آرام فرما رہے ہیں۔ ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مکہ اور مدینہ، حرمین شریفین:

صحیح مسلم میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسے صحابی رسولؐ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے روایت کیا:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے "حرم" ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب و احکام بھی تھے) اور میں مدینے کو "حرم" قرار دیے جانے کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان کا پورا رقبہ واجب الاحترام ہے۔ اس میں خون ریزی نہ کی جائے۔ کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت حضرت سعد بن ابی وقاص نے منتقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکالیف کے باوجود مدینہ لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانتے۔ جو بندہ صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے پھلوں اور پیداوار میں برکت عنایت کر۔

"اے اللہ ابراہیم تو تیرے خاص بندے اور خلیل و نبی تھے۔ میں بھی تیرا بندہ ہوں اور نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لیے تجھ سے ویسی دعا کرتا ہوں۔ اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان سب کو مدینہ منورہ سے بھی محبت ہے۔"

مدینہ منورہ سے محبت اس لیے ...... زیادہ ہونا ہر صاحب ایمان کے لیے لازم و ملزوم ہے کہ یہ سرورِ کونین خاتم الانبیاء سید المرسلین رحمۃ للعالمین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ تھی۔ اسی کو آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مکہ معظمہ کے تیرہ سال پر آشوب اور آزمائشوں سے بھرپور عہد رسالت کے بعد جب رضائے الٰہی سے آنحضرتؐ خود اور اپنے رفقائے عزیز کے ہمراہ ہجرت فرماتے ہیں تو

مدینہ طیبہ ہی منزلِ مقصود ہوتا ہے۔ جب یہودیوں اور مشرک سرداروں کے غلبہ میں گرفتار اس شہر یثرب میں حضور پاک قدم رنجہ فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ علیم وخبیر رؤف ورحیم کی رحمتوں کے بادل اس شہر کو اپنے جلو میں لے لیتے ہیں اور ماضی کا شہر یثرب جو متعدی بیماریوں اور مہلک امراض کی وجہ سے مشکل پسندی کا حوالہ بن کر رہ گیا تھا، مدینۃ النبی اور شہر مبارک قرار پاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے طفیل وہ بیماریاں اور مصیبتیں اس شہر سے ہمیشہ کے لیے خارج کردی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دینِ حق پر قائم رہنے والوں کو عہدِ رسالت مدنی میں کفار، مشرکین اور منافقین پر نہ صرف واضح غلبہ عطا فرماتا ہے بلکہ فرمانروائی کا اعزاز ملتا ہے۔ ایسی فرمانروائی جو فتح مکہ کا عظیم سبب بنتی ہے اور بے شمار سرکش، جاہل اور ضد پر اڑے ہوئے قبائل اور علاقے اسلام کی حقانیت اور فرزندانِ اسلام کے توانا حوصلوں کو دیکھ کر محسوس کرکے دائرۂ اسلام میں شامل ہو جاتے ہیں یا خود سر شقی القلب اور وعدہ خلاف عناصر کو اکٹھا کرکے محاذ آرائی پر تل جاتے ہیں اور مدینہ کے نواح میں کبھی مشرق کبھی مغرب، کبھی شمال کبھی جنوب حق و باطل کے پے در پے معرکے رونما ہوتے ہیں جن میں آخر کار کفر کو دیس نکالا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول آخر ﷺ، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور گلشنِ اسلام کے دیگر گلہائے رنگا رنگ کو مٹانے جھلسانے کے لیے مخالفت کی بادِ سموم چلتی ہے۔ منافق اور دشمن بڑی منصوبہ بندی کرکے مدِ مقابل آتے ہیں۔ کبھی احد پر حق و باطل کی تلواریں ٹکراتی ہیں کبھی احزاب میں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ انداز ہوتے ہیں لیکن نصرتِ الٰہی اور تائیدِ غیبی سے مسلمان جان و مال کے وسائل میں کم ہونے کے باوجود پرچم اسلامی کو بلند رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

ہم نے مدینۃ النبی ﷺ کی ظاہری اور جذباتی کشش کے حوالے سے کچھ اظہارِ خیال

بستہ جستہ کیا ہے۔ مترجم کتاب ''جذب القلوب'' نے مدینہ کے ایک نام ''حسنہ'' پر روشنی ڈالتے ہوئے دل نشین پیرائے میں بیان کیا ہے:

''حسن ظاہری تو مدینہ منورہ کے حسین وجمیل باغات، دیدہ زیب پانی کے چشموں، عمدہ اور شیریں کنوؤں اور بلند وبالا پہاڑی عمارتوں کے اونچے اونچے قبوں اور میناروں اور دوسرے مناظر ومقامات سے بخوبی ظاہر ہے اور حسن معنوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جگہ رونق افروز ہونے کے سبب سے ہے کیونکہ آپؐ حق تعالیٰ شانہ کے شاہد ومشہود ہیں اور تمام ابرار ومتقین کے منظورِ نظر ہیں اور آل واصحاب اور امتیوں کے وجود کا سبب ہیں جو بڑے بڑے مرتبوں اور برکات وکرامات کے حامل تھے۔ ان ظاہری وباطنی محاسن کی بنا پر ہی مدینہ طیبہ کا نام ''حسنہ'' رکھا گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

عرف من ذاق ووجد من عرف

ترجمہ: جس نے اس کی لذتوں کو چکھا ہے وہی اس کو پہچان سکتا ہے اور جس نے اس کو پہچان لیا اس نے ہی اس کو پایا۔

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

ومن مذهبي حب الديار لأهلها
وللناس فيما يعشقون مذاهب

(ترجمہ: بخدا میرا ذوق یہ ہے کہ میں شہروں سے محبت اس کے بسنے والوں کی وجہ سے کرتا ہوں کیونکہ لوگ اپنی پسندیدہ چیزوں میں مختلف ذوق رکھتے ہیں)۔

مدینہ طیبہ کی لذتِ باطنی سے قطع نظر جو کہ اہل حسن اعتقاد اور محبت صادقہ کا

ثمرہ ہے۔ اس سرزمین میں جو حسن و زیبائش ظاہری ہے وہ کسی دوسرے شہر میں نظر نہیں آتی نہ ہی آج تک مدینہ منورہ کے سوا کسی دوسرے شہر کے بارے میں سنا گیا ہے سوائے چند شہروں کے جہاں خود اسی کی برکات و انوار سے حسن و خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

دو اور نام محققین کے تلاش کردہ درج کرتا ہوں اور ساتھ ہی ان کی وجہ تسمیہ بھی کہ کوئی نام مدینہ منورہ کا صفاتی یا تاریخی ایسا نہیں جو جواز اور معنی آفرینی سے خالی ہو۔ ۱۔ خیرۃ (تشدید کے ساتھ)۔ (۲) خیرۃ (مخفف) کہا گیا۔ مدینہ منورہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خیر و برکت والا ہے۔ ایک حدیث میں مروی ہے

المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون۔

(ترجمہ: مدینہ منورہ ان لوگوں کے لیے بہترین شہر ہے۔ کاش ان کو علم ہوتا)۔

اس حدیث پاک میں ان لوگوں کو جو مدینہ منورہ چھوڑ کر طلبِ رزق کے لیے باہر جانا چاہتے ہیں تبلایا ہے کہ مدینہ طیبہ ان کے لیے بہترین جگہ ہے۔ یہاں رہنے میں ان کے لیے زیادہ خیر و برکت ہے۔

مدینہ منورہ ایک تو اپنے آثار و علامات، قدیم و جدید کی رُو سے دیکھنے اور سمجھنے اور بار بار غور کرنے کی سرزمین ہے دوسرے آقائے دو جہاں سید الانبیاء صاحب قاب قوسین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت، زمانہ ہجرت مستقل قیام اور ملی تاریخ کے بڑے بڑے فیصلوں اور معرکوں نے اس شہر کی اہمیت اور مرکزیت بہت بڑھا دی ہے۔ بلد الامین مکہ مکرمہ اور شہر منور مدینے کی ایک دوسرے سے ایسی فکری اور تاریخی وابستگی ہے کہ دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اطاعت الٰہی اور اتباع محمدی کے بغیر ان مقامات

کے احترام کا حق ادا ہو سکتا ہے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ یہی تو وہ شہر ہے جس نے سید الکونین پیغمبر آخر الزماں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنؐ کے لائق احترام رفقاء کو خوش آمدید کہا اور بلاشبہ آقائے دو جہاںؐ اور افضل و مکرم صحابۂ کرامؓ کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہُوا۔

ایک تذکرہ نگار نے لکھا: "مدینہ منورہ مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ معظمہ سے تین سو میل شمال مغرب کی جانب ایک سرسبز و شاداب علاقے میں واقع ہے۔ یہ شام سے یمن جانے والے قدیم راستہ میں ایک اہم شہر تھا جہاں کھجور کے درختوں پر مشتمل نخلستان دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں اور قدرت کی فیاضی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ طلوعِ اسلام سے قبل یہاں مالدار یہودیوں کا غلبہ تھا۔ اُس زمانے میں یہ یثرب کے نام سے مشہور تھا۔"

مدینۃ النبی کے نام سے موسوم ہونے والا یہ شہر تاریخِ اسلام کی اتنی بڑی اور جلیل القدر ہستیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے کہ ہر نام قابلِ احترام ہے۔ تاریخ ساز ہے اور تاریخ کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار رکھتا ہے۔ مدینہ کو مساجد کا شہر کہا جاتا ہے تو یہ بھی عین حقیقت پر مبنی ہے۔

تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات، اکابر صحابہ، علماء و فقہاء کے حوالے سے ایک موقع پر مدینہ منورہ میں قیام کے دوران گفتگو ہو رہی تھی کہ جنت البقیع کی جو اہمیت ہماری ملی تاریخ، عہد رسالت اور اس کے بعد کے واقعات اور نہایت واجب احترام اور گراں مایہ شخصیات کے حوالے سے بنتی ہے اس اہمیت سے سرسری طور پر گذر جانا یقیناً نامناسب اور افسوس ناک ہوگا۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ کی شام کو بعد نماز عصر راقم الحروف اپنے عزیز و مخلص دوست

مولانا اکرام الحق صدیقی (جدہ والے) اور اپنے رفقائے سفر اہل خانہ کے ہمراہ باب مجیدی سے پرائیویٹ گاڑیوں کے مُوقف والا راستہ اختیار کر کے جنت البقیع کی سمت روانہ ہُوا۔ ایامِ حج کی وجہ سے راستے بھر بڑی چہل پہل تھی۔ بڑی تعداد میں ہر ملک کے حجاج خواہ مصری ہوں، مراکشی ہوں، انڈونیشی ہوں، بنگلہ دیشی ہوں، بھارتی ہوں یا پاکستانی، ترکی ہوں یا شامی یا تو اپنی قیام گاہوں کی طرف جا رہے تھے یا بارونق بازاروں میں ٹھہر رہے تھے۔ ہم نے ہر قسم کے ملبوسات، گھڑیوں، کراکری، سونے کے زیورات، سامانِ آرائش، قالینوں کی چکا چوند دکانیں دیکھیں اور طلائی زیورات کی جگمگ جگمگ کرتی دکانیں دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اتنا سونا کراچی کی زیب النساء اسٹریٹ کے تمام صرافوں اور جوہریوں کی دکانوں میں مجموعی طور پر بھی نہ ہوگا جتنا وہاں ایک ایک دُکان میں نت نئے ڈیزائنوں کے بھاری بھرکم زیورات کی صورت میں موجود تھا اور تاجر صاحبان چوری ڈاکے کے کسی خوف و خطر کے بغیر نہایت اطمینان سے اپنے گاہکوں سے مصروفِ گفتگو تھے۔ انہوں نے لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کا سونا بھرے اور بارونق بازار میں کھلے عام رکھا ہُوا تھا۔ اکثر شہروں میں کوئی صراف سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنے خطیر سرمائے کے طلائی زیورات اور دیگر قیمتی سامان (ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سہولت کے لیے) صلائے عام بنا کر باہر رکھ دے۔ لوگ تو بعض اوقات الماریاں اور تجوریاں بھی توڑ کر مال لے جاتے ہیں۔ میں یہ تصور کر رہا تھا کہ عہدِ رسالت کا بازار، خلافت راشدہ کے زمانے کے بازار اور اس کے بعد کے مدینے کے بازار کیا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر پر اور یہاں کے رہنے والوں پر اپنے فضل و کرم کی بارش کے جو وعدے کیے تھے وہ کس کس انداز سے پورے کیے ہیں۔

تاریخ وفاء الوفا کے بیان کے مطابق عمر بن شبہ نے عطار بن یسار سے

روایت کی ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بازار قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے بنی قینقاع کے بازار میں وارد ہوئے اور پھر مدینے کے مذکورہ بازار میں تشریف لائے یہاں اپنا قدم مبارک جما کر کہا: "یہ تمہارا بازار ہے۔ نہ اس کو تنگ کیا جائے اور نہ کوئی ٹیکس لیا جائے۔"

جس بازار کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اس کو مناخہ بھی کہتے ہیں اور اس سے ایک ایسا کشادہ اور مستطیل میدان مُراد ہے جو مدینے کے مغربی سمت میں واقع ہے اور جس کی حدود مسجد مصلّی سے شروع ہو کر باب شامی کے قلعہ تک چلی گئی ہیں۔ قدیم نقشے میں اس کا خاکہ بھی موجود ہے۔ آج کل یہاں کی اکثر دکانیں پختہ ہیں جو پختہ اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہیں جن کے آگے برآمدے اور سائبان بھی ہیں۔ بنی عثمان اور عہد اشراف کی بہ نسبت اس وقت کی سڑکیں اور راستے زیادہ باقاعدہ ہیں۔ گذشتہ دور میں راستے تنگ اور پیچیدہ ہونے کے ساتھ ایک دوسرے میں خلط ملط بھی ہو گئے تھے۔ جنگِ عظیم کے دوران فخری پاشا نے نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ دکانیں منہدم کرا دی تھیں لیکن پیش رو حکومت نے از سرِ نو کیبن بنوا دیئے۔

باب مجیدی پر ہماری قیام گاہ تھی اور ہم جس انداز سے راستہ طے کر رہے تھے راقم الحروف اور اکرام الحق صدیقی صاحب گفتگو کرتے جا رہے تھے کہ وہ کوئی بھی مقام یہیں آس پاس ہو سکتا ہے جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی گذرگاہ رہا ہو اور جہاں آپؐ نے اپنے قدم مبارک کو جنبش دے کر مدینے والوں سے یہ فرمایا ہو کہ یہ تمہارا بازار ہے اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کہ بازار کو کشادہ رکھا جائے اور محصولات سے لوگوں کو زیر بار نہ کیا جائے۔

جب جنّت البقیع پہنچے تو وہاں ایک پختہ فصیل بنی ہوئی ہے جو چند سال قبل ہی کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ فولادی پھاٹک بھی لگا دیے گئے ہیں۔ اس کا

مقصد یہی ظاہر ہُوا کہ اگر زائرین کی بڑی تعداد کو آزادانہ آمد و رفت کی اجازت دے دی جائے تو جنت البقیع کو کسی بھی طرح اصل حالت میں برقرار رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔ وہاں ہم بھی ایک دروازے پر ٹھہر گئے۔ عقیدت اور عبرت کی نظروں سے اس قدیم تاریخی قبرستان کو دیکھا۔ قبور کے نشانات پر توجّہ مرکوز ہوئی۔ دنیا کے بہت سے ممالک کے لوگ جمع تھے۔ دُعائیں پڑھ رہے تھے۔ ایرانی زائرین مرد اور خواتین گریہ و زاری میں مصروف تھے۔ ان کا طور طریقہ سب سے علیحدہ تھا۔ وہاں ہمیں کچھ لڑکیاں حرم نبویؐ کے کبوتروں کے لیے گندم و جو فروخت کرتی نظر آئیں مگر عربوں میں پردے کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ جنت البقیع پر بندگانِ خدا کو نہایت عقیدت و احترام سے عدم سدھار جانے والوں کے لیے دُعائے مغفرت کرتے دیکھا۔

تفسیر طبری (ابن جریر طبری) صحیح بخاری (محمد بن اسمٰعیل بخاری) صحیح مسلم (مسلم قیشری) سنن ابوداؤد (ابوداؤد سجستانی) سیرۃ النبویہ (ابن ہشام) روض الانف (سطری) وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء (سید نورالدین علی بن احمد سمہودی) عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار (احمد بن عبدالحمید عباسی) مرآۃ الحرمین (ابراہیم پاشا رفعت) قلب جزیرۃ العرب (فواد بیگ حمزہ) وفیات الاعیان (ابن خلکان) اور دیگر کتب کے حوالے سے آثار مدینہ منورہ کے صفحہ ۸۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

"لغوی اعتبار سے بقیع اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مختلف درختوں کی جڑیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ بقیع جو عرف عام میں جنت البقیع کے نام سے مشہور ہے مدینہ طیبہ کا وہ واحد قبرستان ہے جو زمانۂ رسالت سے آج تک چلا آرہا ہے۔ جنت البقیع میں اکثر امہات المومنینؓ، حضورؐ کی پھوپھیاںؓ، دائی حلیمہ سعدیہؓ، حضرت عثمان غنیؓ، فرزند و دخترانِ رسولؐ نیز خاندان ہاشمی کے تمام افراد کے علاوہ بہت سے شہداء مدفون ہیں:..."

آگے لکھا ہے:

"اِس قبرستان میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضؓ آرام فرما ہیں۔ تابعینؒ میں سے یہاں امام مالکؒ کے استاد حضرت نافعؒ اور تبع تابعین میں سے امام مالکؒ یہاں مدفون ہیں۔ بقیع دراصل وہ مستطیل خطہ ہے جو مدینہ منورہ کی فصیل کے باہر مشرق میں واقع ہے۔ یہ باب جمعہ کے نزدیک ہے۔ طول میں ایک سو پچاس میٹر اور چوڑائی میں ایک سو میٹر ہے۔ یہ قبرستان چار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے صدر دروازے پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چار دیواری بنی عثمانیہ کے عہد کی یادگار ہے۔"

جنّت البقیع کے پہلے مکین

اسلام کے عہدِ اوّلین میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ایک خاص نام ملتا ہے حضرت عثمان بن مظعون رضؓ۔ ان کے انتقال پر مدینۃ النبی میں حزن و ملال چھا گیا۔ جنازہ تیار ہوا تو آنحضرتؐ ابوالسائب رضؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ جھک کر تین بار میّت کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اشک ہائے رسالت سے ابوالسائب کے رخسار تر ہو گئے۔ پھر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ "ابوالسائب! تم دُنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ تمہارا دامن ذرہ برابر بھی اس سے آلودہ نہ ہونے پایا۔"

قبر تیار ہو گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے ہمراہ بقیع تشریف لے گئے۔ نمازِ جنازہ پڑھا کر میّت کو قبر میں اتارنے کی نگرانی کرتے رہے۔ قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب کر کے فرمایا۔ "اب بقیع مسلمانوں کا عام قبرستان ہو گا۔" (ماخوذ)

اس طرح اس شہرۂ آفاق قبرستان جنت البقیع کی بنیاد پڑی جس میں ہزاروں

صحابہ کرام رضؓ اور بزرگان دین محوِ خواب ہیں اور جس کے متعلق یہ مستند روایت ہے کہ قیامت کے دن اس قبرستان سے ایسے دس ہزار افراد اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ واضح رہے روئے زمین پر متبرک ترین قبرستان کے پہلے مکین نامور صحابی حضرت ابو السائب بن مظعون رضؓ تھے۔

(بحوالہ برگزیدہ مسلمان)

بیٹا باپ کے نقشِ قدم پر

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کے دو بیٹوں میں سے حضرت سائبؓ رضؓ نے اسلامی تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ رسول اکرمؐ جب غزوۂ بواط میں گئے تو سائبؓ رضؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام فرمایا۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ رضؓ کے زمانے میں جنگ یمامہ میں حضرت سائبؓ نے سخت زخمی ہو کر کچھ عرصہ بعد تیس سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اسلام کے لیے جاں نثاری میں بیٹا اس انداز سے باپ کے نقشِ قدم پر چلا۔

دین کا حق، دُنیا کے فرائض

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ تقویٰ اور عبادت میں بہت آگے آگے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خبر ملی کہ عثمان رضؓ ساری ساری رات جاگ کر عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں بُلا کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ "عثمان رضؓ تم کو میری سُنّت سے اعراض ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "اے رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ گواہ ہے کہ آپ کی سنّت تو میرے لیے مشعل راہ ہے اور اس کی پیروی سب سے بڑی عبادت ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دیکھو، میں نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں۔ تم پر اللہ اور رسولؐ کے ساتھ تمہاری بیوی، بچوں اور تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ تم نماز کی پابندی کرو اور ساتھ ساتھ اپنے نفس اور بچوں کے حقوق بھی پورے کرو۔"

حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کہا: اے اللہ کے نبیؐ! آئندہ میں ایسا ہی کرونگا اور باقی زندگی میں انھوں نے تارک الدنیا ہونے کی بجائے سنّتِ رسولؐ کی صحیح خطوط پر پابندی کی اور عبادت و ریاضت میں بھی سَرِ دوسراؐ کی تعلیم پر عمل کیا۔ عظمتِ صحابہؓ کے عنوان پر جب بھی گفتگو کی جائے گی اُس کا ماحصل یہی ہوگا کہ اسوۂ رسولؐ اور پیغمبر اسلام کے فیضِ تربیت کی بدولت صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ستاروں کی طرح جگمگاتی نظر آئیں گی۔

جنت البقیع میں مدفون ہونے والے صحابہؓ و صحابیات کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر مشاہیرِ اسلام اکابرِ اُمّت اور مختلف النوع خصوصیات و محاسن کے حامل مسلمانوں کے اسمائے گرامی تفصیل سے درج کرنا یہاں ممکن نہیں، البتہ چند نام یہاں دیئے جا رہے ہیں جن سے اِن آسودۂ خاک برگزیدہ شخصیتوں کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

۱۔ سیّدنا ابو سعید خدریؓ

۲۔ سیّدنا عباسؓ (عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ سیدہ فاطمہؓ بنت اسد (رسول اللہؐ کی چچی اور سیدنا علی المرتضیٰؓ کی والدہ

۴۔ حضور اکرمؐ کی صاحبزادیوں کی قبور،

۵۔ آقائے دو جہاںؐ کی رضاعی والدہ، اور دائی حلیمہ سعدیہؓ۔

۶۔ سیدنا حسنؓ حضرت زین العابدینؓ حضرت محمد باقرؓ اور حضرت جعفر صادقؓ

٧۔ مزارات شہدائے غزوات

٨۔ حضرت ابراہیم (صاحبزادہ رسولؐ)　　٩۔ سیّدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ

١٠۔ سیّدنا امام نافع مدنیؒ　　١١۔ حضور اکرمؐ کی پھوپھیوں کی قبور،

١٢۔ حضرت امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامرؒ　　١٣۔ حضرت اسمٰعیل بن جعفر صادقؒ

١٤۔ سیدنا مالک انصاری البیرقیؓ

١٥۔ سیّدنا عقیلؓ ابن ابی طالب۔　　١٦۔ سیّدنا ذکی الدینؒ

١٧۔ امہات المومنینؓ کی ابدی آرام گاہیں　　١٨۔ سیدنا علی عریضیؒ۔



جنت البقیع کا ایک عام منظر، شہید مظلوم عثمان غنیؓ کی لحد بھی دوسرے اکابر اسلام کی قبور کے ساتھ نمایاں ہے۔

۱۹۔ مزارات شہداء جو قبے کے باہر ہیں ۲۲۔ صدیقۂ کائنات اُمّ المومنین
۲۰۔ دیگر مزارات بقیع سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ
۲۱۔ شہید مظلوم سیدنا عثمان غنی رضؓ

ظاہر ہے یہ تفصیل نامکمل ہے لیکن مندرجہ بالا فہرست کے بعد حافظ فریدالدین صاحب الوجیہہ نے ایک جامع عبارت اپنی کتاب 'حج اور زیارت' میں لکھی ہے۔

"ان بزرگوں کی زیارت کے موقع پر مسنون طریقوں سے تجاوز نہ کیجئے اور پورے بقیع پر عبرت و تفکر کی نظر ڈالیے۔ یہاں چپہ چپہ پر ایمان و جہاد اور عشق و محبت کی تاریخ کندہ ہے۔ دورِ رسالت اور دورِ صحابہؓ کی ساری تاریخ اور ان حضرات کے مجاہدانہ اور دین کے لیے سرفروشانہ کارناموں کی یاد ضرور تازہ کیجئے اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے لیے دعائیں اور عہد کیجئے۔" (ص ۳۳۳)

مسجدِ نبویؐ سے اذانِ مغرب بلند ہوئی تو ہم اُدھر روانہ ہوئے۔ ہمارے ...... مقابل باب جبرئیل تھا۔ باہر ہی جگہ ملی۔ جا، نمازیں باب جبرئیل سے ملحق میدان میں بچھادیں۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا وقت تھا جب حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر اس سمت سے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس میدان سے قدیم عمارتوں کا ملبہ صاف کرنے کی کارروائی حال ہی میں مکمل ہوئی ہے اور آئندہ سال جو خوش نصیب یہاں حاضری کے لیے آئیں گے اس جانب مسجد نبویؐ میں مزید توسیع دیکھیں گے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا جنت البقیع ایک قدیم قبرستان ہے لیکن ایسا بھی الحمدللہ نہیں کہ قبل از اسلام دورِ کفر میں اسے استعمال کیا گیا ہو۔ چنانچہ ہم نے مزید تحقیق کرنا ضروری سمجھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس پر اکثر کا اتفاق ہے کہ اس میں:

وہ آپؐ کے دس ہزار کے قریب جاں نثار صحابہ کرامؓ اور خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپؐ کے جگر گوشے، صاحبزادے اور صاحبزادیاں، محبوب اور پیاری بیویاں، آپؐ کے چچا اور پھوپھیاں اور آپؐ کی دائی حلیمہ آرام فرما ہیں۔ آنحضرتؐ خود بھی جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے اور عام مسلمانوں کو بھی ہدایت فرماتے تھے:"

(سفر مبارک صـ ۱۹۵)

ایک اور مقام پر یہ عبارت پڑھ کر دل فرحت و طمانیت سے جھوم گیا:

"جہاں جہاں آپؐ رونق افروز رہے اور جس جس جگہ آپؐ کے قدم مبارک پہنچے وہاں آپؐ کے آثار و برکات اہلِ دل آج بھی محسوس کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ جسے قیامت تک کے زمانے کے لیے نبیؐ بنا کر بھیجا گیا تو اس کے بارے میں یہ کیوں سوچا جائے کہ اُن کی برکتیں اب محدود ہو کر صرف روضہ مبارکہ میں سمٹ آئی ہیں۔" (صفحہ ۱۹۴)

جنّت البقیع کا فاصلہ آقائے دوجہاںؐ کے حجرہ مبارک اور روضۂ اطہر سے جتنے کم فاصلے پر ہے ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ حضور اکرمؐ جنت البقیع جانے کے لیے یہی راستہ اختیار کرتے ہوں گے جو مسجد نبویؐ کے باب جبرئیل سے جنت البقیع جاتا ہے۔ بہرحال اس دوران تلاش و جستجو سے ہمیں ایک ایسی تحقیقی کتاب مل گئی جس نے تقریباً ڈیڑھ درجن کتابوں کی کمی پوری کر دی ہے۔

اب جو ہم حوالہ پیش کریں گے اس کا تعلق جنت البقیع کی تاریخی اہمیت سے ہے۔ دانش گاہ پنجاب لاہور نے دائرۃ المعارف اسلامیہ کے نام سے ایک کلیدی اہمیت کی کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے۔ جلد چہارم کے صفحات

۱۰۷-۲۰۲ پر یہ تفصیل بقیع الغرقد کے عنوان سے بیان کی گئی ہے۔

بقیع الغرقد (جسے جنّت البقیع بھی کہتے ہیں مدینہ منوّرہ کا قدیم ترین اسلامی قبرستان ہے اس نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصل میں ایک میدان تھا جو ایک قسم کی خاردار جھاڑیوں سے جنہیں غرقد کہتے ہیں پُر تھا۔ مدینے میں ایسے کئی بقیع ہیں۔ یہ جگہ شہر کے جنوب مشرقی سرے پر روضہ نبوی سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے۔ یہ فصیل جس کے ایک دروازے یعنی باب البقیع سے قبرستان میں داخل ہونے کا راستہ تھا منہدم ہو چکی ہے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے نبی اکرم کے ایک صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون تھے جن کا انتقال ۵ھ میں ہوا۔ اس میدان کو صاف کیا گیا اور مدینے میں وفات پانے والے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا گیا۔ نبی اکرمؐ کی صاحبزادیاں، آپ کے معصوم فرزند حضرت ابراہیم امہات المؤمنینؓ ماسوا حضرت خدیجہؓ جو قبہ المعلّٰی (مکّہ معظّمہ) میں مدفون ہیں اور حضرت سیّدنا حسینؓ کے سوا آپ کے باقی تمام اخلاف بھی یہیں مدفون ہیں۔

یہاں دفن ہونے والے دوسرے جلیل القدر بزرگوں میں حضرت عثمانؓ بن عفان مالک بن انس اور ان کے استاد نافع، نبی اکرمؐ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہؓ، آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی شامل ہیں۔ رفتہ رفتہ اہل بیت، آئمہ کرام اور صلحائے اُمّت کے درمیان اس جگہ دفن ہونے کو اعزاز سمجھا جانے لگا۔ پہلے بقیع کی جگہ کم تھی۔ بعد میں حش کوکب کا علاقہ بھی اس میں شامل کیا گیا۔ شاہ سعود بن عبدالعزیز کے حکم سے حاجیوں اور زائرین کی آمد و رفت کی سہولت کے لیے سارے قبرستان میں سیمنٹ کے پختہ راستے تعمیر کیے گئے۔

اس کے بعد ادارہ المعارف نے حوالے کی کتابیات تحقیق میں سہولت کے لیے درج کر دی ہیں:

ماخذ (۱) نورالدین علی السمہودی: دفاء الوفا، قاہرہ (۲) عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب کانپور (۳) PILGRIMAGE R.F. BURTON

(۴) ابن جبیر (۵) EL-MEDINA TRAVELS IN ARABIA

BRUCK HARDT MOHAMMAD (۶) ابن النجار کی کتاب اخبار مدینۃ الرسول ، مکہ مکرمہ (۷) محمد بن عبدالحمید عباسی: عمدۃ الاخبار فی المدینۃ المختار دمشق

(۸) THE HOLY CITIES OF ARABIA . E. RUTTER

۹۔ عبدالسلام ندوی کی تصنیف تاریخ الحرمین شریفین (۱۰) یوسف عبدالرزاق کی کتاب معالم دارالہجرۃ قاہرہ، (۱۱) المراغی کی تحقیق النصرۃ المدینہ (۱۲) محمد بن احمد المطری کی التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دارالہجرہ دمشق (۱۳) عبدالقدوس انصاری کی آثار مدینہ منورہ دمشق (دانش گاہ پنجاب لاہور کی دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد چہارم صہ ۷۰۱ - ۷۰۲)

شہید مظلوم سیدنا عثمان غنی رض مدینے میں شہید کیے گئے اور جنت البقیع میں ہی اُن کی آخری آرام گاہ ہے

جنت البقیع کی تاریخی اہمیت و مرتبت ان گراں مایہ شخصیات کی وجہ سے اور فزوں ہوگئی ہے رصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں شہید مظلوم خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عثمان رض بن عفان جامع القرآن جن کا لقب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی بھی شامل ہے جن کی شہادت مدینے میں ہوئی رمسجد نبوی سے ملحق آبادی میں اُن کا وہ مکان تھا جس میں باغی کود کر داخل ہوئے تھے اور حضرت عثمان غنی رض جنت البقیع میں ہی دفن کیے گئے۔ امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ صدیقہ رض بھی یہاں دفن ہیں۔

ان صحابہ کرام رض اور صحابیات رض کے واقعات آئندہ اوراق میں قدرے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں

عشقِ مدینہ: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک بار حج کیا۔ جب فریضۂ حج ادا کیا تو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اس لیے تشریف نہیں لے گئے کہ شاید مدینہ پاک کے علاوہ دوسری جگہ موت آجائے۔ مدت العمر مدینہ ہی میں رہے اور وہیں دفن ہوئے۔ بہت سی احادیث ہیں جن میں مدینہ منورہ میں سکونت کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے مصائب پر صبر کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے۔ (المدینہ ۲۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ)

مدینہ منورہ کے فضائل: حضرت بلال بن حارث فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک رمضان کرنا اور شہروں میں ہزار رمضان کرنے سے افضل ہے اور مدینہ منورہ میں ایک جمعہ پڑھنا اور مقامات میں ہزار جمعہ پڑھنے سے افضل ہے۔

(جمعة الزوائد)

مدینہ طیبہ کی تاریخی اہمیت اور اس کی دینی عظمت کے باعث ہماری جذباتی وابستگی ایک روح پرور موضوع ہے۔ ان معلومات کو محدود صفحات میں سمیٹا نہیں جا سکتا لیکن جستہ جستہ واقعات نگاری کی طلب و جستجو توفیقِ الٰہی سے برقرار ہے ؎

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار
جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
تُو بوئے گل ہے اگر مثلِ گُل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمسِ نہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
اڑا کے باد مری مشتِ خاک کو پس مرگ — کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسمؔ کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مدینہ منوّرہ کے فضائل اور اس سے وابستگانِ دامنِ عقیدت ومحبت کا ذکر اس سلسلۂ تحریر میں چل رہا ہے اور وہ نسبتیں اور تعلقات بھی زیرِ تحریر آرہے ہیں جن سے اس شہرِ رسالتؐ کی مہتم بالشان اہمیت ور نعت کے اثبات قلب پر نقش ہو رہے ہیں۔ راقم السطور بندہ عاجز کو اس امر کی خوشی ہے کہ جو جذبۂ الفت لکھنے والے کا ہے وہی جذبۂ اخلاص وجاں نثاری پڑھنے والوں کا ہے۔ آپ نے یہ چند منتخب اشعار مدحتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ رب العزّت کے محبوب رسولؐ کے محبوب شہر (مدینہ طیبہ) کے بارے میں مطالعہ فرمائے۔ یہ اشعار کسی غیر معروف شاعر یا عام شخصیت کے نہیں، علماءِ دیوبند کے سرخیل حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ کے منظوم گلہائے عقیدت کا انتخاب ہیں۔ مولانا قاسم نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے قیام کی تاریخ کا نقشِ اوّلین ہیں۔ ۱۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۰ء ان کا سالِ وفات ہے۔

صدیاں گذر رہی ہیں کہ ہزاروں، لاکھوں مسلمان جنہیں مدینۃُ النبی میں عارضی یا مستقل سکونت کا شرف حاصل ہے یا قرب وجوار، دُور و نزدیک اندرونِ مملکت سعودیہ یا بیرونِ ملک سے یہاں آتے ہیں وہ شہروں کی انگشتری کا نگینہ قدیم و تازہ آباد بستیوں کی کہکشاں اور مسجد نبوی قبۃ الخضراء اور دوسرے بے شمار تاریخی، دینی اور روحانی اہمیت کے حامل مقامات بصیرت وبصارت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے کرتے ہیں۔ اس فرحتِ قلب اور سوز و گداز کی کیفیت سے گذرتے ہیں دراصل انہی خوش نصیبوں کو اس حقیقت کا صحیح اندازہ ہے کہ شہرِ رسولؐ میں داخل ہونا، مسجدِ نبویؐ میں باجماعت نماز ادا کرنا آقائے دوجہاں سیّد الکونین، صاحبِ قاب قوسین، محمدؐ ابن عبداللہ۔ نبی اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری وسلام کے

لیے جانب باب السلام سے داخل ہونا اور باب جبرئیل تک مؤدب اور آہستہ خرام رہ کر پہنچنا کیسا دل گداز اور اضطراری کیفیت کا عمل ہوتا ہے کہ ایک طرف شریعت ہوتی ہے دوسری جانب طریقت، آگے آگے والہانہ جذبات، سمندر جیسی سرکش لہروں کا پرجوش بہاؤ اور قلب میں اتباع سنت اور ادب و احترام کی مہمیز صلوٰۃ و سلام کی ان منزلوں میں حبیب محبّ رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم جنبشِ لب کرتا ہے تو گویا الفاظ دریا کی روانی بن کر مچل جاتے ہیں۔ کانوں میں ایک ملکوتی صدا کی گونج ہوتی ہے۔ ہر قدم اٹھنے سے پہلے سو بار سوچتا ہے کہ یہ دیارِ رسالتؐ اور بارگاہِ نبوت کا مقامِ رفعت ہے۔ آگے بڑھنے کی جسارت کروں یا نہ کروں۔ اگر قدم ٹھہر جائیں تو زندگی کا سب سے بڑا احساسِ محرومی کا داغِ جگر لے کر جاؤں گا۔ آگے قدم بڑھیں تو کہیں نقشِ کفِ پائے رسولؐ پر مجھ حقیر کا پاؤں نہ پڑ جائے۔ پھر بھی تقاضائے حاضری کے مطابق دعا کے لیے ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں، سلامِ عقیدت کے لیے ہاتھ بندھ جاتے ہیں۔ ایک عجیب سی صدائے بازگشت کانوں میں رس گھول رہی ہوتی ہے ؂

کہہ دو کہ ملک گوش برآواز رہیں ۔ مداحِ پیمبرؐ کی زباں کھلتی ہے

اصل مسئلہ یہاں جذباتِ عقیدت کے طوفان پر قابو پانے اور قلب کے سوز و گداز سے لطفِ ایمانی اُٹھانے کا ہوتا ہے کہ یہ سوز و گداز کیسے پیدا ہوتا ہے کیوں طغیانی بن جاتا ہے۔ اسے نہ فلسفی حل کر سکیں گے نہ منطق کے ماہرین یہ سوچ کا زریں رشتہ اللہ اور اللہ کے بندہ کے درمیان ہوتا ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے جسے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مقامِ بلند عطا کیا۔ اپنا آخری اور مکمل دستورِ حیات لانے والا رسول مبعوث فرما کر بے پناہ چاہا۔ اس کے چاہنے والوں کی چاہت کو مقامِ ایزدی میں کیا رتبہ اور کیا قبولیت حاصل ہو رہی ہے، یہ وہ مقامِ رفیع اور گہوارۂ رحمت ہے کہ امام اعظمؒ ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؓ بھی حاضر ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں:۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔ أَرْجُو رِضَاكَ وَاحْتَمِي بِحِمَاكَ

اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں ۔ آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلبگار

وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِي ۔ قَلْبًا مَشُوقًا لَا يَرُومُ سِوَاكَ

اللہ کی قسم اے بہترین خلائق! میرا دل صرف ۔ آپ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں

أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ ۔ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ

آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا ۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں

صَلّٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ يَا عَلَمَ الْهُدٰى

اے ہدایت کے علمِ سربلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد

مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ إِلٰى مَثْوَاكَ

کے مطابق، قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپؐ پر نازل ہوتا رہے۔

سفر ہو یا حضر ہو، قیام ہو یا سکونت، بیداری ہو یا خواب ہو، مدینۃ النبیؐ کے رہنے والوں اور مدینۃ النبیؐ کے سفر کی دل میں آرزو رکھنے والو سیدنا ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ سیدہ آمنہ کے لال پہلے سن ہجری میں بنی نجار کے محلہ کی معصوم بچیوں کے جھرمٹ میں آنکلنے والے چاند، تم جیسا چاند پہلے دیکھا نہ سنا، حضرت بلال بن رباح کے آقا شیخین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے رفیقِ اعلیٰ، امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہا کے سرتاج ہر صورت سراپا نور اور مجسم رحمت ہیں۔ جسمانی سراپا ہو یا اسوۂ حسنہ یہی اجالے نور کے سب اندھیروں کو کاٹنے پاٹنے والے ہیں۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب مشتمل ۲۵۔ ابواب (فی تعبیر الرؤیا نسب الی الامام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ) کے باب سوم میں رقم طراز ہیں کہ:

”جس نے خواب میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو یہ نیکی کی

بشارت ہے اور اس شخص سے نیک اعمال سرزد ہوں گے اور اگر خواب میں کوئی ناخوشگوار بات پیش آگئی تو وہ دُنیا میں تنگی سے دوچار ہوگا اور جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خشک زمین میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہاں ہریالی (شادابی) آئے گی اور اگر کسی نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس وقت خواب میں دیکھا جب وہ کسی تکلیف یا رنج وغم میں مبتلا تھا تو اس کے مصائب دُور ہو جائیں گے۔

اور جس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو اُس سے مراد یہ ہے کہ حضور کی امّت کے لیے دین و دنیا میں خیر ہے۔ جس نے آقائے نامدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں چلتے ہوئے پایا تو گویا اس کی تعبیر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی امّت کو جہاد کا حکم دے رہے ہیں۔

اور جس نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حج کرتا ہوا دیکھا تو وہ خود حج کی سعادت پائے گا اور جس نے دیکھا کہ آپ آئینہ دیکھ رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ اُمّت کو امانت ادا کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔

جس نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کھاتے ہوئے پایا تو تعبیر یہ ہے کہ آپ امّت کو زکوٰۃ ادا کرنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں اور جس کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا یا انگوٹھی یا تلوار یا اسی قسم کی کوئی اور چیز عنایت فرمائی تو مُراد یہ ہے کہ ملک کی بادشاہت (فرمانروائی) دین کی سمجھ یا عبادت کا ذوق، جو چیز بھی نصیب ہوئی وہ اعلیٰ درجے کی ہوگی۔ ص ۲۰۔۱۹

علامہ ابن سیرین کتاب جلیل فی تعبیر الرویا میں ایک اور خاص بات لکھتے ہیں:۔

"دوسرے انبیاء کرام علیہم السّلام کو خواب میں دیکھنا بالکل فرشتوں کو دیکھنے کی طرح ہے کہ تروتازگی اور بارش زیادہ ہوگی۔ نرخ سستے ہوں گے۔ خوشی، برکت اور کامیابی نصیب ہوگی اور اسی طرح کی کامیابیاں ملیں گی۔ البتہ فرشتوں کو دیکھنے کی تعبیر

میں شہادت کا حصول شامل ہے انبیاء کرام کو دیکھنے میں (یہ صورت موجود) نہیں۔ (ص۲۰)

علامہ محمد ابن سیرین کا قول ہے کہ اگر کسی نے خواب میں اذان حج کے مہینے میں دی تو تعبیر یہ ہے کہ وہ حج کے لیے جائے گا مگر حج نہیں کر سکے گا۔ اگر کسی نے حج کے مہینے میں خواب میں اذان سُنی تو وہ حج کرے گا۔ دوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ وہ دین میں عالی مرتبہ اور رفیع ہو گا۔

قارئین! مدینہ منورہ میں اتنی اقسام کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں کہ ان کا ذائقہ اور نفاست دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ماہرین نے اتفاق کیا کہ ان کھجوروں میں انسانی خوراک کی ضرورت پورا کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔ بعض کھجوروں میں گودا نہایت وافر گٹھلی چھوٹی ہوتی ہے۔ وزن میں ایسی کھجوریں زیادہ چڑھتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھجوریں ہمیشہ مرغوب رہیں۔ برصغیر پاک و ہند، سری لنکا، بنگلہ دیش میں مدینہ منورہ سے آنے والے زائرین حرم یہ کھجوریں بطور تبرک لاتے ہیں اور ہدیہ کرتے ہیں۔ علامہ محمد ابن سیرین کا قول ہے کہ "اگر کسی شخص نے کھجور کا درخت دیکھا، تعبیر یہ ہے کہ وہ صاحب عزت عرب ہو گا کیونکہ کھجور کا درخت عرب ہو گا۔

یہ بھی حقیقت کھجور کے درخت کے بارے میں ہے کہ دراصل کھجور کا درخت جلدی پھل دیتا ہے۔ خوش ذائقہ، غذائیت، توانائی، خوشبو اور مٹھاس سے بھرپور پھل دیتا ہے۔ اسی لیے علامہ ابن سیرین نے اس کا خواب میں دیکھنا بھی باعث عزت و فخر بتایا ہے۔

مدینہ منورہ سے جانب مسجد قبا جاتے ہوئے کھجوروں کے باغات کے یہ بہار آفریں مناظر آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں جب خصوصاً شارع قبا اور طریق الہجرۃ سے گذر ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ ، روزِ قیامت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے اوّل میری قبر شق ہوگی میں اس سے نکلوں گا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قبر سے نکلیں گے پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد میں جنّت البقیع میں جاؤں گا اور وہاں جتنے مدفون ہیں ان سب کو ساتھ لوں گا، پھر مکّہ مکرمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا اور وہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان آکر مجھے ملیں گے۔ اس روایت کو زرین بن بجار اور ترمذی نے معمولی تفاوت کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مدینہ قرآن سے فتح ہوا

جناب بزاز رحمۃ نے صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ———————

مدینہ منوّرہ قرآن کے ذریعہ سے فتح ہوا ہے۔

مدینے میں حضرت بلال رضؓ کی اذان کا معمول

فجر کی اذان حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبیلہ بنی النجار کی ایک عورت کے گھر پر چڑھ کر دیا کرتے تھے جو مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا۔ سحری کے وقت سے اس کی چھت پر آکر بیٹھ جایا کرتے تھے اور وقت کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ جب وقت ہوجاتا تھا تو بدن میں چستی لانے کے لیے انگڑائی لیتے تھے اور یہ دُعا مانگ کر اذان دیتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ وَاَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُّقِیْمُوْا دِیْنَکَ۔

(اے اللہ میں تیری تعریف کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو اس بات کا معین

بن جائے کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں۔

اس کی روایت کرنے والی عورت (جن کے گھر کی چھت پر بلال رضؓ اذان دیا کرتے تھے) فرماتی ہیں کہ کسی روز بھی حضرت بلال رضؓ نے یہ دعا نہیں چھوڑی۔

(بحوالہ ابوداؤد ۱۲ تذکرہ سیدنا بلال رضؓ صـ۷۱)

مسجد قبا میں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی آپ مؤذن کے طور پر رہتے اور سفر میں بھی آپ کے ساتھ جاتے اور نماز کا وقت آنے پر اذان پڑھتے تھے۔ بہت کم کبھی ایسا ہوا ہے کہ آنحضرتؐ کہیں تشریف فرما ہوں اور نماز کے وقت حضرت بلال رضؓ کے علاوہ اور کسی نے اذان دی ہو۔ جب آنحضرتؐ مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت بلال رضؓ ساتھ ہوتے تھے اور نماز کے وقت اذان پڑھ دیتے تھے جس سے وہاں کے آس پاس کے رہنے والوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ آج اس مسجد میں آنحضرتؐ تشریف لائے ہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ مسجد قبا میں تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضؓ آپؐ کے ساتھ نہ تھے لہٰذا سعد القرظ رضؓ نے اذان دے دی اور آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ میرے ساتھ بلال رضؓ کو نہ دیکھو تو اذان دے دیا کرو۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی میں انہوں نے تین بار اذان دی۔

(بحوالہ جمع الفوائد عن سعد القرظ صـ۱۲)

فریضۂ حج اور فیاض حکمران: آئیے! ساتویں صدی ہجری میں ذرا آگے چلیں ملک الناصر محمد بن قلاؤن مصر و شام کا تین مرتبہ فرمانروا رہا۔ اسی کے عہد حکومت میں مغربی افریقہ کی اسلامی ریاست مالی کے فرمانروا منسا موسیٰ نے فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔

”

مورخین نے اس سفرِ حج کی جو تفصیل لکھی ہے وہ نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کیسے کیسے لوگ پیدا کیے، کیا کیا اوصاف عطا کیے، کہیں سخاوت و فیاضی کا کمال، کہیں بلند حوصلوں کی نادر مثال — مغربی افریقہ کی مسلم ریاست مالی کے فرمانروا نے ایسا سفرِ حج کیا کہ پوری قلمروئے اسلامی میں اس کی شہرت پھیل گئی۔ والیِ ریاست منسا موسیٰ شروع سے نہایت عابد و زاہد تھا، ظلم کسی پر روا نہ رکھتا، عادل اور منصف تھا۔ مملکت کے شہریوں کی خوشحالی کا بہت خیال رکھتا۔ وہ دولت کو ذاتی تجوریوں میں بھر کر اڑانے اور اکڑنے کا قائل نہ تھا۔ آجکل لوگوں کے پاس تھوڑی سی دولت جمع ہو جائے تو زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ بالآخر لحد میں جانا ہے۔ آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں کہ اگر بس میں ہو تو کہکشاں کو راہگذر بنائیں۔ زیادہ قباحت والی بات یہ ہوتی ہے کہ غریب ہمسایوں، محکوموں، مجبوروں اور ملازمین کو بہ نظرِ حقارت دیکھنے لگتے ہیں۔ مگر دنیا میں کیسے کیسے دولت مند اور سخی صاحبِ ثروت ہو گزرے کس کو یہ دیکھنے اور جاننے کی ضرورت ہے؟ ۱۳۲۵ء کا واقعہ ہے کہ منسا موسیٰ ریاست مالی سے روانہ ہوا تو خود گھوڑے پر سوار تھا۔ آگے آگے پانچ سو ملازم اور کارندے چل رہے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں سونے کا ایک عصا تھا جس کا وزن پانچ سو مثقال تھا۔ اس کے علاوہ اسّی سے زیادہ اونٹ سامان سے لدے ہوئے تھے جن میں سے ہر ایک پر سونا لدا ہوا تھا۔ راستے بھر جہاں بستیاں آتیں، لوگ ملتے، موسیٰ وہ سونا فیاضی سے ضرورتمندوں میں تقسیم کرتا۔ منسا موسیٰ نے سفرِ حج کے لیے صحرائی راستہ اختیار کیا۔ اہرامِ مصر کے پاس سے گذرا۔ ملک الناصر محمد کو بہت قیمتی تحفہ پیش کیا۔ الناصر نے اس کے قیام کے لیے ایک محل مخصوص کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ سفرِ حج سے واپسی پر سب اثاثہ ختم ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ علاقے میں سونا اتنا پھیل گیا کہ بارہ سال تک قاہرہ میں سونے کی شرح گری رہی۔ ایک اندلسی شاعر اور معمار ابو اسحٰق ابراہیم

اساحی کو بھی ساتھ لے گیا جس نے گاؤ اور ٹمبکٹو میں مسجدیں بنائیں اور بادشاہ کا محل بھی تعمیر کیا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے حوالے سے:

حضرت علامہ سلیمان ندوی، یاد رفتگان کے عنوان سے مشہور زمانہ کتاب "رحمۃ للعالمین" کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قاضی صاحب پٹیالہ کے سابق جج تھے علم و عمل، زہد و کمال اور فضل و ورع دونوں کے جامع تھے۔ روشن دل و دماغ تھے۔ ان کے جدید و قدیم دونوں خیالات حدِ اعتدال پر تھے۔ عربی زبان اور علوم دین کے بھی عالم تھے حتیٰ کہ تورات و انجیل پر بھی فاضلانہ ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مناظرے کے شائق تھے مگر سنجیدہ اور عالمانہ وقار کے ساتھ۔ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ ندوۃ العلماء کے دیرینہ رکن تھے۔ مستقل تصانیف میں رحمۃ للعالمین کے علاوہ الجمال والکمال (تفسیر سورۂ یوسف) اور سفر نامۂ حجاز یادگار ہیں۔

ایک دفعہ حج کر چکے تھے، واپس آکر اپنا سفر نامہ لکھا۔ دوسری دفعہ پھر حج پر گئے، مکہ معظمہ سے ایک دوست کا خط آیا تھا کہ قاضی سلیمان صاحب امسال حج کو تشریف لائے ہیں اور اپنے "ہم نام" (سلیمان ندوی) کا ذکرِ خیر بڑی محبت سے کرتے ہیں اور اس بشارت کی خوشی پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ صابر منزل قرول باغ دہلی سے ایک خط نے آکر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ قاضی صاحب نے بیمار ہو کر واپسی میں جہاز میں دم توڑا۔ آہ! اس بحرِ ہستی میں خدا جانے کتنے جہاز ڈوبے اور ڈوبیں گے ؎

— دریں بحر کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

علامہ شبلی نعمانیؒ کا سفرِ حج:

علامہ شبلی نعمانیؒ کے بارے میں یہ تذکرہ نظر سے گزرا۔ عمر ۱۹ برس کی تھی، سال ۷۶-۱۸ء تھا۔ ترمذی شریف زیرِ درس تھی کہ خاندان کے بعض اعزہ نے بغرض حج سفر حجاز کا ارادہ کیا۔

حوصلہ مند طالب علم کے لیے یہ بہترین موقع تھا چنانچہ استاد محدّث (حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) سے اجازت لے کر سفرِ حجاز کے لیے روانہ ہو گئے۔ فریضۂ حج ادا کیا، مکّہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ایک عالمِ وجد تھا جو عاشقِ رسولؐ پر طاری تھا۔ اس عالم میں ایک قصیدہ فارسی زبان میں انشا فرمایا جو سرتاپا شوق اور آرزو ہے۔ مدینہ منوّرہ میں بہت سے کتب خانے ہیں۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی فرماتے ہیں اس وقت مولانا پر حنفیت کا رنگ غالب تھا کہ تمام ہندوستان حنفیت اور وہابیت میں مشغول تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر اس قسم کی کتابوں کی جستجو فرمائی۔ فرماتے تھے کہ فنونِ حدیث کا جو سامان وہاں نظر آیا کہیں نہ دیکھا۔ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید لما فی الموطا امام مالک، کی شرح نقد ہے لیکن درحقیقت وہ فنونِ حدیث کا دائرہ معارف ہے۔

ایک بار میں نے پوچھا تھا تو فرماتے تھے کہ مدینے کے کتب خانوں میں دیکھی تھی۔ سفرِ حجاز کے بعد عجیب عجیب واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ منجملہ ایک ہندی درویش کا قصہ تھا جس کے دونوں پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو گئے تھے، موچنے سے کانٹے نکال رہا تھا کہ مولانا جا کر کھڑے ہو گئے۔ اشارہ کیا کہ تم بھی نکالو پھر سوز و گداز کی لے میں یہ شعر پڑھا ؎

کوئی کانٹا جو کفِ پا سے جدا ہوتا ہے
آبلے روتے ہیں خوں رنج بڑا ہوتا ہے

اس سفر سے واپس آ کر "ظاہری طلب علم" کا دور ختم کر دیا لیکن واقعتاً اب سے "حقیقی طلب علم" کا دور شروع ہوتا ہے۔ علم و عرفان کی یہ کیفیت کسی کو حاصل ہو جائے تو اس سے گرانمایہ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے؟

کتب تواریخ و سوانح گواہ ہیں کہ سرورِ کائنات حضور احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے از خود بے پناہ محبت تھی۔ طیبہ نام حضور رسالت مآبؐ کو سب سے زیادہ پسند اور محبوب تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی خوش نصیب اس شہرِ نبویؐ میں

باریاب ہوتا ہے اور جذبات وارفتہ ہو جاتے ہیں تو یہ ایک درجہ محبت کا ہے۔ دنیا بھر کے رنگ و خوشبو اور رونق و شادمانی سے آراستہ و معمور شہروں میں ایسا انوکھا اور دل نواز شہر ہے کہ محبوب کبریا ختم المرسلین سرکار رحمۃ للعالمین ؐ نے اس خوش نصیب شہر کو اپنایا، یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ اس شہر کی تعریف و توصیف کی اور اس بات کو ناپسند فرمایا کہ کوئی شخص یہاں کے لوگوں کی بود و باش، میسّر شدہ خوراک، پھلوں اور عام زندگی کے دوسرے عوامل کو نکتہ چینی کا ہدف بنائے، انہیں سخت و سست کہے، شائستگی کا دامن چھوڑے۔ حدیث نبویؐ ہے۔ **یا طیبہ یا سید البلدان**۔ یہ روایت حضرت علی رضؓ سے پہنچی۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم فرمایا اور نسبت اپنی اس شہر مقدس سے یہ بیان فرمائی۔ مدینہ طیبہ میری ہجرت کی جگہ اور میری سکونت کا مقام ہے۔ مدینے کے ناموں کی کثرت پر کسی نے تعجب کا اظہار کیا ہو تو اسے یہ باور کرنا چاہیئے کہ ناموں کی کثرت بھی اس شہر کی عظمت کی گواہی دیتی ہے۔ اگر ایک جگہ "ایمان" کہا گیا ہے تو واقعی مدینہ منورہ کا نام ایمان اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان اور حیا کا معدن ہے۔ قدسیہ، عضوظہ، عفوفہ بھی کتابوں میں ملنے والے نام مدینے ہی کے ہیں۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ مدینہ پاک کی گلیوں کے دونوں سروں پر فرشتے بیٹھے ہوئے اس کی پاسبانی کرتے ہیں۔

زائرین مدینہ جب اپنے قلب و نظر روشن لیے حدود مدینہ میں داخل ہوتے ہیں تو از خود اور بلا تاخیر انہیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ فضا میں ہر طرف شبنم کے شفاف موتی دمک رہے ہیں۔ ہوائیں عطر بیز ہوکر دائیں بائیں گزر رہی ہیں۔ شرک سے اور غیر اللہ کی پرستش سے جو تمام و کمال خالی ہو اس کی پاکیزگی اور تقدس کی قسم کون نہ کھائے گا۔ اس خوشبو کے بدلے کون سی خوشبو لائے گا۔

ابو عبداللہ عطاء نے یقیناً اس موقع کے لیے بہت خوب فرمایا:

بطیب رسول اللہؐ طاب نسیمہا
فما المسکُ والکافور والصندل الرطب

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کی وجہ سے مدینہ منوّرہ کی ہوا خوشبودار ہو گئی۔ ایسی خوشبو نہ ہی کافور میں ہے نہ ہی صندل رطب میں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کو عدم طیب سے نسبت کرلے اور اس کی ہوا کو ناخوش کہے تو ایسا شخص واجب التعزیر ہے۔ اس کو جیل میں قید کیا جائے جب تک کہ توبہ نہ کرلے۔

مدینہ منورہ کو پہلے یثرب اور اثرب کہا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔

یثرب کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء تاریخ نے فرمایا کہ یثرب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ایک شخص کا نام تھا۔ اس کا پورا نام یہ ہے یثرب بن قانیہ بن مہدیل بن عیل بن عیص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السّلام کی اولاد متفرق شہروں میں آباد ہوئی تو یثرب نے اس سرزمین میں قیام کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی کہ جو کوئی مدینہ کو یثرب کہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے تدارک کے لیے دس دفعہ مدینہ کہے۔ اسی حدیث سے علّامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدینہ منوّرہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے۔ البتہ جن روایات میں مدینہ کو یثرب کہا گیا ہے اس کا جواب محققین نے یہ دیا ہے کہ یہ روایات ممانعت سے پہلے کی ہیں جب اس آبادی کو یثرب کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

اس خیال سے کہ محدود معلومات کے سبب یا محبّت کے جذبات سے مغلوب ہو کر بعض لوگ مدینہ کو یثرب کہتے ہیں اور بار بار اس غلطی کو دہراتے ہیں۔ ہمارے شعراء کرام

اپنے اشعار مدحت و ثنائے مصطفیٰؐ میں یثرب کا استعمال بے تکلفی سے کرتے ہیں اور یہ سراسر جذبات و عقیدت کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہم اس اشتباہ کا ذکر یہاں ضروری سمجھتے ہیں چونکہ ہماری نظر سے گزرا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے یثرب والی روایت ہم نے اوپر بیان کی وہاں کتب متقدمین میں یہ بھی مذکور ہے کہ یثرب ایک بت کا نام تھا۔ اس کے نام پر اس شہر کا نام یثرب پڑ گیا۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یثرب ایک ظالم شخص تھا اس کے نام پر اس بستی کو یثرب کہا جانے لگا۔ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب نام بدل کر طابہ اور طیبہ رکھا اور مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ زمانۂ جاہلیت کا نام ہے۔ دوسرے یہ کہ یثرب ثرب سے مشتق ہے اور ثرب کے معنی فساد یا تثریب سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں عذاب دینے کے یہ دونوں معنی بُرے ہیں اور ناپسندیدہ ہیں جب کہ سوانح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہے کہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں اگر کوئی ایسا شخص آتا جس کے نام کے معنی خراب اور ناگوار و خبیث کے ہوتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نام بدلنے کا مشورہ دیتے اور عمدہ معنی رکھنے والا نام تجویز فرماتے۔ ایسی بہت سی مستند اور متفق علیہ روایات موجود ہیں۔

سعودی جریدہ المدینہ مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ میں اس سلسلے میں موجود غلط فہمی رفع کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ "قرآن شریف میں جو اہل یثرب لا مقام لکھا ہے اس سے یثرب کہنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ یہ منافقوں کا قول ہے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث یحییٰ بن سعیدؓ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایسے شہر جانے کا حکم ہوا ہے جو دوسرے شہروں کو نگل جائے گا۔ منافق اس شہر کو یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔ بے شک بعض روایات میں مدینہ کو یثرب کہا گیا ہے لیکن اس کی توضیح اوپر کر دی گئی کہ یہ نام ممانعت

کی ہدایت سے پہلے استعمال ہوا تھا۔ تاریخ کے اس پہلو کو صراحت کے لیے سامنے لانا ضروری تھا ورنہ ہمیں خود یہ نام یہاں تحریر کرنا اس کا ذکر اور اس کو اپنی اس تحقیقی کتاب میں اعادہ کرنا ہرگز پسندیدہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کا احوال جانتا ہے اور اس سے ہم اپنی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔

مسجد نبویؐ کی خصوصیات اور کیفیات کا ذکر مقصود ہو اور ریاض الجنۃ کی مہکتی یادوں کے ستارے نگاہوں میں نہ جھلملائیں یہ تصوّر ہی دُور از کار ہے۔ جو خوش بخت مدینۃ النبیؐ میں اقامت پذیر ہیں یا ماضی قریب میں سعادت زیارت حرمین شریفین سے واپس آئے ہیں اُن کے قلب و نظر میں دوسرے مقامات سے کچھ زیادہ ہی روضۂ رسول رحمۃ للعالمینؐ اور ریاض الجنۃ کے رُوح پرور مناظر محفوظ ہوں گے لیکن جو ابھی تک حاضری نہیں دے سکے اور تمنا یا کوشش کے مرحلے میں ہیں ان کو شاید الفاظ کے قالب میں ہی کچھ اندازہ ہو سکے کہ کیسے لعل و گہر، جواہر تابندہ، ایمانی تقویت کی علامات کا یہ خزینہ ہے کہ نہ ایک بار وہاں حاضر ہو کر جی سیر ہوتا ہے نہ سو بار دیکھ کر تشنگی دُور ہوتی ہے۔ مسجد نبویؐ میں کچھ خاص ستون ہیں اور ان کے خاص حوالے ہیں۔

اسطوانہ مخلقہ : یہ ستون عین مصلّی نبویؐ کی پشت پر ہے۔ مذکور ہے کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کھڑے ہو کر خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ آج کل بھی نوافل پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ جگہ خالی ہونے کے لیے قطار میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ سبحان اللہ مواجہ شریف اور ریاض الجنۃ کی حاضری میں کیا کیف اور سوز و گداز ہے۔

اسطوانہ وفود : یہاں باہر سے آنے والے وفود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہیں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے اہم فیصلے مشاورت سے صادر ہوتے تھے۔

اسطوانہ ابی لبابہ: حضرت ابی لبابہؓ مشہور صحابیوں میں سے ہیں — ایک مرتبہ تقاضائے بشری کے تحت اُن سے ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی — بعد میں خود اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے اور احساسِ ندامت کے غلبے میں مسجد نبویؐ پہنچے اور اپنے تئیں ایک کھجور کے درخت سے باندھ لیا کہ جب تک حضور اکرمؐ معاف نہیں کریں گے خود کو نہیں کھولیں گے۔ حضور اکرمؐ کو اُن کا یہ عمل واقعی ناگوار خاطر ہُوا تھا اس لیے معاملہ طول پکڑ گیا۔ یہ کسی صورت میں خود کو کھولنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ بہر حال رحمۃٌ للعالمینؐ کے واپس آنے پر کچھ دن بعد ابو لبابہ کی برات میں وحی نازل ہوئی تو اپنے دست مبارک سے ابو لبابہؓ کو کھولا۔ اب اسی مقام پر یہ ستون قائم ہے۔ نوافل ادا کرکے بندگانِ خدا گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔

اسطوانہ سریر: اس ستون کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ اعتکاف میں کبھی کبھی کھجور کے بوریے پر آرام فرماتے تھے۔

اسطوانہ عرص یا اسطوانہ علیؓ.... کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں صحابہ کرامؓ حضورؐ کی دربانی کے طور پر بیٹھا کرتے تھے۔ اکثر یہ خدمت حضرت علیؓ کے سپرد رہتی تھی۔

اسطوانہ جبرئیلؑ: باب جبرئیل سے داخل ہو کر حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی مقام پر سید الکونین صاحب قاب قوسین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتے تھے۔

اسطوانہ عائشہؓ: جس جگہ اب مصلّی نبوی نظر آتا ہے اسے اختیار کرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ روز نماز ادا فرمائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اس کی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہاں جگہ پانے کے لیے قرعہ ڈالیں۔ اس وقت سے صحابہ کرامؓ

اس جستجو میں رہے ۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد اُمّ المومنین سیّدہ صدیقہ رضؓ نے اس جگہ کی نشاندہی اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کو کر دی ۔ اسی مناسبت سے اسے اسطوانۂ عائشہ رضؓ کہتے ہیں ۔ نوافل ادا کرنے والوں کا ذوق و شوق دیدنی ہوتا ہے ۔

اسطوانہ تہجد : یہ منصورہ شریف کی پُشت کی جانب ہے یہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے تہجد کی نمازیں ادا فرمائیں ۔

چار سطون یعنی اسطوانۂ حرس ، اسطوانۂ وفود ، اسطوانۂ سریرؑ اسطوانۂ جبرئیل ایک ہی قطار میں قریب قریب ہیں ۔

سبحان اللہ مواجہ شریف اور ریاض الجنۃ کی حاضری میں کیا کیف اور لطف عبادت ہے ۔ سیّد المرسلین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ :

" جنّت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے "

من الهدى النبوى

عن ابى حميد وابى اسيد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا دخل احدكم المسجد فليقل اللهم افتح لنا ابواب رحمتك ، واذا خرج فليقل اللهم انى اسئلك من فضلك . رواه مسلم واحمد وابو داود .

مدینہ منورہ کو "مسجدوں کا شہر" بھی کہا جاتا ہے۔ اَن گنت خوبیوں میں سے یہ بھی ایک خوبی ہے۔ ایک خصوصیت ہے اس شہر محبوب و مقبول کی۔ یہ خصوصیت روزِ اوّل اس کا مقدر بنی کہ جب یہ مدینۃ النبیؐ ٹھہرا۔ مؤرخین محققین متفق ہیں کہ مدینے میں سب سے پہلے یہ کام کیا گیا کہ مسجد بنائی گئی۔ اگرچہ کھجور کے تنوں، سوکھی شاخوں اور کچی اینٹوں سے بنائی گئی لیکن کیسے مبارک ہاتھوں نے اس کے لیے مٹی بھگوئی اور گارے سے جوڑا۔ ساتھ ہی صفّہ کا وہ مدرسہ، علم و تدریس کا وہ مرکز وجود میں لایا گیا کہ علم و عرفان کے اسباق نے جویانِ حق کے قلوب و اذہان صیقل کر دیے۔ مسجد اور مکتب، عبادت و علم، بندگی اور آگہی، محبت اور اطاعت وارفتگی اور فرزانگی کے زرّیں رشتے یوں مضبوط ہوتے ہیں ان کی اہمیت بنیادی اور افادیت حقیقی ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ مسجد اور درس گاہ ساتھ ہونی چاہیے۔ بے شک علم دین ہے اور دین علم ہے۔ شالی مسلمانوں نے ہمیشہ یہ مثال قائم رکھی کہ جہاں آبادی یا تازہ بستی کی بنا ڈالی۔ اہل نظر نے اہلِ ایمان بن کر پہلے مسجد کی خشتِ اوّل رکھی۔ قافلہ ہجرت کے مدینے وارد ہو جانے تک اہلِ ایمان اپنی نمازیں بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے ادا کرتے رہے تھے۔ رضائے الٰہی میں کیسے تامل یا تعرض ہو سکتا تھا۔ زمین پرستی کے دَورِ جاہلیت اور علاقائی عصبیت کے گرد و غبار میں لپٹا ہوا معاشرہ کسی معاملے میں بھی غیر عرب روایات کے پیچھے چلنے کو تیار نہ تھا لیکن دینِ حق اسلام نے حق پر ایمان لانے والوں کو بندگی کا وہ جذبہ اخلاص عطا کیا اُدھر ربّ کائنات کا اشارہ ملتا تھا اِدھر اللہ کا محبوب پیغمبرؐ رضائے الٰہی کو ٹھیک ٹھیک اپنی اُمت تک پہنچا دیتا تھا اور اللہ کے بندے اللہ کی رضا میں راضی ہو جاتے تھے۔ ہجرت مدینہ ایک عظیم تاریخی واقعہ

ہو گئے اور تاریخ کے سرد و گرم مرحلے وقت کے دھارے پر آگے بڑھنے لگے کہ ٹھیک سترہ مہینے بعد، ٹھیک نماز کے دوران جس کی امامت آقائے دو جہاں سید الکونین نبی مکرم نورِ مجسم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس فرما رہے تھے، وحی نازل ہوئی اور اسحٰقؑ و اسمٰعیلؑ کے برگزیدہ باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو قبلہ ٹھہرا کر حکم دیا گیا:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ .....

(اور جہاں سے تم نکلے اسی جگہ سے تم اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف موڑ دو اور جہاں کہیں (اے مسلمانو) تم ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف موڑ دو)

(سورۃ بقرہ آیت ۱۵۰)

یہ حکمِ الٰہی تحویلِ قبلہ کا حکم کہلایا۔ آج بھی مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر، عہدِ رسالت کی یہ مسجد "مسجد قبلتین" کے نام سے موجود ہے۔ قبلۂ اوّل بیت المقدس کی جانب مسلمانوں نے صف بندی کر کے نماز شروع کر دی تھی۔ اسی نماز کے دوران قادرِ مطلق کے حکم کی بجا آوری میں جانب کعبہ مکہ مکرمہ باقی نماز ادا کی گئی۔ گویا ٹھیک ایک ماہ پانچ ماہ کے بعد ایک ایسی نماز آئی کہ جس میں دو قبلے جمع ہوئے اور اس نماز کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خانہ کعبہ کی جہت و سمت متعین ہوئی۔

یہاں دو پہلو اور نظر میں رکھے جائیں تو مناسب ہو گا۔ اوّل یہ کہ موجودہ قبلہ کے تعین اور حکمِ تحویلِ کعبہ میں ربِّ کائنات نے اپنے محبوب پیغمبرؐ کی آرزو کو سندِ قبولیت عطا فرما دی۔ یہ آرزو قلبِ رسول اللہؐ میں موجزن تھی اور معبودِ حقیقی نے مسرت و طمانیت کے ان لمحات کو شاید بعد از ہجرت مدینہ کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ ۲ھ رجب یا شعبان کا مہینہ تھا کہ بنو سلمہ کی مسجد میں نبی کریمؐ کو یہ ہدایت بارگاہِ الٰہی سے

موصول ہوئی جس میں خود اُن کی رضا جوئی کا حوالہ بھی موجود تھا۔

"یہ تمہارے مُنہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں لو، ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف رُخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی جانب مُنہ کر کے نماز پڑھا کرو" (سورۃ البقرۃ ۱۴۴)

یہ نکتہ معلومات واقعہ تحویلِ کعبہ کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے لیکن جہاں تک سجدے سجود اور مسجود کا تعلق ہے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یوں واضح فرمایا ہے:

جعلت لی الارض مسجدًا

(پوری زمین میری مسجد بنائی گئی ہے۔ حدیث نبویؐ)

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے اس اصول و اساس کی وسعت کو اپنے مخصوص پیرایہ بیان میں سمیٹنے کی کوشش کی تو مذکورہ حدیث قدسی کا معنوی پھیلاؤ اور بہاؤ الفاظ کے چشمے بن کر بہہ نکلا۔ فرماتے ہیں:

"کعبہ دنیا کی مسجد کی دیوار ٹھہرایا گیا اور بسیط زمین اس دیوار کا صحن قرار پائی۔ یہی ہر مسلمان سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ افریقہ ہو یا براعظم امریکہ اسی کے صحن کا ایک حصّہ قرار دیتا ہے۔ ایشیا بھی اس کو کعبہ کی دیواروں کے نیچے نظر آتا ہے۔ یورپ میں جب بھی اس کو نماز کی ضرورت ہوتی ہے تو گویا (اسی صحن مسجد) کعبہ کے آنگن میں کھڑے ہو کر وہ نماز ادا کرتا ہے (کچھ فرق دُور و نزدیک کا نہیں پڑتا) ایورسٹ اسی کے صحن کا ایک ٹیلہ ہے اور بحر محیط اسی صحن کا ایک حوض اور بحیرۂ قلزم اسی صحن کی ایک نالی ہے۔ ایک مسلمان اپنی زندگی کے ہر دن میں

پانچ وقت اسی نظریے کی عملی شکل میں مشق کرتا ہے کہ (پوری زمین میری مسجد بنائی گئی ہے (فرمان نبوی ﷺ) یہی وہ جذبۂ صادق اور ایمانی بالیدگی کا احساس ہے کہ معبود حقیقی کے حضور سجدۂ بندگی ادا کرنے والا کرہ ارض کے انتہائی شمال میں ہو انتہائی جنوبی خطے میں، مشرق بعید میں ہو یا انتہائے مغرب کے کسی قطعہ اراضی پر، پہاڑ کی چوٹی پر ہو یا نشیبی وادی اور گھاٹی میں، ریگزار میں ہو یا چمن میں، آبِ رواں پر ہو یا برف کی شفاف چادروں پر، ادائیگی نماز میں اسے اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان کوئی بُعد، کوئی دُوری محسوس نہیں ہوتی۔ وہ اپنے خالق کا مشکور اور محکوم بندہ نیت کر کے مشغول عبادت ہوتا ہے اور آن واحد میں یہ جغرافیائی فاصلے جذباتی قربتوں میں بدل جاتے ہیں۔ عقیدت و محبت کے ان رشتوں کو یکجا کرنے کے لیے مادی وسائل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ابن آدم اِدھر سوچتا ہے اُدھر پا لیتا ہے۔ باطن کے اس فرحت بخش احساس کو ظاہر کے دلائل کی حاجت نہیں رہتی۔ کوئی بھی ہے۔ کائنات کے کسی معلوم خطے یا حصے میں ہے۔ اگر وہ اس پوری کائنات کے واحد مالک و فرمانروا کے بارے میں عجز و انکسار کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہو گا تو ملک اور مملکت تو کیا بحر و بر کے فاصلے مٹ جائیں گے۔ عقیدت و محبت کے قافلوں کا سفر سُبک گام نہیں ہوتا۔ اب ایک واقعہ سجدہ کی اہمیت پر پڑھ لیجئے:

طبرانی ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مدینہ منورہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی خواہش میں آئے جب آپ ﷺ کو اُمہات المؤمنین رض کے حجروں میں نہ پایا تو (مسجد نبوی ﷺ سے) اس کوچے کی طرف چلے جہاں حضور ﷺ بیٹھنے کے عادی تھے۔ آخر کار پہاڑ کی جانب گئے۔ احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ سلع تھا (جس کا ذکر ہم اس کتاب میں مسجد فتح کے حوالے سے پہلے بھی کر چکے ہیں) لوگوں سے پتہ نہ پا کر

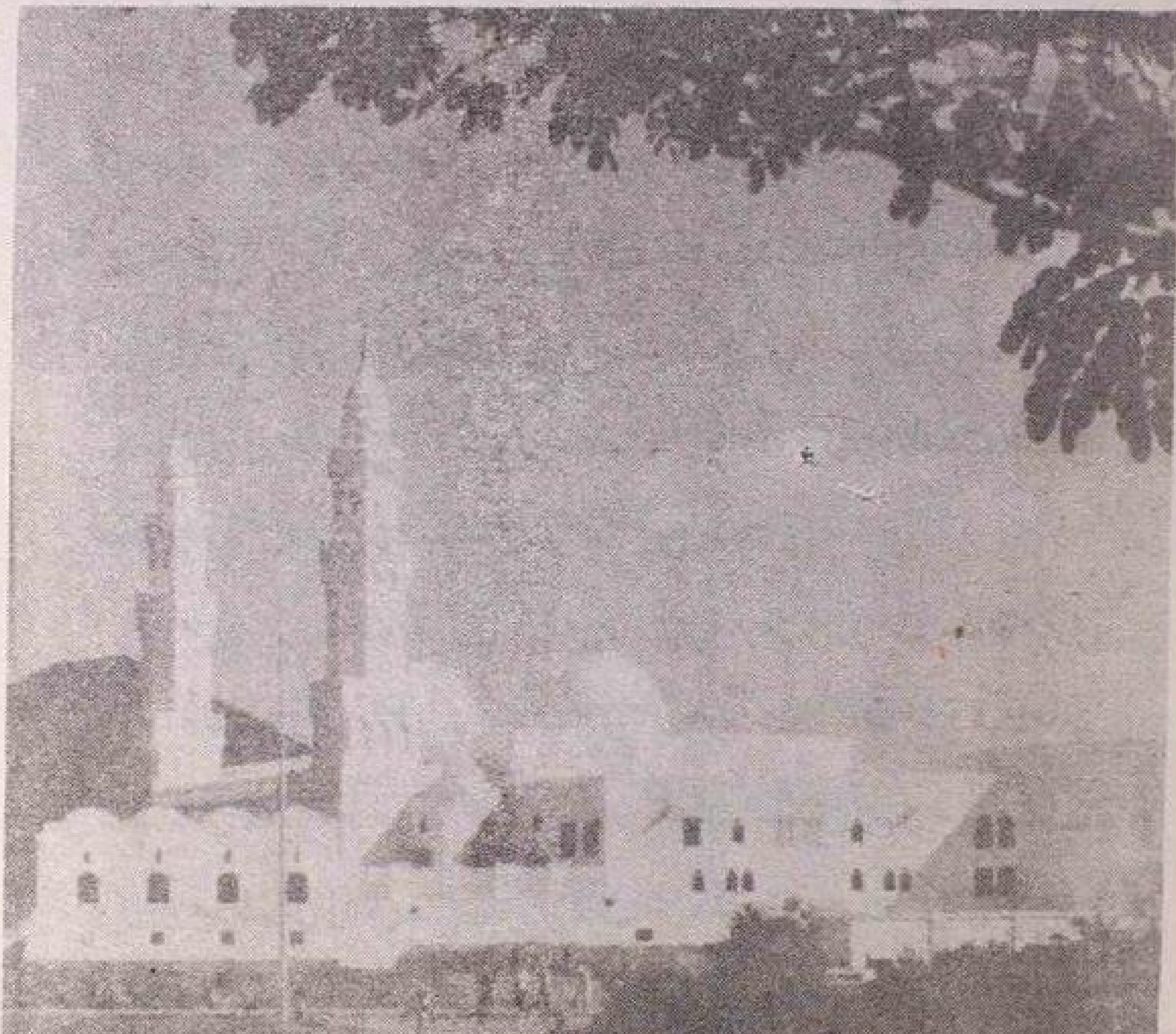
معاذ بن جبل پہاڑ پر چڑھ گئے اور دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے۔ دیکھا کہ اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اُس غار کے اندر سجدے کی حالت میں نظر آ گئے۔ معاذ بن جبل اس مقام کی ہیبت اور حضرت سید الانام علیہ اکمل الصلوٰۃ وافضل السّلام کا طویل سجدہ دیکھ کر کوہ سلع سے اُتر آئے اور تھوڑی دیر بعد پھر اُوپر گئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک سجدہ ہی میں ہیں۔ آپ کو گمان گزرا کہ آپؐ کی رُوح مبارک کو شاید عالم بالا میں لے گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے سجدہ سے سرِ اقدس اُٹھایا اور فرمایا کہ جبرئیل امینؑ آئے تھے اور کہتے تھے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی اُمّت کے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔

میں نے کہا اے اللہ! تو خوب جاننے والا ہے۔ میں کیا جان سکتا ہوں۔

اس کے بعد پھر جبرئیل امینؑ آئے اور کہا کہ آپ کے پروردگار فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دل کو خوش رکھئے۔ آپ کی اُمّت کے ساتھ ہرگز وہ معاملہ نہ کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو یا آپ کی دل آزاری کا سبب بنے۔

پھر میں نے سجدے میں سر رکھ دیا اور اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لایا۔ اے معاذ سب سے بہتر حالت جو بندے کو اپنے مولیٰ سے قریب کر دیتی ہے سجدہ ہے

باب المجیدی سے مسجد قبلتین جانا ہو تو آج کل کی تیز رفتار گاڑیاں تین میل کا یہ فاصلہ چند منٹ میں طے کر لیتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے بلند حوصلوں کے سامنے نہ یہ فاصلے کوئی اہمیت رکھتے تھے نہ دشوار گزار گھاٹیاں اور پُر پیچ پہاڑی سلسلے کوئی اہمیت رکھتے تھے عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب میں مدینے کے تاریخی حوالے سے لکھتے ہیں:



مسجد قبلتین : دو قبلے جمع ہو جانے کی نسبت سے مشہور ہے۔ اگرچہ تحویلِ قبلہ کے حکم کے نازل ہونے کے مقام کے بارے میں مسجدِ قبا کا نام بھی روایات میں مذکور ہے۔ لیکن بعض حوالوں سے اسی مسجد کو تبدیلیِ قبلہ کی اہمیت دی جاتی ہے۔ جدید تعمیر و توسیع نے مسجدِ قبلتین کی شان و شوکت دوبالا کر دی ہے۔ تحویلِ قبلہ کی وحی نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے بیت اللہ شریف مکہ مکرمہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنا شروع کی۔

مسجد القبلتین، مسجد فتح سے مغربی جانب نصف میل یا اُس سے کچھ کم فاصلے پر وادی عقیق اور بیر رومہ کے نزدیک واقع ہے۔ محمد ابن اخنس سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ میں ...... ایک بیوہ تھیں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی خیریت پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپؐ کے لیے کھانا مہیا کیا۔ اس موقع پر وہ ارواح کا احوال دریافت کرنے لگیں۔ اس حدیث کی شانِ نزول جو ارواح مومنین و کافرین کے متعلق آئی ہے اسی مجلس کا واقعہ ہے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلمہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نکلے۔ ابھی دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی کہ وحی آئی قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب پھیر دیا گیا۔ آپؐ نے نماز ہی کی حالت میں مڑ کر کعبہ کی جانب منہ کر لیا اور آخری دو رکعت کعبہ کی طرف ادا فرمائیں۔ اسی وجہ سے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔

تقریباً یہی صورت ابن زبالہ محمد ابن جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی سلمہ کے کچھ لوگ اپنی مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ تبدیلِ قبلہ کی خبر اُن تک پہنچی۔ آپؐ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ تاریخ مدینہ میں شیخ مجدالدین کے اس قول کو دہرایا گیا ہے کہ تحویلِ کعبہ کے لیے مسجد قبا زیادہ حق دار ہے کیوں کہ بخاری اور مسلم میں بھی یہ ذکر آیا ہے، تاہم بعض علماء قول اول کو ترجیح دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ خانہ کعبہ مدینہ منورہ کے جنوب میں ہے اور بیت المقدس جانبِ شمال ہے۔ چنانچہ یہ بات ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ نماز پڑھا رہے ہوں گے تو پہلی دو رکعتوں کے بعد جب تبدیلئ سمت کا حکم آیا تو اس کی تعمیل کے لیے آنحضرت گھوم کر پیچھے آئے ہوں گے اور مقتدیوں نے بھی اپنا پورا رُخ تبدیل کر کے صفیں از سرِ نو درست کی ہوں گی لیکن اس

واقعہ کا قابلِ ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ ایک ہی نیت سے تسلسل کے ساتھ ظہر کے یہ چار فرض ادا کیے گئے اور مسجد قبلتین کی واقعاتی اہمیت میں اضافہ ہُوا خصوصاً ایک قرآنی حکم صادر ہونے پر بھی ۔

مسجد نبویؐ اور مسجد قبلتین کے تعلق سے ایک بات اور حوالے کے طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد جب مسجد نبویؐ کی بنا ڈالی گئی تو اُس وقت چونکہ مسلمان قبلۂ اول بیت المقدس کی جانب مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے اس لیے شمالی دیوار کی بجائے دوسری تین سمت کی دیواروں سے تین دروازے نکالے گئے ۔ ایک جنوب میں موجودہ قبلہ (خانہ کعبہ کی سمت) دوسرا مغربی سمت جو بابِ عائشہؓ کہلاتا تھا جس کے عین مقابل موجودہ باب الرحمت ہے اور تیسرا مشرقی دیوار میں بابِ آلِ عثمان کہلاتا تھا آج کل یہی دروازہ باب جبرئیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور نہایت عظیم الشان اور جاذبِ نظر ہے ۔ باب جبرئیل سے نکل کر بالکل سامنے دیکھیں تو جنت البقیع کا پختہ احاطہ نظر آتا ہے ۔ مسجد کی توسیعی عمارات کے بعد شاید یہ ممکن نہیں رہے گا ۔ بہرحال اُوپر کی صورتِ حال ابتدائی سترہ مہینے تک قائم تھی ۔ جب ہجرت کے دوسرے سال بیت اللہ قبلہ قرار پایا تو جنوبی سمت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور شمالی جانب کی دیوار میں دروازہ کھولا ۔ یہ بھی عظیم الشان اور بلند و بالا ہے اور ان دنوں بابِ مجیدی کے نام سے نہایت مشہور ہے ۔ مدینہ منورہ کا معروف اور بارونق حصہ ہے ۔ مسجد قبلتین ، مسجد قبا ، مساجد احزاب ، جبل احد اور دوسرے قابلِ دید مقامات کی طرف جانے والے اکثر باب مجیدی کے قریبی موقف سے با آسانی ہر قسم کی سواری حاصل کر لیتے ہیں ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جب اپنی تفسیر قرآن مرتب کرنے کے سلسلے میں سرزمینِ عرب کے اُن مقامات کی سیاحت کی جن کا ذکر کسی طور پر قرآن کریم میں آیا ہے

یا نزولِ قرآن سے ان مقامات، عمارتوں اور بستیوں کی کوئی نسبت دریافت ہوچکی ہے تو ۶۰-۱۹۵۹ء کے اس سفر کی روداد قلمبند کرتے ہوئے سفرنامہ ارض القرآن میں مؤلف موصوف جناب محمد عاصم نے صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ پر لکھا ہے:

"(بیر رومہ کے بعد) ہم مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) آئے جو مدینہ سے شمال مغرب ہی میں ڈیڑھ سو دو میل کے فاصلے پر العقاب نامی ایک بستی میں واقع ہے۔ یہ دراصل قبیلہ بنو سلمہ کی مسجد تھی۔ کہتے ہیں کہ لوگ اس مسجد میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے عصر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی ہے تو لوگوں نے نماز ہی میں بیت المقدس کی طرف منہ پھیر کر بیت اللہ کی جانب رُخ کرلیا۔ اسی لیے اس مسجد کو مسجد القبلتین کہا جاتا ہے۔"

آگے چل کر لکھا ہے:

"گذشتہ سفر میں جب ہم نے اس مسجد کی زیارت کی تھی تو یہاں دو محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا اور دوسری کا بیت اللہ کی طرف — لیکن اب کی مرتبہ ہم نے دیکھا کہ مسجد کی ساری عمارت نئی اور نہایت پختہ و شاندار بنا دی گئی ہے اور اس میں دو کی بجائے صرف ایک محراب بنا دی گئی ہے۔ بیت المقدس کے رُخ والی محراب موجود نہیں ہے۔"

واضح رہے کہ اس سے قبل وادی عقیق کا ہم نے ذکر کیا اور اُس کی تاریخی شہرت اور قدامت پر روشنی ڈالی ہے۔ مذکورہ بالا... سفرنامے میں مرقوم ہے۔ یہ وادی ایک زمانے میں خلفاء، امراء اور شعراء کے محلات کی وجہ سے مشہور تھی۔

اب اس میں بعض محلات کے صرف کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ مسجد القبلتین کے عین سامنے سعید بن وقاس (حضرت معاویہؓ کے زمانے کے ایک اموی امیر کا مکان تھا جس کی جگہ اب شاہِ سعود کا محل بنا ہوا ہے۔"

راقم السطور نے ۱۴۰۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۵ء میں مسجد قبلتین میں حاضری دی اور نوافل ادا کیے تو اس وقت واقعی مسجد میں دو محرابوں کی بجائے ایک ہی محراب موجودہ قبلہ کی سمت دیکھی اور وہی نمازیوں کا رُخ تھا۔ قبلہ اوّل والی محراب کے آثار اب نئی اور پختہ تعمیرات کی وجہ سے موجود نہیں ہیں تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرؐ پر تحویل کعبہ کی جو وحی نازل فرمائی تھی اور اس مسجد کو عہد رسالت کے لائقِ افتخار مسلمانوں کی سجدہ گاہ بننے کا جو شرف حاصل ہے اس کی یادوں کی مہک موجود ہے اور یہاں بارگاہِ ربّ العزّت میں سجدہ ریز ہو کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ وضو اور ٹھنڈے پانی کی سہولت موجود ہے۔ عمدہ قالین بچھے ہوئے ہیں۔ روشنی اور ہوا کا بندوبست ہے۔ محافظ اور راہنمائی کرنے والے موجود ہیں۔ اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کو ان ظاہری باتوں سے زیادہ اپنے حاضر ہونے کی طمانیت قلب ہوتی ہے۔ سبحان اللہ۔

صَلَّی الْاِلٰہُ عَلَی الَّذِیْنَ تَتَابَعُوْ
یَوْمَ الرَّجِیْعِ فَاُکْرِمُوْا وَاُثِیْبُوْ

حضرت حسّان بن ثابتؓ

حجازِ مُقدّس

تحقیق و تالیف کا جاوداں موضوع

"عَرَب کو عرب کیوں کہتے ہیں؟" یہ سوال قائم کر کے تاریخ ارض القرآن کامل جیسی معرکہ آرا تحقیقی تصنیف میں علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۷۳ھ لکھتے ہیں:

"اس سوال کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔ 'عرب' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار ما فی الضمیر کے ہیں۔ چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی، اس لیے اُس نے اپنا نام عرب رکھا اور اپنے سوا تمام دنیا کو اس نے عجم یعنی "بے زبان" کے نام سے پکارا۔ اہلِ جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ عرب' کا پہلا نام "عربۃ" اور "عربہ" تھا جو تحقیقاً بعد کو عموماً عرب' بولا جانے لگا اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پا گیا۔ چنانچہ شعرائے عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔"

"اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام "عربیۃ" کیوں قرار پایا؟ — اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ عبرانی

میں "عربا" بیابان اور میدان کو کہتے ہیں اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں۔ عرابۃ کے معنی بدولت کے ہیں اور اعراب اہل بادیہ اور صحرانشینوں کے لیے اب تک مستعمل ہے۔

"چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب و گیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیۂ عرب و شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے اس کا نام "عربا" قرار پایا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو "عرب" کہنے لگے۔

"لفظ 'عرب' سب سے پہلے ۱۰۰۰ق م میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہد میں سننے میں آتا ہے اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اسیریا کے کتبات میخی میں ۸۰۰ق م میں عرب کا نام "عربي" لیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جوئین سے شام تک وسیع ہے محیط تھا۔

حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جو اسمائے حسنہ عقیدت اور محبت کی زبان بنتے رہتے ہیں ان میں سیّد الکونین فخر الانبیاء، صاحب قاب قوسین کی طرح محمدؐ عربی سیّد العرب والعجم جیسے واجب احترام اور خیال آفریں القاب بھی شامل ہیں۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کے ہر سفر سے زیادہ محبوب سفر۔ فرزندانِ اسلام کے لیے سفرِ حجاز مقدس تصور ہوتا ہے۔ اسی لیے ہماری کوشش ہے کہ گرد و پیش کے پورے تاریخی، تمدنی اور تہذیبی ماحول کو نظروں میں رچاتے بساتے چلیں اور یہ حقیقت ذہن نشین ہوتی جائے کہ انقلابِ اسلامی کو برپا کرنے کے لیے اسی خطۂ ارضی کا انتخاب کیوں کیا گیا اور پیغمبر آخرالزماں رہتی دنیا تک کے لیے ہادی و رہبر بنا کر ایسے مشکل پسند لوگوں میں ہی کیوں بھیجے گئے۔ کیا ان لوگوں میں کوئی ایسی خصوصیات تھیں جو دوسرے علاقوں میں یا تاریخ کے اُس عہد میں معدوم

تھیں، محدود تھیں۔

ہم جس فاضل محقق کی تحقیق کے نتائج کا یہاں ذکر کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتدا خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ اُن کا وطن تھا اور اس کی ابتدا انہوں نے اُس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ "جغرافیہ" سے بھی اُن کو واقفیت نہ تھی۔ انہوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا لیکن جغرافیۂ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا۔ عرب کا ایک ایک پہاڑ، تالاب، وادی، چراگاہ، شہر، گاؤں، پڑاؤ، عمارت غرض ملکِ عرب کے ایک ایک ذرے کو گنِ ڈالا اور اس کے حالات جغرافیائی اور توبوغرافی طریقے سے مدون کیے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں۔ ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے۔ دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

۱۔ ابو زیاد کلابی کی تصنیف کتاب النوادر۔ ۲۔ نضر بن شمیل کی کتاب الصفات ۳۔ ہشام بن محمد کلبی کی کتاب البلدان، کتاب الاقالیم ۴۔ ابو سعید الاصمعی کی کتاب جزیرۃ العرب، کتاب میاہ العرب ۵۔ سعدان بن مبارک کی کتاب الارضین والمیاہ والجبال ۶۔ ابو سعید حسن السکری کی کتاب المنازل والقری والابیات ۷۔ عمر بن استہ کی کتاب الاعلاق النفیسہ ۸۔ ابن حائک ہمدانی کی صفتہ جزیرۃ العرب ۹۔ ابو زید لخمی کی کتاب الادویہ والجبال ۱۲۔ محمود بن عمر زمخشری کی کتاب الامکنۃ والمیاہ والجبال ۱۳۔ البکری کی معجم ما استعجم ۱۴۔ سیوطی کی کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء ادر الامکنۃ والبقاع ۱۵۔ ابن خرداذبہ کی کتاب المسالک والممالک ۱۶۔ ابن فقیہ ہمدانی کی کتاب البلدان ۱۷۔ ابن واضح یعقوبی کی کتاب البلدان ۱۸۔ اصطخری کی کتاب

المسالک والممالک ۱۹۔ مسعودی کی کتاب مروج الذہب ۲۰۔ ابن مردویہ کی معجم البلدان ۲۱۔ ابن حوقل کی کتاب المسالک والممالک ۲۲۔ ابوالبناالبشاری کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ۲۳۔ ادریسی کی کتاب نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق ۲۴۔ یاقوت کی معجم البلدان ۲۵۔ زکریا قزوینی کی کتاب آثار البلاد ۲۶۔ شمس الدین دمشقی کی کتاب نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر ۲۷۔ ابوالفداء کی تقویم البلدان۔ ان تمام کتابوں میں ابن فردازبہ کے سوا قرآن پاک کے مقامات کا ذکر جہاں آیا ہے ان کی تفصیل مذکور ہے۔

ہم نے ان کتب اور مصنّفین کے صرف ناموں کا اعادہ کیا ہے۔ اگر تفصیل سے استفادہ مقصود ہوتا تو یہ صفحات اس کے متحمّل نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اصل موضوع پر قائم رہنا پیشِ نظر ہے۔ جس جس حوالے سے پیشِ نظر نفسِ مضمون کی صراحت ہو سکتی ہے اُسی سے یہ مطالعاتی جائزہ گذر رہا ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ مدینہ طیبہ کا نام قبل از ہجرتِ نبوی یثرب رہ چکا ہے۔ مصنف ارض القرآن یہی بات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ہجرت کے بعد اس کا نام بدل کر مدینۃ النبی صلعم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہوا اور کثرتِ استعمال سے "ال" قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ رہ گیا۔ یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند ہے اور طول ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خطِ استوا پر واقع ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجے تک بڑھتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجے اوپر اور رات کو صفر سے پانچ درجے نیچے ہوتا ہے، اس لیے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں یخ ہو جاتا ہے۔ پہلے یہاں عمالیق آباد تھے لیکن عہدِ اسلام میں یہاں یہود اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے۔ محققین حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ

"تھر لیس" کی تعریب ہے۔ ہمارے یہاں کے مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۳۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے اور ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اِس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں۔ یہ اوس و خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا اور جنہوں نے اسلام کی دعوت اولیں قبول کی اور مسافرینِ اسلام کو اپنے گھروں میں اُتارا اور جس کے عوض میں خداوند تعالیٰ نے انصار کے نام سے ان کو زندگی جاوید بخشی اور اُن کے شہر کو کروڑوں نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو طے کی ایک شاخ ہے مدینے کے کوہستانی مقام میں آباد تھی۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد یہ شاخ دیارِ ربیعہ کو منتقل ہو گئی۔ بنو ظفر بھی ہمدانی کے بیان کے مطابق مدینے کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے۔ بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ، فرگ اور عوائی میں آباد تھا جو اسلام کے بعد حسبِ روایاتِ ہمدانی شام کو منتقل ہو گیا اور وہاں اُس نے اپنی ایک ریاست قائم کی۔

مدینے سے کچھ آگے بجانب شمال میدان واقع ہے جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا یہ جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے پایہ تخت کا نام حجر تھا جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالحؑ کے نام سے مدائن صالح کہلاتا ہے۔ ۹ھ میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا۔ اسی سے متصل دوسری آبادی تیماء ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ؒ نے ۱۹۱۵ء میں اپنی مرتب کردہ کتاب میں لکھا:

"حجر اب حجاز ریلوے کا سٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک سٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا سٹیشن تبوک ہے جہاں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رومیوں کی مدافعت کے لیے اقامت فرمائی تھی۔ مدینہ کی مغربی جانب خیبر ہے جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز تھا اور یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے بڑے قلعے تھے۔ ۷ھ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم یہاں تشریف لائے اور اس کی تسخیر فرمائی۔ حجر کے مقابل مغرب کی جانب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دار الہجرۃ اُن کے خسر ثیر دیا جو باب (حضرت شعیبؑ) کا وطن اور مدیانیوں کا پایۂ تخت تھا۔ آغازِ اسلام میں یہ شہر یہودیوں کے قبضے میں تھے اور یہاں ان کے بڑے بڑے قلعے تھے جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔" (ص ۸۲)

مسلمانوں کے لیے اپنی قومی و مذہبی تاریخ سے واقف ہونا جس قدر ضروری پہلے تھا اُس سے کہیں زیادہ ضروری آج ہے کہ دنیا بھر میں تحقیق و تصنیف آثارِ قدیمہ اور طبیعاتی و جغرافیائی مطالعے کے نام پر ایسے ادارے وجود میں آچکے ہیں جو بیشتر یہود و نصاریٰ کے سرمائے اور وسائل سے چل رہے ہیں اور اُن کے کام کا انداز اتنا سائنٹیفک ہے کہ ساری دنیا کے تعلیمی تدریسی اور نشر و اشاعت کے ادارے ان کے اثرات سے مغلوب اور متاثر ہو رہے ہیں۔ بظاہر ان یورپی امریکی، صیہونی اور اشتراکی تحقیقاتی مرکزوں کی غرض و غایت محض فروغ علم و دانش بتائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مغرب سے متاثر خود مسلمان طلباء، اساتذہ اور دانشور سادہ لوحی کی بنا پر ان تحقیقی اداروں کی فراہم کردہ معلومات و نتائج کو علمی کارناموں کے طور پر قبول کر رہے ہیں اور یہ تاریخی تاثر حوالے کے طور پر ان کی تحریروں، کتابوں لیکچرز اور

مقالات میں بے دریغ استعمال ہونے لگے ہیں۔ یہ صورت حال نہایت تشویش ناک ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمان دانش وردں، مفکّروں اور محققوں کی کم ہمتی اور محنت و جستجو کے فقدان نے اس صیہونی اور اشتراکی منصوبہ بندی کے لیے کامیابی کے نئے دروازے کھول دیے ہیں جو اسلام کے دینِ حق ہونے اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم پر قرآنی دستورِ حیات مکمل ہونے سے پختہ ایمان و عقیدے کو شکوک و تذبذب میں ڈال سکتے ہوں۔

ارشاداتِ نبویؐ :-

- سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے۔ تمام ملّتوں میں بہترین ملّت، ملّت حضرت ابراہیمؑ ہے۔
- تمام سُنتوں میں بہترین سنّت، سُنّت محمدؐ ہے۔
- مستحکم اور قابلِ اعتماد چیز کلمہ تقویٰ ہے سب سے زیادہ عظمت کی بات اللہ کی بات ہے۔ سب سے بہتر کام وہ ہے جس میں استقلال ہو سب سے بدتر کام بدعتیں ہیں۔
- سب سے بہتر راہ انبیاء کی راہ ہے۔
- سب سے بہتر موت شہیدوں کی موت ہے اندھا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے۔
- بدترین شرمندگی وہ ہے جو قیامت کے دن ہو۔
- بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔
- اوپر کا ہاتھ (دینے والا) نیچے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔
- بدترین توبہ وہ ہے جو موت کے وقت کی ہو۔

حرمِ نبوی کے شب و روز

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ

خداوندا قبول فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو سب سے بڑی ہے اور بلند فرما دے آپ کے

الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ

اونچے اونچے درجے اور آپ کی مراد پوری فرما دنیا اور آخرت میں جیسا تو نے حضرت ابراہیم

اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى

موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی مرادیں پوری فرمائیں

یوں تو حرمین شریفین میں ہر روز ہر شب ہر ساعت ایک خاص جذبے اور احساسِ لطیف سے گزرتی ہے لیکن ایک ایمان افروز منظر وہ بھی قابلِ دید ہوتا ہے جب مؤذن تہجّد، فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء یا جمعہ کی تکبیر کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور اذان کے مخصوص پُرعظمت اور دل میں اُتر جانے والے الفاظ فضائیں گونجتے ہیں۔ اذان سُنتے ہی ہر مسلمان کو ذوقِ ایمانی مہمیز لگاتا ہے اور سب کام کاج چھوڑ کر وہ جانبِ منزل رواں دواں ہوتے ہیں۔ وضو خانوں پر ہجوم ہو جاتا ہے۔ تاجر، دکاندار دولتِ عقبیٰ کمانے کے لیے دنیاوی نفع و نقصان سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ گویا خالق کی جانب سے مخلوق کا بلاوا اتنا پُراثر ہوتا ہے کہ دوسری تمام مصروفیات حقیر اور بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ آپ نے غور کیا ہو گا کہ اذان کے لیے معیّن الفاظ کتنے مختصر، کتنے جامع اور کتنے واضح ہیں جن کو سن کر اور ادا کر کے بندے کا اپنے رب سے براہِ راست رشتہ جڑتا ہے۔ تعلق باہم میں کوئی ابہام اور توحید و رسالت پر پختہ یقین میں کوئی پیچ و خم باقی نہیں رہتا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے

اشہدُ ان لا الٰہ الا اللّٰہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے

اشہدُ ان لا الٰہ الا اللّٰہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے

اشہدُ انَّ محمدًا رسول اللّٰہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

اشہدُ انَّ محمدًا رسول اللّٰہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

حیَّ علی الصلوٰۃ

آؤ نماز کی طرف

حیَّ علی الصلوٰۃ

آؤ نماز کی طرف

حیَّ علی الفلاح

آؤ فلاح کی طرف

حیَّ علی الفلاح

آؤ فلاح کی طرف

اَللّٰہُ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے

اَللّٰہُ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے

لا الٰہ الا اللّٰہ

نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے

اذان اور نماز کے دوران جو وقفہ ہوتا ہے بعض لوگوں کو ایک زمانے میں اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ دُور سے آنے والے راستے میں ہوتے تھے یا وضو کرتے رہ جاتے تھے۔ اس مشکل کے حل کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نماز کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے اقامت کی ہدایت فرمائی۔ یہ الفاظ بھی اختصار اور جامعیت کا مظہر ہیں یعنی

قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ

(نماز کھڑی ہو گئی) (نماز کھڑی ہو گئی)

اوپر کے بیان سے یہ بات واضح ہوئی کہ اذان ایک طرح کا اعلان ہے لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں جمع کرنے کے لیے، لیکن یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ بھی انسانی اختراع نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو اذان بھی ربّ کائنات ہی کے ایما اور پسند کے مطابق سکھائی گئی ہے۔

السیرۃ النبوۃ۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۵۵ (طبع بیروت) کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے سلسلے میں وحی کی گئی — ابن کثیر' البدایۃ والنہایۃ جلد سوم میں جو کچھ بیان کرتے ہیں اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب میں ابن اسحاق کی جو روایت بیان کی ہے اور جو ابو داؤد' الترمذی' ابن ماجہ اور ابن خزیمہ کے ہاں بھی ملتی ہے وہ اس باب میں قابلِ توجہ اور لائق مطالعہ ہے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں متواتر اضافہ ہو رہا تھا، آبادی میں وسعت ہو رہی تھی اور مسئلہ یہ درپیش تھا کہ نماز کے معیّن وقت کی باقاعدہ اطلاع مسلمانوں تک کس طرح پہنچائی جائے۔ مختلف آراء پیش کی گئیں لیکن بات نہ بن سکی کیونکہ یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں سے گریز بھی

ضروری تھا۔ صحابہ کرامؓ میں اس سوال پر غور و خوض جاری تھا کہ رات زیادہ ہو گئی اور ایک صحابی مسجد میں ہی سو گئے۔

اس اثناء میں حضورؐ کے ان صحابی عبداللہؓ بن زید ثعلبہ بن عبد ربہ نے اذان کے بارے میں ایک خواب دیکھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے آج رات خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو سبز کپڑوں میں ملبوس تھا۔ نماز کے لیے لوگوں کو بلانے کا ذکر ہوا تو وہ شخص بولا میں تم کو اس کا بہتر طریقہ نہ بتا دوں۔ میں نے کہا وہ کیا ہے۔ اُس نے کہا تم کہو اللہ اکبر اللہ اکبر....

اور اس کے بعد پوری اذان اس طرح کہی جیسے حرف بحرف اوپر تحریر کی گئی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا۔ اَرَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا (اللہ نے تم کو اچھا خواب دکھایا ہے) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّھَا لَرُؤْیَا حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰہُ (انشاء اللہ یہ خواب حق ہے)۔ یعنی یہ سچا خواب ہے پھر عبداللہؓ بن زید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ان کو (اذان کے یہ الفاظ) سکھاتے جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ بن رباح کا انتخاب اذان کے لیے اس لیے فرمایا کہ بلالؓ بلند آہنگ تھے اور ان کی آواز دور تک پہنچتی تھی۔ وہی خوش قسمتی سے اُس وقت خدمت نبی پاکؐ میں موجود بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کو انہیں مؤذنِ اسلام کے اعزاز سے نوازنا تھا۔ بہر حال حضرت بلالؓ کی دی ہوئی اذان سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعجلت تمام اپنے گھر سے باہر آئے اور اپنی چادر کھینچتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ والذی بعثک بالحق لقد رأیت مثل ما ادی۔ "اے اللہ کے رسولؐ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پُر مسرت موقع پر ارشاد فرمایا:

فللہِ الحمد فذالکَ اثبت "اِس بات پر اللہ ہی کی حمد ہے (کہ تمہارے خواب سے یہ بات اور پکی ہوگئی کہ عبداللہ کا خواب حق ہے۔

(بحوالہ جمع الفوائد مشکوٰۃ شریف)

ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ کے خواب کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھی آگئی جس کی تصریح متعدد مقامات پر ملتی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کو اپنے محبوب پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا ہمیشہ خاص خیال رہا اور اپنے نبی پاک کی رفعت و شوکت کو دوبالا کرنے کے لیے ہر ساعت کو نوید جاں فزا کا ذریعہ بنا دیا۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔ "اور اے (محمد) اگر آپ کی ذات (مبارک) کو وجود میں لانا مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو کبھی تخلیق نہ کرتا۔"

گویا یہ بھی ایک دلیل ہے اس امر کی کہ ربّ کائنات نے بذریعہ وحی اذان کے صحیح طریقے سے اپنے رسول پاک مخبر صادق کو باخبر کیا۔

حضرت انس بن مالک رضؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

"میں وہ پہلا شخص ہوں جو تمام جی اٹھنے والوں میں زمین سے نکلے گا اور جب وہ جمع کیے جائیں گے تو میں ان کا سردار ہوں گا۔ جب سب پر سکتہ طاری ہوگا تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ اپنی قسمت کے فیصلے کے منتظر ہوں گے تو میں اُن کے لیے شفیع ہوں گا اور اُن کی حسرت و مایوسی میں ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا۔ اُس دن بزرگی میرے لیے ہوگی اور نعمت کے دروازوں کی چابیاں میرے پاس ہوں گی اور علم حمد میرے پاس ہوگا۔ آدمؑ سے پیدا ہونے والے ہر فرد

بشر سے میں اپنے پروردگار کے نزدیک عزیز تر ہوں۔ (ترمذی)

ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالےٰ جب اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت کہاں ہے تو میں کھڑا ہوں گا اور میری اُمت میرے پیچھے اس شان سے ہو گی کہ ان کے اعضائے جسمانی وضو کے اثر سے چمک رہے ہوں گے۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔ "ہم سب کے آخر میں آنے والے (تمام اقوام اور امتوں) کے آگے ہوں گے اور سب سے پہلے میری امت کو حساب اور کتاب میں اوّلیت حاصل ہو گی اور تمام اُمتیں ہمارے لیے راستہ کو کشادہ کر دیں گی (اور حسرت سے کہیں گی) کہ یہ اُمت تو انبیاء کے درجات کے قریب ہو جاتی۔"

مسلم کی روایت میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میں جنت کے دروازے پر آؤں گا تو یہ دروازہ میرے لیے کھولا جائے گا اور جنت کا دربان دریافت کرے گا۔ میں کہوں گا محمدؐ ہوں۔ دربان کہے گا کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے کسی بھی آنے والے کے لیے یہ دروازہ نہ کھولوں۔"

الاستاذ ابو انس احمد دہاج صدیقی التیمی ماشاء اللہ متعدد بلند پایہ کتب کے مصنف ہیں اور کفر و ارتداد کے فتنوں کے رد و ازالہ میں خصوصیت سے کوشاں ہیں۔ انہوں نے 'نبی الانبیاء' کے عنوان پر نہایت مدلل انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اظہار تشکر کیا ہے

"تمام ستائش اُس ذات عالی صفات کے لیے ہے جس نے اپنے بندوں

پر رحمت نازل فرمائی اور اس احسان عظیم کو یوں بیان فرمایا:

وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین (سورۃ الانبیا ۱۰۷)

ابی حاتم کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ "مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں میں سب سے پہلے خلق فرمایا اور سب کے بعد میں مجھے بھیجا"

حضرت ابوہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں جب صحابہؓ نے دریافت کیا کہ آپؐ کو نبوت کب ملی تو فرمایا،

"اس وقت جب کہ آدمؑ ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے"

عبدالرزاق کی روایت، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر ارشادِ نبویؐ:

"اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے بنانے سے قبل اپنے نُور سے اپنے نبیؐ کے نور کو بنایا"

نُور نبیک مِن نورِ۔ اسی کیفیت کی مثال ہے۔

جمع الفوائد سے استفادہ کرتے ہُوئے حضرت مفتی عاشق الٰہی بلند شہری نے سیرت بلال حبشیؓ اور حضرت ابن مکتومؓ میں یہ حوالہ تحریر کیا ہے:

"مدینہ شریف کا نام پہلے یثرب تھا اور اس میں وبا بہت رہتی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال رضؓ کو بخار آگیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپؐ نے اللہ سے دعا کی کہ۔ "اے اللہ جیسے ہم کو مکہ محبوب تھا ایسے ہی ہم کو مدینہ محبوب بنا دے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم کو مدینے کی محبت دے۔ اے اللہ اس کی آب و ہوا صحت و تندرستی والی بنا دے اور اس کے مد اور صاع میں ہمارے لیے برکت دے اور اس جگہ کے بخار کو جحفہ منتقل فرما دے۔

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی

(اقبال)



ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
(اقبال)

مؤذنِ اسلام بلال رضؓ بن رباح

سیّدنا بلال حبشی رضؓ کی ایک وجہ شہرت مؤذن اسلام کی ہے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار عاشقوں اور مخلص رفقا میں ان کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید کے ثابت قدم علمبردار اور داعی اسلام حضور رسالت مآب صلعم کے شیدائی تھے لیکن مسجد نبوی صلعم میں بطور مؤذن دو صحابہ کرام رضؓ کو مقام منزلت حاصل ہے۔ اوّلاً حضرت بلال بن رُباح ثانیاً ابن اُمِ مکتوم۔ اِن دونوں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو نہ صرف مسجد نبوی میں اور مسجد قبا میں اذان دینے کا شرف حاصل رہا بلکہ اُن کی بلند آہنگی اور لحن کی دل نشینی مسلمانوں کے ذوقِ نماز میں ایک ناقابلِ صراحت لطافت اور مضطربانہ کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔ جناب ابن اُمِ مکتوم رضؓ کی سیرت کا اجمالی خاکہ ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔

کتب تاریخ و سوانح میں آیا کہ بلال رضؓ حبشہ کے رہنے والے اور اُمیہ بن خلف کے زرخرید غلام تھے مگر وہ پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام توحید پر ایمان لے آئے۔ پر بلال حبشی رضؓ پر سخت غضب ناک تھا۔ دوپہر کی جسم کو کاٹتی ہوئی شدید دھوپ میں پتھریلی چٹان پر لٹا دیتا۔ پھر ایک بھاری پتھر حضرت بلال رضؓ کے سینے پر رکھ کر مخاطب ہوتا:

> "تو اسی طرح پتھر میں دبا پڑا رہے گا حتّٰی کہ تجھے موت آجائے یا دین اسلام کو چھوڑ کر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے سے انکار کر کے لات و عزیٰ (بتوں) کو پوجنے لگے۔"

حضرت بلال رضؓ کا جواب اس اذیت کی حالت میں بھی صرف ایک ہوتا۔ اَحَدٌ اَحَدٌ (معبودِ حقیقی ایک ہی ہے) یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر

لات و عزیٰ کی ہرگز پرستش نہیں کروں گا۔ الاستیعاب میں صراحت موجود ہے۔
امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سید الکونین حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی شجاعت و استقامت فی الدین کی بے مثال شخصیت اور عظیم المرتبت محبِّ رسولؐ ہیں لیکن انہوں نے آقائے دو جہاںؐ کا جو لطف و کرم بلالؓ بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیکھا وہ کسی تصدیق اور صراحت کا محتاج نہ تھا۔ چنانچہ اُن کا یہ قول آج بھی آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ سیدنا فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے۔

"ابوبکر سیدنا اعتق سیدنا"

(یعنی ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو (خرید کر) آزاد کیا)۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول اول مشرکین مکہ نے ایمان صادق پر قائم ہو جانے والے جن اصحاب گرامی پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے اور طرح طرح کی اذیتیں اور صعوبتیں دے کر انہیں اپنا ہم نوا بنانا چاہا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاص کے علاوہ سیدنا ابوبکرؓ، حضرت عمارؓ اُن کی والدہ سمیہؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلال حبشیؓ اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے لیکن نہ کوئی صحابی جادہ ایمان صادق سے متزلزل ہوئے نہ اللہ تعالےٰ نے اور اللہ کے محبوب پیغمبرؐ نے کسی کی جاں نثاری اور حق پرستی کا صلہ اٹھا رکھا۔ چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کو سید المؤذنین فرمایا کرتے تھے۔

(حلیۃ الاولیاء)

یہ قول اس لیے مزید غور و فکر کا مستحق ہے کہ اُس وقت عرب معاشرے میں

نہ صرف کفر و شرک کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی بلکہ حسب نسب، رنگ و نسل، طبقاتی امتیاز سماجی اونچ نیچ کا سکہ چل رہا تھا۔ جو طور طریقے، القاب و آداب امراء اور سردارانِ قبائل کے لیے مخصوص تھے کسی غلام کی مجال نہ تھی کہ وہ القاب و آداب کو اختیار کر لے۔ غلام محض غلام محکوم بلکہ مقہور رہتے تھے۔ آقا بد اطوار ہو یا مکروہ افعال کا پرستار، اس مخصوص معاشرے میں عزت و تعظیم اُسی کے لیے سزاوار تھی۔ اسلام ایک ایسا دین برحق تھا جس نے اونچ نیچ، جھوٹے وقار اور بُت پرستی کے سارے طلسم انقلابی ضرب لگا کر توڑ پھوڑ دیے، غرور و تمکنت کا سر نگوں کر دیا۔ تقویٰ کو معیارِ بزرگی اور پیمانۂ افضلیت قرار دیا۔ جو ایمان لایا اور جتنے پاکیزہ کردار پر ثابت قدم رہا گرد و پیش کے ماحول نے اُسے وہی عزت و منزلت عطا کی۔ لائق نفرت تو صرف بُرے اعمال اور مکروہ افعال قرار پائے۔

لبنان کے ممتاز ادیب و مفکر اور سوانح نگار استاذ عباس محمود العقاد نے عربی زبان میں ایک تحقیقی کتاب "داعی اسماء بلال بن رباح مؤذن الرسولؐ" کے نام سے لکھی تھی۔ یہ کہنا تو درست نہیں کہ صحابی رسولؐ مؤذن اسلام حضرت بلال حبشی رضؓ پر یہ واحد محققانہ کوشش ہے لیکن اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و شخصیت پر جس قدر تحقیقی اور تصنیفی کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا۔ عام طور پر اس نامور صحابی رسولؐ کے واقعات بکھرے بکھرے اور مختلف مقامات پر ملتے ہیں جہاں قاری انہیں ضمناً پڑھتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ ان واقعات میں بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ عشقِ مصطفویؐ میں ڈوبے ہوئے قلب اور مضطرب ہو جاتے ہیں۔ حواسِ انسانی دم بخود رہ جاتے ہیں اور بے ساختہ ؎ الٰہی یہ تیرے پُراسرار بندے — والا معنی آفریں قولِ اقبالؒ یاد آ جاتا ہے۔ محبتِ رسولؐ کے یہ راز و نیاز، قربتِ نبویؐ کے یہ زریں مواقع، یہ اعتماد

رسالت کے کرشمے اور سید الکونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ ذاتی کا یہ اعزاز کتنے اور افراد کو حاصل ہوا اور آقائے دو جہاں کے حضور ہمہ وقت باریابی کے اعجاز کو کیا نام دیا جائے۔ صرف یہی ایک واقعہ محوِ حیرت کر دینے کے لیے کافی ہے جو سیرت بلال رضؓ میں بخاری و مسلم کے حوالے سے اس طرح مرقوم ہے:

"ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ سے نمازِ فجر کے وقت فرمایا کہ اے بلال رضؓ مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کونسا عمل کیا ہے جس کی (قبولیت) کے متعلق دوسرے اعمال سے زیادہ امید رکھتے ہو کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی آہٹ سُنی"

حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا میں نے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا جو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ امید دلانے والا ہو (البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ) کہ بے شک رات میں یا دن میں جب کبھی بھی میں نے وضو کیا تو اس سے اپنے مقدور کے (کچھ نہ کچھ نفل) نماز (تحیۃ الوضو) ضرور پڑھی"

صفوۃ الصفوہ میں وضاحت اس کی یوں بیان کی گئی ہے کہ بھـــذا (اسی عمل کی وجہ سے تم کو یہ رتبہ ملا)۔

استیعاب میں اس روایت کو حضرت جابر رضؓ کے حوالے سے یوں بیان کیا گیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے ایک آہٹ سُنی۔ میں نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلال رضؓ ہیں"

حضرت بلال رضؓ جب اس واقعے کو یاد کیا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اُن کی آہٹ سُنی تو (خوشی کی وجہ سے) رو دیا کرتے تھے"

واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو اوّل تا آخر انسان کی محدود

فکروفہم کو دُرطۂ حیرت میں گم کر دینے والا ہے۔ اس سے نہ صرف جُملہ انبیاء کرامؑ میں حضور ختم المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رفیع الشان کا پتہ چلتا ہے بلکہ افضل البشر ہونے کی ایک خاص انداز سے تصدیق ہوتی ہے لیکن راقم السطور کے مطالعہ سے جب عرش معلّی پر عاشق رسول جاں نثار نبی اکرمؐ صحابی حضرت بلالؓ بن رباح کے قدموں کی آہٹ والا واقعہ گزرتا ہے تو پورے جسم میں ایک ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تنفّس کی لہر جہاں ہے وہیں رُک جائے اور آنکھیں اس لطیف نازک اور حیرت انگیز تصوّر میں گم رہنے کے لیے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں کیونکہ اپنے رفیع الشان آقا کی جاں نثاری میں سراپا عشق مجسّم اطاعت اور فنا فی الرسولؐ ہو جانے والوں کی یہ شان ایسی شان ہے کہ عقل و دانش، علم ظاہر، منطق، فلسفہ یا کسی اور پیمانۂ دانش پر سمجھنا، پرکھنا اور الفاظ کی صورت میں واضح کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح یہ بھی امر محال ہے کہ ہم اپنی عقل ناقص اور محدود علم کے ذریعے سیّدنا بلالؓ بن رباح کا مقام جاں نثاری، درجہ رفاقت و خدمت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں اُن کا مرتبہ اور منزلت مقرر کریں۔ بلالؓ ہمیں بتا گئے ہیں کہ اپنے آقا سے محبت کا شوق ہے تو یہ ذوق آگہی اور دردِ الفت مجھ سے سیکھو۔ مُحبّ اور ممدوح کے یہ راز و نیاز انسانی خرد کے لیے ایسی گتھیاں ہیں کہ انہیں سُلجھانا ہم ظاہری عواملِ دنیا میں اُلجھے ہوئے قاصر اور عاجز بندوں کے لیے محال بلکہ ناممکن ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مسجد نبویؐ کے مؤذن کے فرائض انجام دینے کے علاوہ سیّدنا بلال رضؓ کو ہمہ وقت بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہنے اور اُن کی خدمت کرنے کا موقع حاصل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی گھریلو ضرورت ہو یا سائلوں کی مدد کرنا، روپے پیسے کا انتظام کرنا، اس کا حساب رکھنا اور حسب

ضرورت کسی حاجت مند کی اعانت کے لیے قرض کا حاصل کرنا اور اسے ادا کرنا یہ سب کچھ حضرت بلال رضؓ بن رباح کے ذمّہ تھا اور نبی پاکؐ کی وفات کے آخری لمحے تک وہی ان ذمّہ داریوں کو پورا کرتے رہے۔ کتنی ہی مرتبہ حضور پاکؐ نے ہدیہ اور صدقے کے طور پر آئی ہوئی رقوم اور ساز و سامان کو مستحقین میں حضرت بلال کے ہاتھوں تقسیم کرایا۔ اگر کچھ اثاثہ تقسیم ہونے سے بچ رہتا تو پورے مدینے میں منادی کرائی جاتی اور اللہ کے رسولؐ اُس وقت تک کبیدہ خاطر اور فکر مند رہتے جب تک وہ سب کا سب غریبوں، ناداروں، معذوروں، بیماروں اور یتامیٰ یا مساکین میں تقسیم نہ کر دیا جاتا اور حضرت بلال رضؓ یہ اطلاع بارگاہِ نبوّتؐ میں نہ پہنچا دیتے۔

محدث حاکمؒ اور حافظ ابو نعیمؒ نے اُن کو اصحابِ صفّہ میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اپنے روزمرّہ مشاغل اور معمولات کی روشنی میں وہ خازن رسولؐ اور اسلامی تاریخ کے پہلے بینکار بھی نظر آتے ہیں۔ آج بھی جب ہم مدینے کے بازاروں اور گلی کوچوں سے نمایاں تبدیلیوں کے باوجود گزرتے ہیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون کون سے وہ راستے ہیں جہاں سے رسول اللہؐ کا یہ محب صادق پُر اعتماد خادمِ خاص خانوادہ رسالت پناہؐ کی ضرورت کا سامان، اُمّہات المؤمنین رضؓ کے لیے سودا سلف لے کر اور خود حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کسی ارشاد کی تعمیل میں گذرا ہو۔ بہر حال روضۂ اطہر اور مسجد نبویؐ کی جانب جانے والی ہر نئی پرانی راہگذر ایمان افروز یادوں کی کہکشاں ہے۔

خادمِ خاص نبی مکرّم مؤذن الرسولؐ حضرت بلال رضؓ بن رباح کو سیّد المؤمنین خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مصاحبت کی بدولت جو راحتِ قلب حاصل رہی اس کا موازنہ ظلم و ستم سہنے کے اُس دورِ مکّی سے کیا جانے جب وہ

ایک غلام کی حیثیت سے اپنے غضب ناک آقا کے غم و غصّے کی زد میں رہے تو صعوبت کے بعد راحت و طمانیت کا عجب پُر کیف تصوّر سامنے آتا ہے۔

اُستاذ عباس محمود العقاد اس عبرت ناک صورتِ حال پر لکھتے ہیں:

"یہ عین ممکن تھا کہ یہ ظالم لوگ حضرت بلال رضؓ کو قتل ہی کر ڈالتے کیوں کہ نہ وہ اُن کے بتوں کی تعظیم کے لیے تیار تھے اور نہ ہی سکوت اختیار کرتے تھے اور غالباً وہ اب تک ان کو قتل بھی کر چکے ہوتے مگر (مشیّت الٰہی کی مصلحت یہ تھی کہ ظالموں کو) بار بار یہ خیال آتا کہ اُن کے قتل سے ان کی اچھی قیمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے جبکہ ابوجہل نے تو اپنی کنیز حضرت سمیہؓ کو (جو دینِ حق اسلام قبول کر چکی تھیں) شاید اسی لیے قتل کر دیا تھا کہ وہ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں اور نہ ہی اُن کو کسی دوسری باندی کے عوض بدلا جا سکتا تھا لیکن انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اس مصلحت سے قتل نہیں کیا تھا کہ یہ لوگ بڑے کارآمد تھے اور اُن کو بآسانی فروخت بھی کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال حضرت بلال رضؓ (جنہیں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے معاوضہ دے کر آزاد کرا لیا) اگر بدستور محکوم رہتے تو بالآخر اُس وقت ضرور اُن ظالموں کے ہاتھوں قتل کر دیے جاتے جب وہ اُن سے بالکل مایوس ہو جاتے اور کوئی مشرک اُن کو خریدنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا۔ غرضیکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام نہ سکون و راحت کی تلاش کی خاطر تھا اور نہ ہی تخفیفِ عذاب کے لیے تھا بلکہ ان کا اسلام تو دردناک مظالم اور عذاب کا پیش خیمہ

اور ان کی جان کے لیے زبردست خطرہ تھا.....

ایک اور مقام پر صراحت کے ساتھ لکھا..... حاشا وکلا عرب کے تپتے ہوئے ریگزار اور گرمیوں کی تیز اور چلچلاتی دھوپ میں بہ جبر لٹائے ہوئے حضرت بلال رض کا معاملہ اُس شخص کا سا قطعاً نہ تھا جس کا مقصد وحید ظالم آقاؤں کے ظلم وستم سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کیفیت میں وہ صرف اَحَدٌ اَحَدٌ کی تکرار کرتے رہتے تھے ؛"

حضرت بلال رض کو جو اذیتیں کفار اور مشرکین کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑیں، کون تصور کر سکتا تھا کہ امام الانبیاء بنائے تخلیق کائنات افضل البشر محسن انسانیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت ومصاحبت کی سعادت خاص اسی جاں نثار توحید و رسالت کو حاصل ہونے والی ہے۔ پھر یہ کہ قربت رسالت کی اس مہکتی فضا میں اگر کوئی تکلیف یا مشکل کا وقت آتا ہے تو وہ بھی صبر واستقامت کی خوشگوار کیفیت میں گذر جاتا ہے۔ نہ سید الکونین رحمۃ للعالمین کو اپنے رب سے کوئی شکوہ ہے نہ ان کے جلیل القدر صابر وشاکر صحابہ کرام رض کو آزمائش کے دشوار وقت سے کوئی شکایت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :۔

"بلا شبہ میں اللہ کے بارے میں اتنا ڈرایا گیا ہوں کہ کسی کو ایسا نہ ڈرایا جائے گا اور حقیقتاً مجھے اللہ کے بارے میں اس قدر ایذا دی گئی ہے کہ کسی کو اس قدر ایذا نہ دی جائے گی اور یہ واقعہ ہے کہ مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گذری ہیں کہ میرے اور بلال رض کے کھانے کے لیے جاندار کی خوراک میں صرف اتنی چیز تھی جو بلال رض کی بغل میں چھپی ہوئی تھی (ترمذی شریف) گویا ارشاد رسول ص یہ ہے کہ پورا ایک ماہ میں

آپؐ نے اور بلالؓ نے اتنی سی چیز کھا کر گزارہ کیا جو بلالؓ کی بغل میں آسکتی تھی۔

حلیۃ الاولیاء کے مصنف نے جناب عبداللہ الہوزنی کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصارف کیسے پورے ہوتے تھے۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے نبوت دی اُس وقت سے لے کر آپ کی وفات تک خرچہ کرنے کی ذمہ داری میرے ہی سپرد تھی (یہ خرچہ ضرورت مندوں سے متعلق تھا۔ جو لوگ باہر سے آتے یا اور کوئی سائل آپہنچتا تو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مجھے حکم ہوتا تھا)۔ جب کوئی مسلمان آپؐ کے پاس آتا جس کے پاس کپڑا نہ ہوتا تھا تو آپ مجھے حکم فرماتے تھے۔ میں قرض لے کر چادر خرید کر اُس کو پہنا دیتا تھا۔

سبحان اللہ ایسے درد مند رفیق کار، پیکرِ خلوص صحابی اور خادمِ خاص کو کیا نام دیا جائے جو جسمانی اور روحانی دونوں درجوں پر پورا اُترتا ہو کہ خازن بھی ہو مگر دنیاوی خزانہ بھی پاس نہیں۔ بس اللہ کی رضا اور اپنے آقا ختم المرسلین کی تعمیلِ ارشاد پیشِ نظر ہے۔ اِدھر کوئی حاجت مند بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنی حاجت بیان کرتا ہے اُدھر بلالؓ طلب کیے جاتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ اس ضرورت مند کی سد کی جائے۔ بلالؓ اپنا دامن تہی دیکھتے ہیں تو نکل پڑتے ہیں اور کہیں سے ستعارلے کر ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں۔ اُن کے قول کی سچائی کے سب قائل تھے حتیٰ کہ وہ اقوال اور ارشاداتِ نبویؐ جو اپنی حاضری کے دوران وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُن کر اپنے سینے میں محفوظ کرتے تھے اُن کو جب دُہراتے تو سننے والے صدقِ دل

سے اُن کی صحت تسلیم کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت بلال رضؓ کو قرض دینے میں کسی کو تأمل نہ ہوتا مگر کبھی کبھی تنگ دستی اُن کا سخت امتحان بھی لیتی۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ (مدینے میں) ایک مشرک سے (جو ابھی ایمان نہ لایا تھا) ملاقات ہوئی۔ صاحبِ مال و متاع تھا از خود کہنے لگا اِدھر اُدھر سے قرض لینے کی بجائے مجھ سے قرض لے لیا کرو۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تو میں اس شخص سے قرض لے کر ضرورت پوری کر دیتا۔ ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کے لیے میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک چند افراد کے ہمراہ آیا اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مہینہ ختم ہونے میں کتنے روز باقی ہیں۔ میں نے کہا ختم ہونے کو ہے۔ کہنے لگا چار روز باقی ہیں اگر مہینہ کے ختم ہونے تک میرا قرض ادا نہ کیا تو تجھے قرضے کے عوض غلام بنا لوں گا اور تو اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ کہہ کر وہ شخص تو چلا گیا لیکن حضرت بلال رضؓ سخت مغموم اور فکر مند ہوئے۔ ارتکازِ دولت کی نہ سیّد المرسلینؐ کی جانب سے اجازت تھی نہ ذاتی افتادِ طبع ایسی پائی تھی۔ جود و سخا والے آقا کا فیضانِ تربیت رگ و پے میں رچا بسا ہوا تھا۔ دن بھر کبیدہ خاطر رہ کر گذارا۔ حتیٰ کہ نمازِ عشاء کے بعد (رات کی تنہائی میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کر کے عرض کیا نہ آپؐ کے پاس اس وقت (اس قرض کی ادائیگی کا) فوری انتظام ہے نہ میں کھڑے کھڑے کوئی بند و بست کر سکتا ہوں۔ (وہ مشرک رُسوا کرے گا اور اُس کی باتیں سُننا ہونگی) اس لیے گذارش ہے کہ اگر اجازت دیں تو میں (فی الوقت) روپوش ہو جاوٴں۔ جب آپؐ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا (اور اس کے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہو جائے گا تو میں حاضر ہو جاوٴں گا۔ جی کڑا کر کے بارگاہِ نبوی میں

یہ گذارش کی اور حضرت بلالؓ اپنے گھر جو مسجد نبویؐ کے قریب ہی تھا واپس آ گئے۔ رختِ سفر کیا تھا جو ساتھ لیتے۔ بس تلوار لی، ڈھال اٹھائی، جوتے پہن لیے اور صبح کا انتظار شروع کر دیا کہ علی الصبح کہیں چلا جاؤں گا۔ یہ پُر راز صعوبت گھڑیاں اللہ کے اُن نیک اور مخلص بندوں کے لیے تھیں جو اگر بارگاہِ الٰہی میں دولت دنیا کے طلب گار ہوتے تو پورے کرۂ ارض اور فلک بوس پہاڑوں میں پوشیدہ خزانوں کے منہ اُن کے لیے کھول دیئے جاتے۔ اِدھر ہم میں سے کتنے کوتاہ نظر ایسے ہیں جو اپنی بدنصیبی سے دیارِ حرم اور دیارِ نبویؐ میں حاضری کے موقع پر بھی دنیاوی راحتوں اور آسائشوں کی جستجو کرنے لگتے ہیں۔ ان کا تول باعث تمرد و نخوت بن جاتا ہے۔ دراصل محبت اور حاضری کا صحیح لطف ان کا نوشتہ تقدیر ہوتا ہے جو ہر اُس چیز اور ہر اُس طریقے کو اپناتے ہیں جسے دونوں جہانوں کے محترم و مکرم آقاؐ نے پسند کیا اور ہر اس عمل سے باز رہتے ہیں جسے افضل الانبیاء، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔

جو واقعہ ہم نے اوپر بیان کیا اب اس کے دوسرے رُخ کا مطالعہ کیجیے۔

قریب تھا کہ بس صبح طلوع ہو، ایک شخص دوڑے دوڑے حضرت بلالؓ کے گھر پہنچے اور پیغام دیا کہ حضور اکرمؐ نے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ساری تیاری سے قطع نظر بلالؓ خدمتِ رسول اللہؐ میں حاضر ہوئے۔ وہاں قریب ہی بیٹھی ہوئی چار اونٹنیاں نظر آئیں جن پر بہت سا سامان لدا ہوا تھا۔ نبی مکرمؐ نے حضرت بلالؓ کو مخاطب کیا، تم کو خوشی کی بات سناؤں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے تمہارے قرضے کی بے باقی کا انتظام فرما دیا۔ فدک کے رئیس نے یہ ہدیہ مجھ کو بھیجا ہے۔ یہ اونٹنیاں اور سارا سامان جو اِن پر موجود ہے لے جاؤ اور قرض ادا کرو۔

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ادا کر کے میں خوشی خوشی ان اونٹنیوں

کو دے گیا اور جب سارا قرض ادا ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما میرا انتظار کر رہے تھے یہ اطلاع دی کہ اب ذرا سا بھی قرض باقی نہیں رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا اس سامان میں سے ابھی کچھ باقی ہے؟

پھر آنحضرتؐ نے ارشاد کیا۔ اس کو بھی تقسیم کر دو تا کہ مجھے راحت ہو۔ میں اس وقت تک گھر میں نہیں جاؤں گا جب تک یہ سب تقسیم نہ ہو جائے۔

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں، تمام دن گذر گیا۔ میں منتظر رہا۔ مدینے کی بستی یا نواح سے کوئی ضرورت مند کوئی مستحق آئے تو یہ مال اس کو دوں۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا ابھی کچھ موجود ہے۔ ضرورت مند نہ آئے، اس لیے ختم نہ ہو سکا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات مسجد ہی میں آرام فرمایا گھر میں تشریف نہ لے گئے۔

دوسرے روز بعد نماز عشاء جب حضور اکرمؐ کو یہ اطلاع دی گئی کہ بقیہ سامان بھی ضرورت مندوں میں تقسیم ہو گیا۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو راحت عنایت فرمائی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حکایاتِ صحابہؓ میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اندیشے کے باعث گھر تشریف نہ لے گئے کہ کہیں ایسے حال میں دنیا سے روانگی کا وقت نہ آجائے کہ تھوڑا بہت مال اپنی ملکیت میں ہو۔ اسی لیے جب حضرت بلالؓ نے یہ اطمینان بخش اطلاع دی کہ پورا مال و متاع ضرورتمندوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو گیا ہے تب آپ گھروں میں تشریف لے گئے اور ازواج مطہراتؓ سے ملاقات فرمائی۔

حضرت بلال رضؓ کو ایسے واقعات اکثر پیش آتے تھے کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا مسافروں کی خبر گیری کرنا، برہنہ جسم ضرورت مندوں کا تن ڈھانپنا، کسی مقروض کو قرض خواہ سے نجات دلانا، بارگاہِ رسالتؐ کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرؐ کو خلق عظیم کی ایسی مثال بنایا ہے جو قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔

اس احتیاط کے باعث سیدنا بلال رضؓ بن رباح کے پاس ایک مرتبہ کھجوروں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا۔ حضور اکرمؐ کو علم ہوا تو طلب فرمایا۔ بلالؓ یہ کیا ہے!

عرض کیا۔ میں نے آپ کے لیے اور آپ کے مہمانوں کے لیے جمع کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم اس سے نہیں ڈرتے کہ (اس کے جمع کرنے کی وجہ سے) تمہیں دوزخ کا دھواں پہنچے۔ پھر فرمایا۔ **انفق بلالا ولا تخش من ذی العرش اقلالا** یعنی اے بلال خرچ کیے جاؤ اور عرش والے کی طرف سے کم ہو جانے کا خوف مت کرو۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ یہاں تک فرمایا **یا بلال مت فقیراً ولا تمت غنیاً**۔ یعنی اے بلالؓ! تنگ دست ہو کر مرنا اور غنی ہو کر مت مرنا۔ (حلیۃ الاولیاء)

مشکوٰۃ عن النسائی سے یہ روایت ماخوذ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے کہ میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عید کے موقع پر حاضر ہوا۔ آپؐ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز شروع فرما دی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے تو (خطبہ دینے کے لیے) سبحان اللہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنے برابر کھڑا کر کے اور ان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد وعظ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر اُبھارا (اور) اس کے بعد بلال رضؓ کو ساتھ لیے ہوئے عورتوں کے قریب تشریف لے گئے اور عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام یاد دلائے، ان کو نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کیا آپ کبھی عید کے موقع پر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے ہیں؟ انہوں نے اپنی حاضری کا احوال یوں سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نماز) عید کے لیے (مدینہ منورہ سے) باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد (لوگوں کے ساتھ) نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا پھر خواتین کی جانب تشریف لے گئے اور ان کو نصیحتیں فرمائیں (اللہ تعالےٰ کے احکام) یاد دلائے اور اُن کو صدقہ کا حکم دیا۔ (گویا صدقہ کی اہمیت واضح کی)۔

اس کا خواتین پر یہ اثر ہوا کہ میں (یعنی حضرت عبداللہ بن عباس) نے دیکھا اپنے ہاتھوں سے کانوں اور گلوں کے زیور اُتار اُتار کر حضرت بلال رضؓ کو دیتی جا رہی ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضؓ (جو اُن کے ہمراہ آئے تھے) کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

(مشکوٰۃ عن البخاری ومسلم ۱۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضؓ اذان دے کر صرف نماز کی دعوت دینے پر ہی مامور نہ تھے بلکہ دوسرے مواقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات عوام الناس تک پہنچاتے۔ جہاد کے موقع پر جب دشمن ہار جاتے اور ان کا اثاثہ مال غنیمت بن جاتا تو حضرت بلال رضؓ کے فرائض میں تھا کہ لشکر میں زور سے پکار کر آواز دیتے کہ جو مال (دشمن کا) جس کو ملا ہو لے آئے۔ چنانچہ صحابہ رضؓ سارا مال حاضر کر دیتے تھے جس میں سے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پانچواں حصہ نکال لیتے تھے اور باقی مال کو تقسیم فرما دیتے تھے۔ ایک روز (ایسے ہی موقع پر) ایک صاحب منادی ہو جانے کے بعد (کافی دیر میں) بالوں سے بنی ہوئی ایک لگام لے کر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ! یہ غنیمت کے مال

کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کیا تم نے بلال رضؓ کی منادی تین مرتبہ سُنی تھی؟

انہوں نے عرض کیا جی ہاں سُنی تھی۔

فرمایا۔ "تم اُس وقت لے کر کیوں نہ آئے! (اب سب مال تقسیم ہو چکا۔ پانچواں حصّہ سارے مال سے نکال لیا گیا۔ مجاہدین ادھر اُدھر چلے گئے اس کی تقسیم کیونکر ہو)۔ یہ سُن کر اُس شخص نے کچھ معذرت ظاہر کی (مثلاً کوئی مجبوری وغیرہ بتائی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ہرگز نہیں لوں گا۔ قیامت کے روز اسے خود ہی لے کر آنا۔"

یہ امر واضح کرتا ہے کہ امانت اور وقف کے مال میں کتنا محتاط رہنا ضروری ہے اور تقسیم میں غیر جانبداری کا برقرار رکھنا کس قدر مقدم ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ مثال اپنے اسوۂ حسنہ سے قائم فرمائی۔ جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

حضرت بلال رضؓ مقرب صحابی رسولؐ ہونے کے علاوہ مؤذن الرسولؐ کی حیثیت سے دُور و نزدیک پہچانے جاتے تھے۔ حضورؐ مسجد قبا تشریف لے جاتے تو بھی حضرت بلال رضؓ ہمراہ ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ مسجدِ قبا تشریف لے گئے تو حضرت بلال ساتھ نہ تھے لہذا حضرت سعد القرظ نے اذان دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ بلال رضؓ کو نہ دیکھو تو اذان دے دیا کرو۔ چنانچہ آقائے دوجہاں کے وقتِ وصال تک انہوں نے تین بار اذان دی۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت زیاد بن الحارث الصدائی رضؓ نے (حضرت بلال رضؓ کی عدم موجودگی کے باعث) اذان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اقامت کہی۔ اس روایت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اقامت کے

وقت حضرت بلال رضؓ مسجد میں پہنچ چکے تھے لیکن حضورؐ کے اس ارشاد پر زیاد بن الحارث الصدائی رضؓ کو اقامت کا موقع دیا گیا:

ان اخا صداء قد اذن ومن اذن فھو یقیم

(بلاشبہ صداء کے قبیلے والے (حارث) نے اذان پڑھی ہے اور جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے (ابوداؤد و ترمذی)

یہ ہم پہلے ایک مقام پر بتا چکے ہیں کہ سیدنا بلال بن رباح رضؓ اذان و اقامت اور نماز کی پابندی اوقات میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک نماز ادا ہو جاتی تو دوسری کے لیے مستعد رہتے۔ ظاہر ہے عہدِ رسالت کی مسجد نبویؐ آج کی طرح فلک بوس میناروں بلند فصیلوں والی اور اتنی وسیع و عریض نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ جملہ مسلمانوں کی عبادت گاہ اور علم و دانش کے حصول کا گہوارہ تھی۔ اس کی کچی اینٹوں والی دیواروں میں دین سے بے پناہ اخلاص و محبت کی خوشبو رچی بسی تھی۔ اہلِ دانش اور صاحبِ نظر آج بھی والہانہ محبت اور عقیدت و احترام کا نذرانہ لیے یہاں آتے ہیں تو مدینہ طیبہ میں موجودگی اور حرم نبویؐ میں حاضری کا احساس اُن کے جذبات کو مضطرب کر دیتا ہے کہ ایک جان تو کیا ہزار جانیں بھی ہوں تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ایثار پیشہ صحابہ کرام رضؓ کی گذری ہوئی یا دوں کی مہک پر قربان کر دی جائیں۔

ہجرت نبویؐ کے عظیم تاریخی واقعہ میں بنی نجار کے محلہ کی یہ اہمیت سب پر واضح ہے کہ سید الکونین ختم المرسلین نے حضرت ایوب انصاری رضؓ کے مکان میں قیام فرمایا تھا۔ بنی نجار قبیلہ کی ایک عورت کے گھر کی چھت مسجد نبویؐ سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایات میں موجود ہے کہ حضرت بلال رضؓ سحری کے وقت سے ہی اس گھر کی چھت پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب وقت ہوتا

تو بدن میں چستی لانے کے لیے انگڑائی لیتے اور اذان دیتے تھے۔

اُن کی اذان کا انداز بلند آہنگ اور دل نشین تھا جسے مدینہ منورہ میں رہنے والے یا وہاں آکر قیام کرنے والے مدت مدید تک فراموش نہ کرسکے۔ بلکہ اذان بلال رضؓ سننے والے کان مٹھاس بھری اس آواز کو ترس گئے۔ حضرت بلال رضؓ کی اس شخصیت سازی میں نہ بلاشبہ اُن کی اس ایمانی استقامت، توحید پر ثابت قدمی کو دخل تھا جب وہ مشرکین کا ہر ظلم و تشدّد سہہ گئے لیکن معبودِ حقیقی کی وحدانیت میں کسی کی شرکت گوارا نہ کی۔ سیّد الکونین محمّد ابن عبداللہ رسولؐ برحق پر ایمان لانے کے بعد کسی طور منحرف نہ کیے جاسکے اور دوسرا سبب وہ رفاقتِ نبویؐ کا فیض تربیت تھا جو زندگی کے ہر قیمتی لمحہ میں انہیں حاصل تھا۔ اس ضمن میں ترمذی شریف اور ابن ماجہ کے بعض حوالے خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ امام الانبیاء صاحب قاب قوسین نے حضرت بلال رضؓ کو مخاطب کرکے فرمایا جب تم اذان پڑھو تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا کھانے سے، پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت والا اس ضرورت سے فارغ ہوجائے۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک مجھے (حجرہ سے آتا ہوا) نہ دیکھ لو کھڑے مت ہوا کرو (ترمذی) حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال رضؓ کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اذان پڑھتے وقت اپنی (شہادت کی) انگلیاں کانوں میں دے لیا کرو، اس سے آواز بلند تر ہوگی۔ (ابن ماجہ)

موضوعات کبیر میں ملا علی قاریؒ نے اس غلط فہمی کے مشہور ہوجانے کی تردید کی ہے کہ حضرت بلال رضؓ (اپنے خاص لب و لہجہ کی بنا پر) اذان میں اَشْهَدُ کو اَسْهَدُ (چھوٹے سین) سے کہتے تھے جبکہ یہ بات غلط ہے۔

استاد عقاد مرحوم کے درجات اللہ جلّ شانہٗ بلند فرمائے، اکابر اسلام کے خلاف گمراہ کن قیاس آرائیوں کا اپنی تصانیف و تالیفات کے ذریعہ مؤثر دفاع کرتے رہے۔ اب ان کی قلمی کاوشیں زبان عرب سے اُردو میں بھی منتقل ہونے لگی ہیں۔ جدید و قدیم معلومات اور آراء کا تجزیہ کرنے کا موقع انہیں اپنے عمیق مطالعے کی بنا پر حاصل رہا۔ واقعاتی صحت و صراحت کے لیے ان کے ہاں اسی اعتماد سے نظر ڈالی اور دوسری دستیاب یا کم یاب کتب سے بھی استفادہ کیا۔

بہرحال اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ حضرت بلال رضؓ حبشی مولدین میں سے تھے۔ (باپ کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب)۔ آپ کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ خیال غالب یہ ہے کہ آپ رضؓ ہجرت مدینہ سے ۴۳ سال قبل سراۃ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں ہے بلال رضؓ مکہ میں پیدا ہوئے لیکن سراۃ یمن اور حبشہ دونوں کے قریب ہے۔ پھر شادی کے لیے حضرت بلال رضؓ نے مقام سراۃ ہی کو ترجیح دی۔ اس لیے سراۃ کو اکثر راویوں نے حضرت بلال رضؓ کا مولد قرار دیا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ حضرت بلال رضؓ کے والدین اپنے قبیلے کے معروف افراد تھے۔ حضرت بلال رضؓ کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام غفرہ تھا۔ حضرت بلال رضؓ کی پرورش مکہ میں قبیلہ قریش کی مشہور و معروف شاخ بنی جمح میں ہوئی۔ اسی قبیلہ کی کسی محترم خاتون کی سرپرستی میں رہے اور دوسری روایت کے مطابق وہ یا تو ابوجہل کے بیٹوں کے پاس رہے یا پھر اُمیّہ بن خلف کے خاندان کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ جب اللہ وحدہٗ لاشریک اور اس کے رسول آخرﷺ پر ایمان لانے کی پاداش میں اُن کو شدید دھوپ سے تپتی ہوئی چٹانوں پر رسیوں اور زنجیروں سے باندھ کر گھسیٹا گیا اور ظلم و ستم کی انتہا ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پاکر

سیدنا صدیق اکبرؓ حضرت بلالؓ کے آقا کے پاس پہنچے اور مختلف روایات کے مطابق پانچ اوقیہ (اونس) سونے یا سات اوقیہ سونے میں خرید کر آزاد کیا تو حضرت بلالؓ کے آقا نے (طنز یہ طور پر) کہا۔ "اگر تم اس کو (بلالؓ) ایک اوقیہ سونے میں بھی خریدتے تو میں تمہارے ہاتھ فروخت کر دیتا۔"

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا۔ "اگر تم بلالؓ کے لیے سو اوقیہ بھی طلب کرتے تو میں ادا کرتا۔" سبحان اللہ یہ تھی صدیق اکبرؓ کی ایمانی عزیمت و استقامت۔

ثقہ حضرات نے اس خیال کی سختی سے صراحت کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے جن میں شین اور صاد دونوں استعمال ہوتے ہیں اور وہ دونوں حروف کو صحیح طرح سے ادا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے اس بات کو قریب الفہم بتایا ہے کہ سید الکونین سرور الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُن کو ہمیشہ اپنا معتمد اور مقرب بنائے رکھا بلکہ حضرت بلالؓ کو ان کی ترتیل اور لب و لہجہ کے اسلوب پر بھی قائم رکھا۔ مسلمانوں کی جو اگلی نسلیں اذانِ بلالی کے لحن کی سماعت سے محروم رہیں وہ یقیناً سیدنا بلالؓ بن رباح کی اذان کے مؤثر طریقے اور معروف طرز ادائیگی کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتیں چونکہ اذان کے یہ مخصوص الفاظ فضا میں تاثیر و تاکید کا خوبصورت امتزاج بن کر بکھرتے تھے۔ اس کے بعد ان الفاظ کے سوز و گداز کو دوبارہ الفاظ میں مقید کرنا کسی سوانح نگار کے لیے نہ کل ممکن تھا نہ کسی تذکرہ نویس کے لیے آج یہ آسان ہے لہٰذا اپنے قلم کو آبِ زر میں ڈبوئیے اور اس کیفیت اور سحر خیز نغمگی کو دلوں کو مضطرب کر دینے والے آہنگ کو رنگا رنگ الفاظ کے حصار میں محیط کر لے۔

مشہور انگریز انشا پرداز اور مصنف 'لافکاڈیو ہیرن' نے جب حضرت

بلال رض کے نسبی اور نسلی حوالے سے مقالہ مکمل کیا تو یہ بات از خود نوکِ قلم پر آہی گئی:

"اس میں شک نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دینِ جدید (دینِ حق اسلام) کے متوالے نوجوانوں میں جو دینی شغف حمیت و غیرتِ ملی پائی جاتی تھی اس میں حضرت بلال رض کے دینی جذبے اور کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ اُن کی رُوح پرور اذان کے نغموں کے بول اہلِ مدینہ کے قلب و رُوح میں جو آتشِ شوق بھڑکائے رکھتے تھے اس کی مثال کم از کم ہمیں دینِ مسیح کے کسی درویش عالم اور دینِ موسوی کے کسی راہب کے ہاں نہیں ملتی۔"

آگے چل کر یہ انگریز مقالہ نگار لکھتا ہے:

"اس اذان کی آواز میں ان کو اپنے پیارے نبی مرسل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقدس و متبرک پیغام و آواز کا پرتو محسوس ہوتا تھا۔ کاش! حضرت بلال رض کی یہ اذان و آواز کسی صورت سے محفوظ ہو سکتی تو لوگ مؤذنِ اوّل کی رُوح پرور اذان سے آج بھی اسی طرح محظوظ ہوتے جس طرح قرنِ اوّل میں مدینہ کے خوش نصیب مسلمان اس سے محظوظ ہوتے تھے۔"

پرہیزگاری اور تقویٰ، عبادت میں مستعدی اور حقوق العباد کی ادائیگی میں نہایت درجہ محتاط روی حضرت بلال رض کی ذاتی خصوصیات تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت بلال رض بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت بلال رض سے فرمایا بلال کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (آج) میں روزہ دار ہوں۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال رضؓ کا رزق جنت میں محفوظ ہے پھر حضرت بلال رضؓ سے فرمایا کہ بلال کیا تم کو معلوم ہے کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح میں مشغول رہتی ہیں اور اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں جب تک اس کے پاس (کچھ) کھایا جاتا رہے"۔

(مشکوٰۃ عن شعب الایمان ص ۱۲)

حضرت بلال رضؓ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کے جو مواقع حاصل تھے اور جو لطف و کرم ان پر (ایک حبشی غلام رہنے کے علی الرغم) فرمایا جاتا تھا، ثانی اثنین سیدنا صدیق اکبر رضؓ، امیرالمؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضؓ شہید مظلوم امیرالمؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضؓ اور امیرالمؤمنین سیدنا علی رضؓ ابن ابی طالب اور دیگر جمیع صحابۂ کرامؓ حضرت بلال رضؓ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بہت سے جامع کلمات اور پند و نصائح دوسرے مقرب صحابۂ کرامؓ کی طرح حضرت بلال رضؓ کی وساطت سے بھی عوام الناس تک پہنچ جاتے تھے۔ اس لیے تبلیغ دین اور تفہیم مسائل کی ضرورت بھی پوری ہوتی تھی۔

"ایک مرتبہ حضرت بلال رضؓ اچھی قسم کی بہترین کھجوریں لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے آئی ہیں؟ عرض کیا میرے پاس خراب کھجوریں تھیں۔ میں نے ان خراب کھجوروں کے دو صاع کے بدلے یہ اچھی کھجوریں ایک صاع خرید لی ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اُف! (یہ تم نے کیا کیا) یہ تو سراسر سود ہے۔ ایسا نہ کیا کرو۔ جب ایسا کرنا ہو تو اس کی صورت یہ کرو کہ خراب والی کھجوروں کو (کھجوروں کے علاوہ کسی) دوسری چیز کے بدلے

بیچ ڈالو پھر جو چیز تم نے اپنی کھجوروں کی قیمت میں لی ہے اس کو
قیمتاً دے کر اچھی والی کھجوریں خرید لو (مشکوٰۃ عن البخاری و مسلم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اموال ابو یہ میں ایک ہی جنس کی چیز کو آپس میں برابر کے معاملے پر بیچنا درست نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا سُود ہے اگرچہ ایک طرف وہی چیز ردّی ہو اور دوسری طرف اچھی ہو۔ اگر ایسا کرنا ہو تو اس کی صورت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (سود سے بچنے کی) یہ ارشاد فرمائی کہ ایک طرف جو جنس ہے اس کو پہلے کسی دوسری چیز کے بدلے (خواہ روپیہ ہو یا کوئی دوسری چیز) فروخت کر دو۔ پھر ایسا کرو کہ جو چیز تم نے قیمتاً لی ہے اس کے بدلے اس چیز کو خرید لو جو اپنی فروخت کردہ چیز کی ہم جنس ہے۔ اس ترکیب سے دونوں طرف جنس بدل جائے گی اور سُود نہ رہے گا۔ (بحوالہ حضرت بلال رضؓ و ابن اُمّ مکتوم رضؓ مؤلفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مقیم المدینہ)

موذن الرسولؐ بلال رضؓ بن رباح دین سے اخلاص میں ایسا اعتماد حاصل کر چکے تھے کہ جب فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کا اضافہ کیا گیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال کو یہ اضافہ علیٰ حالیہ برقرار رکھنے کی اجازت دے دی۔ تاریخِ اسلامی شاہد ہے کہ حضرت بلال رضؓ نہ صرف غزوات میں شریک رہے بلکہ مہمات کی تیاری میں اُن کے مشورے کو بھی اہمیت دی جاتی۔ حضرت بلال رضؓ کی موجودگی میں اذان دینے کی اجازت کسی دوسرے شخص کو نہ تھی۔ اذان دینے کے بعد قرآن پاک کی کوئی آیت تلاوت کر کے آپ کو جگا دیتے۔ جب مسجد نبوی میں سب نمازی جمع ہو جاتے تو لوگوں کی نظریں اس افریقی موذن کی طرف اٹھی رہتی تھیں جو پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا نسلی تعلق سیاہ جنس سے تھا۔ ابتدائی زمانے میں وہ متمول آقا کے غریب اور بے اختیار غلام رہ چکے

تھے لیکن اب وہ اسلامی اخوت اور مساوی حقوق کا بہترین مظہر تھے۔ انہیں سیدنا بلال رضؓ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر آج دُنیا کو ہر اعتبار سے ترقی یافتہ اور جدید ترین اقتدار کی حامل قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ فی الوقت بھی دُنیا میں ایسے ملک اور معاشرے موجود ہیں جہاں گوری نسل والوں اور کالی جلد والوں کی تفریح گاہیں، تعلیمی ادارے اور رہائشی علاقے علیحدہ علیحدہ ہیں اور گوری جلد والوں کو کالوں پر نمایاں برتری اور شہری حقوق کے معاملے میں واضح امتیاز حاصل ہے لیکن چودہ سَو برس قبل مدینہ منوّرہ کے اصحابِ صفہؓ میں ایسا کوئی امتیاز موجود نہ تھا۔ نہ عام شہریوں میں۔

حضرت براءؓ نے ہجرتِ نبویؐ کے حوالہ سے فرمایا کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے صحابیوں میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ طیبہ) مصعبؓ بن عمیرؓ اور ابن مکتومؓ پہنچے۔ وہ دونوں قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ کچھ دن بعد عمار بن یاسرؓ، بلال بن رباحؓ اور سعدؓ آئے تھے۔ پھر اُن کے بعد بیس صحابیوں میں شامل ہو کر عمر فاروقؓ آئے پھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔ (جمع الفوائد ج ۲۔ صـــ ۲۲)

"داعی اسماء بلال بن رباح" کے فاضل مؤلف کا کہنا ہے کہ:

دو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ سے مدینے ہجرت کرنے سے قبل حضرت عمر بن خطابؓ کو حضرت بلالؓ کا دینی بھائی بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرت بلالؓ سے قربت و محبّت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اس کو اپنے اور حضرت بلالؓ کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اکرام و انعام تصور کر کے دونوں ایک دوسرے سے محبّت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بطور خاص حضرت بلالؓ کو نوازتے رہتے اور اُن کی دلجوئی کا خاص خیال

رکھتے تھے۔ سید الکونین ختم المرسلینؐ جو انسانیت کے عظیم ہادی اور جلیل القدر راہنما تھے وہ عظیم المرتبت اور ہوش مند مسلمانوں کے فضائل و مناقب سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور وہ حضرت بلال رضؓ کی دیانت و امانت اور راستی و صداقت کے اوصاف سے بھی پوری طرح باخبر تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنا معتمد خاص بنایا۔ مسلمانوں کے مال پر اُن کو امین مقرر کیا اور اپنے طعام و قیام اور خوراک وغیرہ کے اہتمام و انتظام کا کام بھی اُن کے سپرد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہ صرف غزوات میں بلکہ سفر و حضر میں بھی اکثر اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور عید و استسقا کے مواقع پر تو نیزہ برداری کا منصب بھی ان کے ہی حوالے تھا جس کو لے کر وہ ایسے تمام اہم مواقع پر حضورؐ کے آگے آگے چلتے تھے۔ کسی دیگر شخص کو یہ شرف حاصل نہ تھا جو مؤذّن رسول علیہ السّلام کو حاصل تھا۔ حضرت بلال رضؓ کو اکثر و بیشتر حضورؐ کی قصویٰ نامی اونٹنی پر بیٹھ کر جس کو کوئی دوسرا شخص استعمال نہیں کرتا تھا سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام و طعام کے لیے بطور ہراول پیش قدمی کرنا پڑتی تھی۔ (یہ وہی قصویٰ اونٹنی تھی جس پر سوار ہو کر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے تھے اور اہلِ مدینہ کے جذبۂ عقیدت و پذیرائی کا یہ احوال تھا کہ ہر کسی کی خواہش تھی کہ آفتابِ رسالت مہمان بن کر اُس کے گھر کو منوّر کرے لیکن قصویٰ بالآخر حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کے مکان کے سامنے جا بیٹھی اور حضور اکرمؐ نے اپنی رہائش کے لیے اس خوش نصیب مدنی صحابی کا گھر منتخب فرمایا)۔

فتح مکّہ کے دن جن تین بزرگوں کو امام الانبیا، فخرِ موجودات پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہمراہی میں سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہُوا اُن میں پہلے شخص عثمان بن طلحہ رضؓ حامل کلید کعبہ تھے۔ دوسرے اسامہ

بن زیدؓ اور تیسرے خود حضرت بلالؓ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلالؓ کی رفاقت و معیت حضورؐ کی تکفین و تدفین تک قائم رہی اور یہ حضرت بلالؓ ہی تھے جو اُس آخری وقت میں بھی اپنے زخمی اور درد بھرے دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناقب و فضائل پُر درد طریقے پر ذکر کرتے ہوئے، ہاتھ میں مشکیزہ لیے آپؐ کی مقدس لحد اور اس کے چاروں طرف گھوم گھوم کر پانی چھڑکتے جاتے تھے۔ (اُن کی کیفیت اُس زخمی پرندے کی سی تھی جس کی آدھی گردن پر چھری پھیر کر اُسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو)۔

انسانی معاشرتی و عمرانی انصاف کی یہ عملی مثال صرف حضرت بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور عمار بن یاسرؓ تک محدود نہ تھی بلکہ قدم قدم پر احترام آدمیت اور مسلمانوں میں باہمی اخوت کے مناظر نظر آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن کا وطن کچھ عرصہ پہلے مکہ معظمہ تھا وہ مدینۃ النبیؐ کی محبت میں وطنیت کی یادوں سے بالکل دست کش ہو گئے تھے۔

صحابی رسولؓ زید بن حارثہؓ (جن کو غلامی سے آزاد کرایا گیا تھا) رسول اکرمؐ اپنے خادم (زید بن حارثہ) پر اتنی شفقت فرماتے کہ مدینے کی سرزمین ہی ان کے لیے پسندیدہ ہو گئی۔ ان کے ماں اور باپ سب عزیز رشتہ دار بدستور مکہ معظمہ میں تھے۔ کچھ عرصے بعد وہ زید کو واپس لے جانے کے لیے مدینے آئے اور ہر طرح کا معاوضہ دینے پر رضامند ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے اس موقع پر اپنی پھوپھی، باپ اور قبیلے والوں کی ایک نہ سنی اور مدینہ طیبہ میں آقائے دوجہاںؐ کے سایہ رحمت میں رہنے کو ترجیح دی۔

مؤرخین نے لکھا کہ زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی مثال قائم کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اُن کا عقد اپنے معزز خاندان کی نہایت شریف اور محترم خاتون یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ یعنی زیدؓ کے بیس سال سے بھی کم عمر فرزند اسامہ بن زید کو بڑے بڑے صحابہؓ کے ہوتے ہوئے جن میں حضرت عمر فاروق رضؓ جیسے محترم لوگ شامل تھے شام کی طرف بھیجے جانے والے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ آنحضرت کے اس طرزِ عمل سے ان لوگوں میں بے حد خود اعتمادی پیدا ہوئی جو شہر میں یا معاشرے میں غربت، ناداری یا محکوم ہونے کی وجہ سے عزت و احترام سے محروم تھے۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کردار اور شعار تھا دوسری طرف سب کے لیے یہ نصیحت کہ کوئی شخص تم میں سے اپنے غلام یا باندی کو عبدی یا میرے غلام کہہ کر نہ پکارے۔" اس بارے میں آنحضرت کی تنبیہہ بالکل واضح تھی کہ جو جس کا بھائی ہے وہ اس کے زیرِ سایہ ہے۔ وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اگر ڈالتے ہو تو خود بھی اس کام میں اُن کا ہاتھ بٹاؤ۔"

مکّہ سے دین پر ثابت قدم مسلمانوں نے جب حکم رضائے الٰہی کے مطابق اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر مدینہ منورہ ہجرت کی تو وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالی محبت آمیز معاشرہ کی تشکیل کرنے کے لیے مواخات قائم کی۔ اس طرح دو دو آدمی ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار بن گئے۔ بلاشبہ سب ہی مسلمان آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں لیکن یہ ایک انوکھا اور نہایت کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔ استیعاب میں ہے کہ حضرت بلال بن رباحؓ اور حضرت علبیدہ بن الحارثؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ بعض اہل سیر کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کا بھائی حضرت

ابو رویحہ خثعمی رضؓ کو بنایا تھا۔

سنہ ۲ھ میں اذان (باقاعدہ) شروع ہوئی۔ حضرت بلال رضؓ مقرر ہوئے اور اس طرح مؤذن اسلام، مؤذن الرسول ؐ اور مؤذن اوّل کا اعزاز حاصل کیا۔

واقعی اکثر آراء اس کے حق میں ہیں کہ حضرت بلال رضؓ حبشی مولدین میں سے تھے۔ باپ کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب۔ شکل وصورت اور رنگ و رُوپ کے لحاظ سے سیاہ فام، نحیف الجثہ، کشیدہ قامت اور قدرے جھکے ہوئے تھے۔ جسم پر کثرت سے بال تھے مگر داڑھی ہلکی تھی اور یہ منجملہ ان صفات کے تھیں جو ان مولدین کی نسل میں پائی جاتی تھیں جن کا تعلق بالعموم کالوں اور سامیوں سے تھا جو قدیم زمانے سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے۔

روایت ہے کہ سفر ہجرت طے کر کے جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں فروکش ہوئے اور مدینہ ایمان پر ثابت قدم رہنے والے حق پرستوں کے لیے امن وسلامتی کا گہوارہ قرار پایا۔ رحمت ومحبّت کے گہرے بادل کھل کر برسنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت بلال رضؓ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضؓ ایک ہی گھر مقیم رہے اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضؓ مہاجر وانصار مواخات میں شامل ہوئے۔ یہ حضور رسالت پناہ ؐ کی خدا داد فراست تھی کہ سب سے پہلے نئے اور پرانے باشندوں کو دینی رشتے سے شیر وشکر کیا۔

ہجرت کا واقعہ مسلمانوں کی تاریخ سازی کا اہم واقعہ ہے۔ نبوت کا تیرہواں سال تھا۔ ربیع الاوّل کا مہینہ کہ مہاجرین کے مدینے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کے لیے سن ہجرت نبوی کا آغاز ہوا۔ ہجری سن اوّل اور دوم میں نہایت اہم واقعات رُونما ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینے کے نواح میں آباد کئی قبائل سے معاہدے کیے۔ اذان کی ترتیب مقرر ہوئی۔ نماز ظہر، عصر اور عشاء کی رکعتوں میں

اضافہ ہُوا۔ حضور اکرمؐ نے مختلف سرداروں کے پاس اسلام کے پیغامات بھیجے۔ حضرت سلمان فارسی نے اسلام قبول کیا۔ ہجری سال دوم میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ تحویل کعبہ کا حکم آیا۔ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ حضورؐ نے حکم الٰہی کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں نے روزے رکھے۔ اسی سال ماہ شعبان میں جہاد فرض ہونے کا حکم نازل ہُوا اور حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار رہنے کی تاکید فرمائی۔ عیدالفطر اور فطرہ کی ادائیگی کا حکم ہُوا

رمضان المبارک ۲ھ میں ہی غزوۂ بدر پیش آیا۔ اس معرکہ کفر و اسلام میں دینِ حق کے پیروکار صرف ۳۱۳ اور دشمن کا لشکر ایک ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت عثمان رضؓ غنی اپنی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ کی علالت کے سبب غزوہ بدر میں موجود نہ تھے دوسرے سب ہی صحابہ کرامؓ آنحضرت کی قیادت میں مدینہ منورہ سے عازم بدر ہوئے تھے۔

بدر، مدینہ منورہ سے کوئی اسّی میل دُور ایک گاؤں کا نام ہے۔ ملحقہ میدان کے چاروں طرف سنگلاخ پہاڑ ہیں۔ بدر کا میدان کوئی ساڑھے پانچ میل طویل اور تقریباً اتنا ہی عریض ہے۔ کہیں کہیں گھاٹیاں ہیں اور کاریزوں سے آبپاشی کے ذریعے بعض نخلستان وجود میں آ گئے تھے۔ مکّہ کے جنگ پسندوں کا جو لشکر منزلیں طے کرتا ہُوا بدر کی طرف آ رہا تھا وہ یہاں پہنچ کر ایک ایسی وادی میں خیمہ زن ہُوا جسے العجنہ کہا جاتا ہے اُدھر لشکر اسلامی پوری حکمتِ عملی کے مطابق بدر کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔

نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شام کے وقت حضرت علی رضؓ بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن وقاص کو ایک دستے کے ساتھ بدر کے چشمے کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو انہیں کچھ لوگ ملے جو پانی لے جانے کے لیے

آئے تھے۔ ان حضرات نے ان میں سے دو افراد کو پکڑ لیا۔ یہ دونوں غلام تھے۔ پوچھ گچھ کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ مکّہ کے لشکر میں تقریباً نو یا دس اونٹ روزانہ کاٹے جاتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ قریش کے لشکر میں ایک ہزار کے قریب افراد آئے ہیں اور یہ تعداد مسلمانوں سے تین گنا ہے۔

انہیں لوگوں سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ لشکر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم ابن حزام، نوفل بن خویلد، الحارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، النضر بن الحارث، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف جیسے عرب سردار شامل ہیں۔ ان ناموں سے یہ اندازہ لگانے میں بھی مدد ملی کہ کیسی کیسی نامور اور زورآور شخصیتیں اس میدان میں فتح کی امید لے کر آئی تھیں۔

لشکرِ قریش بدر کی بستی کی جانب اور بڑھا اور وادی یلیل میں پہنچا۔ اب یلیل اور بدر کے میدان کے درمیان صرف ایک ٹیلہ حائل تھا جس کا نام العقنقل ہے لیکن بدر کی پہاڑی کے دامن میں جو باریک ریزوں والی ریت ہے وہ بالکل دلدل کا منظر پیش کرتی ہے۔ انگریزی میں ریت کی ان دلدلوں کو QUICK SAND کہا جاتا ہے لیکن فوجی اصطلاح میں جنگ کے دوران یہ نہایت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ گھوڑے ہوں یا اونٹ بڑی دشواری سے چلتے ہیں، نصف میل سے بھی زیادہ چلنا یا دوڑنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔

بہرحال جنگ ہوئی۔ مجاہدینِ اسلام بے جگری سے لڑے۔ دشمن کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی جانب ۶ مہاجر اور ۸ انصار شہید ہوئے جبکہ دوسری طرف ۷۰ ہلاک اور ۹۰ افراد گرفتار ہوئے۔ قریش کے لشکر کے جو خاص خاص لوگ اپنے بھرپور غرور کے ساتھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان میں ابوجہل کا یہ زعمِ باطل بھی تھا۔ ابن ہشام ابن اسحاق کی روایت سے مکّے کے سرداروں کے

نام ابوجہل کے پیغام کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ مکہ سے لشکر قریش کو واپس آجانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ وادی یلیل کی طرف بڑھتے ہوئے ابوجہل نے کہلا بھیجا۔

"جب تک ہم بدر نہ پہنچ جائیں نہیں لوٹیں گے۔ وہاں ہم تین دن رہیں گے۔ کاٹنے کے قابل جانور کاٹیں گے۔ کھانا کھلائیں گے شراب پلائیں گے۔ گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی۔ عرب میں ہماری شہرت ہوگی۔ ہمارے جانے اور اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی۔ پھر ہمارا رعب و داب ان پر چھا جائے گا، اس لیے ہمیں چلنا چاہیئے۔"

مدینے کی اسلامی ریاست ابھی نوخیز اور نو تربیت تھی لیکن مدینے سے (۸۰ میل) دُور ریت کی دلدل سے بھرے ہوئے میدان میں جو مہاجر اور انصار سیّد الکونین حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی باوقار قیادت میں دین حق کے لیے سر بکف ہو کر آئے تھے ان سب کا ایمان اللہ وحدہٗ لاشریک اور اُس کے محبوب پیغمبر آخر الزماں کی رسالت پر محکم تھا۔ وہ زندگی کی راحت اور موت کے خوف کو رضائے الٰہی کے حوالے کر کے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ تقویٰ، صبر و تحمل، مشقت، جاں فشانی بھوک، پیاس اور صبر آزما مرحلوں سے گزرنے کی تربیت فیضانِ رسالت سے انہیں خوب ملی تھی۔ مکہ کا لشکر نسلی امتیاز، امیر و غریب کی درجہ بندی اور خاندانی جاہ و حشمت کے فخر و غرور کے ساتھ باطل عقائد کی مدافعت کے لیے نکلا تھا لیکن لشکر اسلامی مدینے سے اس شان سے چلا تھا کہ سب آپس میں دینی بھائی تھے۔ ایک اللہ، ایک رسولؐ اور ایک طریق عبادت پر یہ مجاہد غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ رنگ و نسل، زبان اور جغرافیائی وطنیت اور قومیت کی پیدا کردہ

عصبیت کو اسلامی اُمّہ میں مدغم کرنے کا یہ نہایت اہم تاریخی اور عملی تجربہ تھا۔ تاریخ کا ریکارڈ درست رکھنے کے لیے ابنِ ہشام کی یہ صراحت درج کرنا بے جا نہ ہوگا۔

"لشکرِ اسلامی میں مدینۂ منورہ کے اوس و خزرج قبائل کے ۳۳ خاندان اور مکہ کے قبیلۂ قریش کے تیرہ خاندان شامل تھے۔ گویا دونوں شہروں کے ۴۶ خاندان عملاً شریک تھے۔ اسلام سے پہلے دوسرے قبائل کی طرح بنی عبد شمس اور بنی عبد مناف یا اوس اور خزرج بھی قانونِ اسلامی اور اسلامی معاشرت و اخلاقی اقدار کے تحت اب یہ سب ایک مربوط اور منظّم قوّت تھے۔

جمعہ کا دن، رمضان ۲ھ کی سترہ تاریخ تھی اور صبح کا وقت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے لشکر کی صفیں درست کرانے نکلے۔ جنگی حکمتِ عملی کے تحت ہدایات جاری کیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے ماہرینِ حرب جب ان معرکوں کی جزئیات کا تجزیہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ مشکل محلِ وقوع، سامانِ حرب اور طاقت کے اس عدم توازن کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے مسلمان نہ پریشان ہیں نہ رحمتِ خداوندی سے مایوس۔ جنگ دونوں طرف سے خوب جم کر ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سربسجود ہو کر اللہ تعالےٰ سے التجا کرتے ہیں:

ترجمہ: "اے اللہ! اگر تو نے آج اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر (قیامت تک) تیری پرستش نہ کی جائے گی۔"

اس عالم میں وحی نازل ہوتی ہے:

ترجمہ: فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مخاطب ہوتے ہیں:

"اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ کہ تمہارے پاس اللہ کی امداد آگئی۔ یہ جبرئیل

ہیں۔ گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے اسے کھینچ رہے ہیں اور اس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے۔"

اس کے بعد آپؐ اس سائبان سے (جو العریش کے نام سے پوری تاریخِ اسلامی میں مشہور ہے) باہر تشریف لائے اور صف بند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے خطاب فرمایا:۔

"اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ آج جو بھی شخص ان لوگوں سے جنگ کرے گا اور صبر سے ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا۔ آگے بڑھتا ہوا ہو گا، پیٹھ پھرانے والا نہ ہو گا تو اللہ اُسے جنّت میں داخل کرے گا۔"

مجاہدینِ اسلام نے حضور رسالت پناہ کا یہ عزم ثبات دیکھا تو ان کے حوصلے مزید بلند ہو گئے۔ حضور اکرمؐ کے حکم کے بغیر پہل کرنے کی ممانعت تھی۔ سب چاق و چوبند کھڑے ہو گئے۔ قریش کا بڑا لشکر سامانِ جنگ سے لیس بدر کے درمیان واقع ٹیلے القفقل سے اُترنا شروع ہوا تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

"اے اللہ! یہ قریش ہیں یہ اپنے فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ تیری مخالفت کرتے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ! تیری اس مدد کا طالب ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ یا اللہ! آج صبح انہیں ہلاک کر دے۔"

بالآخر سرفروش مجاہدین اسلام دشمن کی طاقت تین گنا ہونے کے باوجود اس پر غالب رہے۔ مسلمانوں کو نصرت عطا کرنے کا وعدہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے پورا فرمایا۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی شکست و بربادی کا منظر اس طرح

دیکھا کہ آن بھی گئی جان بھی گئی۔ مدینے سے آئے ہوئے مجاہدین کی قوت ایمانی کا غلط اندازہ لگانے والے قریش کے بڑے بڑے سردار اور معتبر اشخاص بھی مارے گئے جن میں ابوجہل، امیہ بن خلف۔ شیبہ۔ عتبہ۔ ابوالبختری زمعہ بن الاسود۔ عاص بن ہشام۔ منبہ بن الحجاج وغیرہ شریک تھے۔

معرکہ بدر کی چند اور خاص باتوں میں ابوجہل کا ہلاک ہو جانا بھی شامل تھا۔ اسلام کے اس بدترین دشمن کو ایک نوجوان صحابی معاذؓ بن عمرو نے تہ تیغ کیا۔ یہ محض اتفاق تھا یا مشیت ایزدی کہ غزوۂ بدر میں وہ مشرکین مکہ بھی شامل تھے جنہوں نے حضرت بلالؓ، عمار بن یاسرؓ اور خباب بن ارثؓ کے دورِ غلامی میں اُن پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ یہ سب ستم برداشت کرنے والے لوگ اکابر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دینے کے لیے مدینے کی اسلامی ریاست کے لشکر میں آئے تھے۔ ابوجہل اور اُمیہ دونوں نے حضرت بلالؓ پر قبولیتِ اسلام کے باعث بڑی سختیاں کی تھیں۔ استیعاب میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ جب امیہ بن خلف قتل ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلال کو مخاطب کر کے فرمایا:

منیاً زادک الرحمٰن خیرا
فقد ادرکت ثارک یا بلالؓ

(ترجمہ) مبارک ہو اے بلالؓ! اللہ تمہیں اور خیر عنایت فرمادے تم نے اپنا انتقام لے لیا۔

اسد الغابہ کی روایت کے مطابق امیہ بن خلف (براہ راست) حضرت بلالؓ کے حملے کی زد میں آیا اور مارا گیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب امیہ بن خلف اور اُس کے بیٹے نے بھاگنا چاہا تو حضرت بلالؓ نہایت بلند آواز سے یہ کہتے

ہوئے آگے بڑھے۔ وہ اگر چھوٹ گیا تو بھی بچ کر نہیں جا سکے گا۔" دونوں مجمع میں گھر گئے۔ کسی نے آگے بڑھ کر اُمیہ کے بیٹے پر شدید ضرب لگائی۔ وہ زمین پر گرا اور ڈھیر ہوا۔ چند ہی لمحے بعد لوگ تلواریں سونت کر اُمیہ کے سر پر آ پہنچے۔ اُمیہ نے موت کے خوف سے لرزتے کانپتے جان دی اور اس طرح حضورِ رسالت مآبؐ کی وہ پیش گوئی بھی پوری ہو گئی کہ اُمیہ بواسطہ یا بالواسطہ ہلاک ہو گا۔ کسی نے اُسے حضورؐ کا یہ ارشاد بتا دیا تھا، اس لیے بدر کے معرکے میں جانے کے ڈر سے وہ چھپتا پھرتا تھا لیکن ابوجہل اسے "عورت ہونے" کا طعنہ دے کر ساتھ لے گیا۔ دراصل وہ ایک بزدل لیکن نہایت بدباطن اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والا شخص تھا اس لیے قانونِ قدرت کے مطابق بُرے اعمال کے بُرے نتائج کے مصداق اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا۔

دوسری طرف ان حق پرستوں کی حیرت انگیز کامیابی اور فتح و نصرت کے ساتھ میدانِ بدر سے واپسی ہے جن کی پیشانیاں اللہ وحدہٗ لاشریک کے جلالِ وحدانیت اور باری تعالےٰ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیلِ ارشادات کے حُسن اور والہانہ عقیدت کے جمال جہاں آراء سے چمک رہی ہیں۔ بے سروسامانی اور کم مائگی ان کے لیے بعید از وقعت ہے۔ مسافت، راستے کی پیچیدگی، بھوک اور پیاس کی شدت، عینِ حالتِ جنگ میں ربِ کائنات کے حضور ادا کی جانے والی نمازوں کے نذرانے واللہ اپنے معبودِ حقیقی اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی لازوال مثالیں ہیں۔

بخاری و مسلم شریف میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ ارشادِ نبویؐ منقول ہے:

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص

(مطلوبہ درجے کا) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کی نگاہ میں اُس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

اور یہی حبِ رسولؐ اور جاں نثاری کا جذبہ جب سامنے آتا ہے تو حضور اکرمؐ حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ کو تاکید فرماتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث نبویؐ بروایت عبد اللہؓ بن عمرو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص (مطلوبہ درجے کا) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی (کتاب قرآن) کے تابع نہیں ہو جاتا۔"

عبد الرحمٰن بن ابی قرادؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، تو آپؐ کے کچھ اصحابؓ آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تمہارے اس عمل کا محرک کیا ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول سے محبت۔ آپؐ نے فرمایا جن لوگوں کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ جب بات کریں تو سچ بولیں اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو (بحفاظت) مالک کے حوالے کریں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔" (ماخوذ از مشکوٰۃ)

معرکۂ بدر ہو یا اُحد یا دوسرے غزوات، سب کا صحابہ کرامؓ مجاہدین اسلام کے دل و دماغ پر اللہ اور اللہ کے رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا غلبہ تھا۔ اس لیے زندگی اور موت کے فاصلے سمٹ کر جذبہ جہاد میں تحلیل ہو گئے تھے۔ یہ اتنی بڑی حقیقت مظہر اثبات ہے کہ جو مسلمان والدین کے ہاں اپنی خوش نصیبی سے پیدا ہوا لیکن زندگی کے اس سب سے اہم راز اور گوہرِ مقصود کو نہ سمجھا اس نے گویا

نہ خود کو پہچانا نہ اپنے مقصدِ تخلیق کو جانا اور اگر لایعنی بحث میں (خدانخواستہ) اُلجھ گیا تو رضائے الٰہی اور حضور رحمۃ للعالمینؐ کے دامنِ شفقت و محبت سے کوسوں دُور چلا گیا۔ پھر اتباعِ رسالت اور حبِّ نبویؐ کو یکساں مفہوم کی سطح بالا پر لا کر کیوں نہ قبول کیا جائے۔

مُسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ حدیثِ نبویؐ منقول ہے۔

قال رسول الله (صلی الله علیه وسلم) اِنَّ خَیرُ الحَدِیث کِتٰبُ الله وخَیرُ الهدی هدی محمد

(حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: بہترین کلام اللہ کی کتاب اور بہترین سیرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی سیرت ہے (جس کی پیروی کی جانی چاہیئے)۔

اسی طرح مسلم شریف کی یہ حدیث لائقِ مطالعہ ہے:

حضرت انسؓ نے کہا مجھ سے حضورؐ نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو اس طرح زندگی گذار سکے کہ تیرے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو تو ایسی زندگی بسر کر۔ پھر فرمایا۔ اور یہی میرا طریقہ ہے کہ (میرے دل میں کسی کے لیے کوئی کھوٹ نہیں) اور جس نے میری سنّت (طریقے) سے محبت کی تو بلاشبہ اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔''

مولانا جلیل احسن ندوی نے اس موضوع پر ایک علیحدہ باب مخصوص کر کے اپنی یہ رائے تحریر کی ہے۔ ہمیں دلوں کو مسخر کرنے کا یہ انداز نہایت پسند آیا۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مومن تب ہی بنتا ہے جب رسول اللہؐ اور اُن کے لائے ہوئے دین کی محبت تمام محبوبوں

پر غالب آجائے۔ بیٹے کی محبت کسی اور راستے پر چلنے کو کہتی ہے
باپ کی محبت کسی اور راستے پر چلانا چاہتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کسی دوسرے راستے پر چلنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو جب آدمی
ساری محبتوں اور اُن کے تقاضوں کو ٹھکرا کر صرف حضورؐ کے بتائے ہوئے
راستے پر چلنے کو تیار ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ وہ پکا مومن ہے۔
محبِ رسولؐ ہے۔ ایسا ہی آدمی اسلام کو درکار ہے اور ایسے ہی
لوگ دُنیا کی تاریخ بناتے ہیں۔ کچّا (ناپختہ) ایمان بیوی، بچّوں اور
باپ اور بھائیوں کی محبتوں پر قینچی کہاں چلا سکتا ہے۔" (راہِ عمل ص۲۶)

مدینے سے مہاجر اور انصار مجاہدین اسی جذبۂ محبت اور جاں نثاری کو رختِ
سفر بنا کر نکلے تھے۔ پورے سات دن کے سفر کی تکان تھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی
رحمت نے مجاہدین کو یہ راحت بہم پہنچائی کہ جنگ سے پہلے کی رات سارے صحابہ
کرام رضؓ پر سکون نیند سوئے اور وہ جو دلدلی ریت میں اونٹوں اور گھوڑوں کے نہ
دوڑ سکنے کا اندیشہ تھا وہ بارش نے دُور کر دیا۔ ریت بھی جم گئی اور مجاہدین
بھی اس بارش کے باعث تر و تازہ ہو گئے۔

قرآن کریم کی سورۃ انفال ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا ذکر
اس انداز سے کیا ہے:

"جب اُس نے (تمہاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تمہیں
نیند (کی چادر) اُڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا کہ تم کو
اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے
دُور کر دے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے
اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔" (ترجمہ)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے "ترجمان القرآن" میں اس آیت پر مندرجہ ذیل حاشیہ تحریر کیا ہے:

"غور کرو اللہ کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں۔ اُس نے دلوں کو چین دینے کے لیے تم سب پر نیند غالب کر دی۔ اُٹھے تو دل کا سارا خوف و خطر دُور جا چکا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ بدر کی پہلی رات کو کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات عبادت کرتے رہے۔ (بیہقی فی الدلائل) اور معلوم ہے کہ جس کے دل میں خوف و خطر ہو وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا تقاضا تھا۔ پھر عین موقع پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے۔ کوئی نہ تھا جو چُست و چاق اور تازہ نہ ہو گیا ہو۔ بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں کے دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو دراصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے دل میں باقی نہ رہی۔"

صبح ہوئی تو آنحضرتؐ نے (جو پُوری رات عبادتِ الٰہی میں مصروف اور بیدار رہے تھے) اپنے رفقاء کو جگایا۔ نماز کے لیے جمع کیا اور بعد از نماز جہاد کے فضائل پر وعظ فرمایا۔

یہاں کچھ اور عبرت آموز پہلوؤں کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔ قریش مکہ کے غرور و نخوت کی کوئی حد نہ تھی۔ اُن کے لشکر کا سالار عتبہ بن ربیعہ تھا۔ جب میدان میں نکلنے کے لیے ہتھیار سنبھالنے لگا تو خود طلب کیا۔ اُس کا سر اتنا بڑا تھا کہ

ہر خود چھوٹا نکلا۔ مجبوراً اپنے سر پر چادر باندھی اور اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر آگے بڑھا۔ مقابلے کے لیے انصار کے تین پر جوش مجاہد بھیجے گئے۔ عوف رضؓ بن حارث رضؓ، معاذ رضؓ بن حارث اور عبداللہ رضؓ بن رواحہ سامنے آئے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے بتایا تو عتبہ بولا کہ ہمیں تم سے کچھ سروکار نہیں۔ پھر اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کا چیلنج سُن کر حضرت حمزہ رضؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت عبیدہ رضؓ بن حارث بن عبد المطلب کو روانہ فرمایا۔ چونکہ ان حضرات رضؓ کے چہروں پر نقاب تھی، اس لیے عتبہ پہچان نہ سکا اور پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے نام نسب بتائے تو عتبہ نے کہا ہاں اب ٹھیک ہے۔

عتبہ کا مقابلہ حضرت حمزہ رضؓ سے ہُوا اور ولید کا حضرت علی رضؓ سے۔ دیکھتے ہی دیکھتے باپ بیٹا دونوں مارے گئے لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہ رضؓ کو زخمی کر دیا اور وہ لڑنے کے قابل نہ رہے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضؓ شیبہ پر جھپٹے اور اپنی کاری ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت عبیدہ رضؓ چلنے کے قابل نہ تھے۔ حضرت علی رضؓ انہیں کندھے پر اُٹھا کر حضور کی خدمت میں لائے۔ انہیں اپنے زخمی ہونے سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ شہادت سے محروم ہو گئے۔ حضور سے دریافت کیا۔ کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ تم نے شہادت پائی۔ حضرت عبیدہ رضؓ کا پیر کٹ گیا تھا۔ میدان بدر سے مدینہ واپس آتے ہوئے صفرا کے مقام پر اسی گہرے زخم کے اثر سے اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور یوں شہادت حاصل ہو گئی۔

ابو جہل اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا یہ غزوہ اُس کی اسلام دشمنی کے لیے بھی فیصلہ کن ثابت ہُوا۔ مولانا شبلی نعمانی رحؒ نے اس واقعہ کو خاصی وضاحت

سے لکھا ہے:

"حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتاً مجھ کو دائیں بائیں دو نوجوان نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے۔ میں نے کہا برادر زادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا۔ (گویا سوال کرنے والے کی کم عمری پر تعجب ہوا)۔

مگر وہ نوجوان بولا۔ میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا اُسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا۔ میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کان میں یہی بات کہی۔ میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔

یہ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا۔ یہ نوجوان عفراء کے بیٹے تھے۔ معاذ اور معوذ۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے۔ (ص ۳۰۱)

اس واقعہ کو بیان کرنا اس لیے مقصود ہے کہ جب مسلمان جذبۂ جہاد کے تحت کفر و باطل کے خلاف برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو وہ بڑے ہوں جوان ہوں یا بچے ہوں ان کا عزم شجاعت ناقابلِ تسخیر ہو جاتا ہے اور خواہ ایک ہی بازو رہ جائے اس سے ان کی استقامت اور توانائی میں کوئی فرق رُونما نہیں ہوتا۔ معاذ اور معوذ تاریخ اسلام کے ایسے ہی مثالی جانبازوں کے نام ہیں اور ہم نے غزوۂ بدر کا قدرے تفصیل سے اس لیے ذکر کیا کہ جس اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد حضور اکرم

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینۂ منورہ میں رکھنے کا آغاز کیا تھا اُس کے خلاف مشرکین اور معاندینِ اسلام کی یہ پہلی منظم اور بھرپور یلغار تھی جس پر ایک طرف مکّہ کے اُن قبائل اور سرداروں کی نظر مرکوز تھی جن کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر تائید الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے ہجرت کر کے مدینے آئے تھے دوسری طرف حضور اکرمؐ نے مدینہ شہر میں مواخاۃ کے ذریعہ اور نواحی علاقوں میں آباد یہودی قبائل سے مفاہمانہ معاہدے کر کے مدینے کو گہوارۂ امن بنانا چاہا تھا۔ وہ منافق اور ریاکار یہودی سردار اور مذہب و معاشرے کے اجارہ دار اپنے لیے اسے غنیمت موقع سمجھ رہے تھے کہ ان کی منافقانہ توقعات غزوۂ بدر میں اس طرح پوری ہو جائیں گی کہ مسلمانوں کا سارا زور اور پھیلتا ہوا اثر و رسوخ بکھر کر رہ جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز منظور نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرؐ پر اس معرکہ میں کامیابی منکشف کر دی تھی۔

اسیرانِ بدر کی رہائی کے لیے فدیہ کی ایک قسم یہ بھی رکھی گئی تھی کہ ان میں سے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ دس دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں چنانچہ ایسے لوگ آزاد کر دیے گئے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔

قیدیوں میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت زینب رضؓ کے شوہر ابوالعاص بھی تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ حضرت زینبؓ نے اپنا وہ قیمتی ہار فدیہ کے طور پر مکّہ سے بھیج دیا جو حضرت خدیجہؓ نے نکاح کے موقع پر ان کو دیا تھا۔ حضورؐ نے جب یہ ہار دیکھا تو بے اختیار آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ "دو تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔"

سب نے بسر و چشم منظور کیا۔ ہار واپس کر دیا گیا اور ابوالعاص آزاد ہو

گئے۔ رہائی کے بعد ابوالعاص مکے آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینے بھیج دیا۔ کچھ عرصے بعد شام سے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ مکے واپس جا رہے تھے۔ مدینہ کے قریب ایک اور واقعہ پیش آیا۔ مسلمانوں نے پھر حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ ابوالعاص دوسرے واقعہ کے بعد مسلمانوں کے طرزِ عمل سے اتنے متاثر ہوئے کہ پہلے قرض خواہوں کا سارا حساب بے باق کیا اور پھر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ یہ احتیاط انہوں نے اس لیے کی کہ مدینے کے لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوالعاصؓ ہمارے قرض کے تقاضے کے خوف سے مسلمان ہو گیا۔

ابوالعاصؓ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی حقیقی ہمشیرہ فوید کے نواسے تھے۔ ان ہی کی شادی جناب خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی پہلی صاحبزادی سیدہ زینبؓ سے مکہ میں ہوئی تھی۔ جب حضرت ابوالعاصؓ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے تو سیدہ زینبؓ بھی مدینے تشریف لے آئیں اور یہاں چند سال بعد وفات پائی۔ ان کے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

معرکۂ بدر کے بعد کئی اہم واقعات پے در پے ہوئے جو سرکارِ دو جہاں رحمۃ للعالمین کے لیے اطمینانِ قلب کا باعث بھی تھے اور غم و اندوہ کا سبب بھی۔ لیکن جہاں ربِّ کائنات نے اپنے محبوب پیغمبرؐ آخر الزماں کا سینہ شق کر کے اسے اپنے نور سے معمور کر دیا تھا وہاں بشری خصوصیات میں بھی انسانِ کامل کی فضیلت عطا کر کے پوری نسلِ آدم کے لیے بے مثال شاہکار اور نمونہ بنا دیا تھا تاکہ قیامت تک انسانی نسلیں ان کے اسوۂ حسنہ سے روشنی اور راہنمائی حاصل کریں۔

بدر میں کفار کی شکست سے مکہ کے مشرکین اور مدینے کے سرمایہ دار یہودیوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑک چکی تھی۔ محدود تعداد میں ہونے کے بعد مسلمانوں نے انہیں عبرتناک ہزیمت سے دوچار کیا تھا۔ چنانچہ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

چچا ابی لہب نے جو اسلام اور مسلمانوں کے درپے آزار تھا غزوہ بدر کے آٹھویں روز ہلاکت پائی۔ مشرکین کا ایک اور ستون منہدم ہوگیا۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ انہیں دنوں بدر کے شکست خوردہ عمائد نے اپنی ذلت کا انتقام لینے کے لیے کرائے کا ایک قاتل اس منصوبے کے لیے تیار کیا کہ وہ ایک سادہ لوح شخص کے طور پر مدینہ پہنچے اور موقع پاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو (خدانخواستہ) قتل کرے۔ لیکن مدینے کی نورانی فضا میں پہنچ کر سرکارِ دوجہاںؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ اس کو ایمان کی ایسی روشنی ملی کہ مدینے سے اسلامی تعلیم حاصل کرکے مکہ واپس گیا اور تبلیغِ اسلام میں مصروف ہوگیا۔ انہیں دنوں جناب رقیہؓ بنت رسول اللہؐ جو حضرت عثمانؓ بن عفان کے عقد میں تھیں وفات پاگئیں۔

احترامِ نبویؐ کیلئے ہدایتِ ربانی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (سورۃ الحجرات آیت ۲)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور گفتگو کے وقت ایسی بلند آواز سے نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو ورنہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور تمہارے اعمال بے کار ہو جائیں گے۔"

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت

بأنه خیر مولود من البشر

میری روح اس ہستی پر فدا ہے جس کے اخلاق واطوار اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ نبی نوعِ انسان میں سب سے افضل ہے۔

عمت فضائله کل العباد کما

عم البریة ضوءُ الشمس والقمر

اس کے فضائل وکمالات کا چشمۂ فیض تمام بندوں کو بلا امتیاز اسی طرح سیراب کر رہا ہے جس طرح آفتاب وماہتاب کی ضیا باریاں بلا تخصیص کائنات کیلئے عام ہیں۔

لو لم یکن فیه آیات مبینةٌ

کانت بدیهته تکفی عن الخبر

اگر اس کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو خود اس کی ذات اس کے پیغام کی صداقت کیلئے کافی ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

(شاعر دربارِ نبویؐ)

بسم الله الرحمن الرحيم

شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن

هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان

فمن شهد منكم الشهر فليصمه

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

تاریخ القرآن اور مدینہ طیبہ

جستہ جستہ ـــــ قرآنِ کریم، فرقانِ حمید، جملہ افکار و علوم، نصوصِ حکمت و دانش اور وثائق و حقائق کا مجموعۂ گہر بار ہے کہ جس میں جادۂ صدق تلاش کرنے والوں اور جستجویانِ حق کے لئے کھلی نشانیاں ہیں۔ مسائلِ نفی و اثبات ـــ کی عقدہ کشائی ہے۔ وعدے ہیں۔ وعید ہے اور شعورِ ذات سے لے کر فہم کائنات تک ـ معلوم نامعلوم اور ناقابلِ دسترس عوامل تک، خالق نے اپنی مخلوق کی رسائی، اور راہنمائی فرمائی ہے۔ اور یہ حقیقت ہر قاریٔ قرآن پر واضح فرما دی ہے۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَيِّمَة: یعنی قرآنِ کریم میں تمام کُتُب کے علوم سمو دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم عبر و بصائر اور محاسن و فضائل کا لاثانی ولافانی مجموعہ ہے۔ اور آغازِ تخلیق سے اب تک اقوامِ عالم پر ابتلاء و آزمائش، تجدد و تنزل اور ظہور و خفا کے جو ادوار گزر چکے ہیں۔ علومِ قرآنی اُن سب پر بنی نوع انسان کو وہ بصیرت اور بصارت عطا کرتے ہیں جو کسی اور جہت، گوشۂ فکر اور علمی تموّج سے ممکن نہ تھی۔

قرآنِ کریم اول اول مکہ مکرمہ میں واقع جبلِ نُور کے غارِ حرا میں سیّد الانبیاء ہادیٔ برحق، جناب ابوالقاسم محمّد ابنِ عبداللہ، رسول اللہ، نبی اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ العلق سے نازل ہوا۔ جب اللہ جل جلالہ، کے فرستادہ فرشتے نے آپ کو سینے سے لگا کر دبایا۔ اور متواتر تین بار دبا کر وحی کو دہرانے کی فرمائش کی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝

اور اس طرح پہلی وحی سورۃ علق کی پانچ آیات پر مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر رہے۔ قرآن کریم کی آیاتِ ربّانی نازل ہوتی رہیں۔ اور جب رضائے الٰہی کے مطابق ہجرتِ مدینہ کا مرحلہ مکمّل ہوا تو قرآنِ کریم کے باقی حِصص مدینہ منوّرہ میں نبیِ پاکؐ پر وحی ہوتے رہے۔ اس طرح قرآن کریم کی مکمّل مکّی و مدنی سورتوں کا ایک نظم، ایک ربط معروف ہو گیا۔ قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں بیشتر مکّی ہیں۔ مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی سورتوں کے ناموں کے ساتھ مدنی، اور مکّہ مکرّمہ میں جو کلام ربّانی وحی کیا گیا۔ اُن سورتوں کو مکّی موسوم کیا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا اپنی مخلوقات پر احسانِ عظیم ہے اور اس کی صداقت اور حفاظت کا ذمّہ بھی خود اللہ وحدہٗ لاشریک نے لیا ہے۔ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب سورۃ الفاتحہ سے شروع ہو کر سورۃ الناس پر مختتم ہے اور یہ سات منزلوں پر مشتمل ہے۔

مشہور مفسّر، مورخ، مصنّف، ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر جو امام سیوطیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جن کی تصانیف کی تعداد پانچ سو اکسٹھ بتائی جاتی ہے۔ اُنھوں نے اپنی معرکہ آرا کتاب 'الاتقان' میں قرآن مجید کے ۵۵ نام خصوصی طور پہ لکھے ہیں۔ بُنیادی خصوصیت یہ قابلِ ذکر ہے کہ ان ناموں کا حوالہ قرآن مجید کی سورتوں میں ہی موجود ہے۔ یہاں چند ایسے نام پیش کئے جاتے ہیں۔

الکتاب	المبین	الکلام	الفرقان
القُرآن	الکریم	النّور	التنزیل
الموعظۃ	الحکمۃ	الھُدای	الخیر
البیان	النّعمۃ	الرّوح	الرحمٰن
المبارک	المصدّق	الحبل	الصراط المستقیم
الوحی	العربی	الحق	العلم
الھادی	العجب	العروۃ الوثقیٰ۔	
الامر	الصّحف		المکرم

کتاب 'الاتقان' میں ان کے علاوہ قرآن مجید کے ۲۵ نام اور بھی بیان کئے گئے ہیں۔
لفظ قرآن ۔ بجائے خود لغوی اور معنوی اعتبار سے ملّتِ مسلمہ میں سب سے زیادہ معروف اور متعارف ہے۔ یہ لفظ محض صفاتی یا توصیفی نہیں، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا پسندیدہ اور بیان کردہ نام ہے۔ چنانچہ اُم الکتب قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنے محبوب پیغمبرؐ پر ایسے پیغاماتِ ربانی وحی فرمائے گئے۔ جن میں یہ لفظ 'گنجینۂ اسرار و معانی' استعمال ہوا ہے۔ ایسی بعض سورتوں اور آیاتِ بیّنات کے حوالے یہاں درج کئے جاتے ہیں

- سورہ البقرۃ آیت ۱۸۵ ۔ شھر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن ھُدیً للنّاس ....
- سورۃ یونس آیت ۳۷ ۔ وما کان ھٰذا القرآن .....
- سورۃ: یونس آیت ۶۱ ۔ وما تتلوا منہُ من قرآنٍ وّ لا من عمل
- سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۶ ۔ وقرآناً فرقنٰہُ لتقراہ علی النّاس علیٰ مکثٍ
- سورۃ طٰحٰہ: آیت ۱۱۴ ۔ فتعلی اللہ الملک الحقّ ولا تعجل بالقرآن ۔ ....
- سورۃ فرقان: آیت ۳۰ ۔ اِنّ قومی اتّخذوُ ھٰذا القرآن ...
- سورۃ فرقان آیت ۳۲ ۔ ...... القرآن جُملۃً واحدۃً ۔
- سورۃ النّمل ۔ آیت ۱ تلک اٰیتُ القرآن وکتاب مُبین
- سورۃ القصص آیت ۸۵ ۔ اِنّ الذی فرض علیک القرآن
- سورۃ الروم ۔ آیت ۵۸ ۔ فی ھٰذا القرآن من کُلِّ مثلٍ ط

قرآن مجید ۔ کتابِ حکمت و آگہی اور توحید باری تعالیٰ کی ابدی صداقتوں کا سرچشمہ ہے۔

اور اسی کے ذریعے ہم نے اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک، اس کے قادر مطلق ہونے اور فخرِ موجودات سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّتِ صادقہ اور منصبِ رسالت کو وسیلۂ رُشد وہدایت کے طور پر اول و آخر سمجھا ہے۔ ایمان بالغیب کے طور پر قبول کیا ہے۔ یہی وہ وجہ تخلیقِ کائنات اور غایتِ نسلِ بنی آدم ہے، کہ اس حقیقتِ ثابتہ سے برگشتہ ہو کر یا اپنی کج فہمی اور سرکشی کے باعث تاریخِ انسانی کی کتنی ہی اقوام، تہذیبیں اور نسلیں، معدوم بلکہ نیست و نابود ہو گئیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو گیارہویں صدی ہجری کے بعد کے بُزرگانِ دین اور اکابر علماء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ۱۱۴۳ ہجری میں انھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا مبارک سفر بھی کیا۔ اپنے رسالے "حسن العقیدہ" میں وجود باری تعالیٰ اور توحیدِ مطلق کے نفسِ مضمون پر اپنی فکر انگیز توضیحات اور بصیرت افروز تصریحات کو یوں قلمبند فرماتے ہیں۔ (واضح رہے کہ یہ اُس محاکمہ کا محض ایک مختصر سا اقتباس ہے جس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، ایک ایک نقطہ حتیٰ کہ توسین بھی معنی آفرین اور مسئلہ توحید کی تفہیم و توجیہہ کے اعتبار سے متنوع اور چشم کُشا ہیں۔ مولف کتاب ہذا)

حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں۔

- اس عالم کا ایک صانع ہے، جو قدیم ہے، زندہ ہے وہ ہمیشہ رہے گا۔ اپنے وجود میں واجب اور اس کا عدم ممتنع ہے۔ وہ بڑا برتر۔ کمال کی تمام تر صفات سے مُتّصف اور نقص و زوال کی سب علامتوں سے پاک ہے وہ ساری مخلوقات کا خالق، تمام معلومات کا عالم، سب ممکنات پر قدرت رکھنے والا، اور تمام کائنات کے لئے ارادہ کرنے والا ہے۔ وہ زندہ ہے۔ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔

نہ اس کے کوئی مشابہ ہے ۔ نہ کوئی اُس کے مقابلے کا۔ نہ کوئی اس کی ضد اور اُس جیسا ہے اور نہ کوئی وجود میں واجب ہونے، عبادت کا مستحق ہونے اور خلق اور تدبیر میں اس کا شریک ہے۔

عبادت یعنی آخری حد کی تعظیم کا اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی مریض کو شفا دیتا ہے نہ کوئی رزق دیتا ہے اور نہ تکلیف دور کرتا ہے اور یہ اس معنی میں کہ جب وہ کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ نہ کہ ظاہری دعاوی کے سبب کے معنی میں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی ۔ اور امیر نے فوج کو رزق دیا ۔ چنانچہ یہ اس سے ایک الگ چیز ہے ۔ نہ کوئی اس کا مددگار ہے نہ وہ کسی اور میں حلول کرتا ہے اور نہ وہ کسی اور سے متحد ہوتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث یعنی زوال پذیر چیز قائم نہیں اور نہ اس کی صفات میں حدوث و زوال ہے .....

وہ ہر جہت سے حدوث و تجدّد سے پاک ہے۔ نہ وہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ جسم۔ وہ کسی مکان میں نہیں، اور نہ کسی جہت میں۔ اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہاں ہے یا وہاں ۔ نہ اس کی طرف حرکت، نقل و انتقال، نہ اس کی ذات و صفات میں تغیّر و تبدّل، اور جہل و کذب منسوب کرنا صحیح ہے ۔ وہ عرش کے اوپر ہے،

(اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ۔ ۔ ۔ ۔
الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى)

حاشیہ : شاہکار تصنیف لطیف، سیرۃ النبیؐ کے فاضل مصنّف علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی کتاب "علم الکلام" میں مسلمانوں میں علم الکلام کی نشو و نما، اور ارتقا پر بحث کرتے ہوئے جہاں امام غزالیؒ ۔ امام رازیؒ ۔ ابنِ رُشد اور امام ابنِ تیمیہؒ کا ذکر کیا ہے وہاں وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

(ابنِ تیمیہ اور ابنِ رُشد کے بعد بلکہ خود اُن ہی کے زمانے میں مُسلمانوں میں جو عقلی تنزّل شروع ہوا، اُس کے لحاظ سے یہ اُمید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل اور دماغ پیدا ہو گا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس' باز پسین تھا۔ شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابنِ رُشد' کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (بحوالہ: ارمغان شاہ ولی اللہؒ۔ مطبوعہ ادارہ ثقافت۔اسلامیہ۔لاہور)

"جیسا کہ خود اُس نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے لیکن اس کا عرش کے اوپر ہونا، کسی مکان یا کسی جہت میں ہونے کے معنی میں نہیں۔ اس کے عرش کے اوپر ہونے یا عرش پر استوٰی کی حقیقت یا کُنہہ یا تو خود اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ راسخین فی العلم جنہیں' اُس نے (اللہ جلّ جلالہٗ نے) اپنے پاس سے علم عطا کیا ہے۔

(مزید یہ کہ) اللہ کے سوا کوئی فیصلہ کرنے والا اور حکم
دینے والا نہیں۔ اشیاء کے حسن و قبح کے تعیّن،
اور افعال کے موجب ثواب و عذاب ہونے کے
بارے میں عقل کے ہاتھ میں فیصلہ نہیں۔ درحقیقت
اشیاء کا حسن و قبح اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حکم، اور
اس کی طرف سے لوگوں کو ان اشیاء کا مکلّف بنانے پر
ہے۔ پس ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں کہ
عقل اُن کے حسن و قبح کی وجۂ مصلحت اور ان کی ثواب
و عذاب سے مناسبت پا لیتی ہے اور بعض ایسی ہوتی
ہیں کہ ان کے حسن و قبح اور موجبِ ثواب و عذاب کا
علم پیغمبروں کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ان کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔۔۔۔

"قرآن، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے بذریعہ وحی اُتارا ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں ہے (مفہوم) "کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) یا پردے کے پیچھے سے یا اس کی طرف رسول بھیجے جو اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے اُسے وحی پہنچائے۔" یہ ہے وحی کی حقیقت۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے صفات میں الحاد جائز نہیں، اور شرع نے اسماء و صفات کی جو حدیں مقرر کی ہیں اُن پر رُک جانا چاہیئے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ......

اس کتاب میں کچھ شک نہیں ۔ راہ بتاتی ہے

ڈر والوں کو، جو یقین کرتے ہیں۔ بن دیکھا (البقرۃ)

محققین نے نزولِ قرآن کی تاریخیں اور ایام جمع کر کے بیان کیا کہ دریافت شدہ روایات کے مطابق نزولِ قرآنی کا مکّی دور نبی کریم ؐ کی ہجرت مدینہ سے گیارہ سال قبل رمضان کو شروع ہو کر ۸ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری پر ختم ہوتا ہے۔ ہجرت کے گیارہ دن شامل کر کے مجموعی طور پر مکّی سورتوں کے ایام چار ہزار چار سو بیس بنتے ہیں جبکہ مدنی دور کا آغاز ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ ہجری سے ہوتا ہے۔ اور تین ہزار چار سو پینتیس دنوں تک قرآنِ کریم مدینہ منوّرہ میں نازل ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح پورا زمانہ نزول قرآنِ کریم تقریباً ۲۲ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دنوں پر مشتمل ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مرتبین کا کہنا ہے کہ روایات میں معمولی اختلاف کے باعث قرآنی مدت کا یہ تعین تخمینی تصور کیا جانا چاہیئے

مکّی سورتوں میں: الفاتحہ ۔ الانعام ۔ الاعراف اور سورہ یونس سے لیکر الکافرون ۔ لہب ۔ اخلاص ۔ الفلق اور الناس تک الشمس سے اوپر سورتیں شامل ہیں۔ جبکہ **مدنی دور میں** درج ذیل سورتیں شامل ہیں۔

البقرۃ ۔ آلِ عمران ۔ النسآء ۔ المائدہ ۔ الانفال ۔ التّوبہ ۔ الرعد ۔ الحج ۔ النّور الاحزاب ۔ محمّد ۔ الفتح ۔ الحجرات ۔ الرحمٰن ۔ الحدید ۔ المجادلہ ۔ الحشر ۔ الممتحنہ ۔ الصّف ۔ الجمعہ ۔ المنافقون ۔ تغابن ۔ تحریم ۔ الدّھر ۔ الزلزال النصر

قرآنِ کریم کی تمام سورتیں اختصار اور تفصیل میں یکساں نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان میں مفاہیم کا ربطِ باہم اور ارشاداتِ ربانی کا ابلاغ مضمر ہے۔ فصاحت و بلاغت میں یہ حُسنِ کلام اور خطابِ جمیل کا ایسا شاہکار ہے کہ اس کا کوئی جواب، کوئی ثانی نہ کبھی موجود تھا نہ کبھی آئندہ ممکن ہے۔ جبکہ مخالفین دینِ برحق کو اس کا ثانی اور اس کے مثل کلام حکمت اور اسلوبِ یگانہ لانے کا چیلنج بھی دیا گیا۔ لیکن کلامِ ربانی کا نمونہ بڑے بڑے فصیح اللسان، خطیب، انشا پرداز، شعر گو، اور قادر الکلام ماہرین نثر و نظم تخلیق کر کے

موازنے کے لئے نہ لا سکے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا جو واقعہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی ہمشیرہ اور بہنوئی کے گھر سے منسوب ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے قرآنِ کریم نازل ہوتا رہا۔ اُسے جمع کیا جاتا رہا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب سیّدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے قرآنِ کریم کی تدوین پر باقاعدہ کام شروع کیا تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں نہ صرف مصحفِ قرآنی کو پوری دنیا میں پھیلانا ممکن ہو گیا بلکہ عہدِ عثمانی میں مکّی قرأت پر ایک انداز سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو قرآن کی تلاوت کی تربیت میسّر آئی۔ اور آج تک کلامِ الٰہی اپنے کُل اور اپنی جزئیات میں حفّاظ اور قرأ کے سینوں میں اور قرآنی اوراق میں من وعن محفوظ و مامون ہے۔ مدینے کی اسلامی فلاحی ریاست نے قرآنی ابلاغ کے فریضے کی ادائیگی اس انداز سے کی کہ بہت سے انقلابات اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے مرحلے قرآن کریم پر کوئی ناموافق اثر نہ ڈال سکے۔

اسکندریہ، بغداد، اور قرطبہ کے عظیم الشّان کُتب خانوں کی لاکھوں کتابیں آج نایاب ہیں۔ جلادی گئیں یا دریا بُرد کردی گئیں۔ یا اسلام کے مخالف اپنے مخصوص مقاصد کیلئے اُٹھا لے گئے۔ لیکن الحمدُللہ وہ قرآن جس کے بارے میں خود ارشادِ ربانی ہے کہ پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ (اس کے جاہ و جلال سے) ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ آج بھی کائنات کے تمام انسانی ساختہ دساتیر پر حاوی اور دستورِ مطلق ہے۔

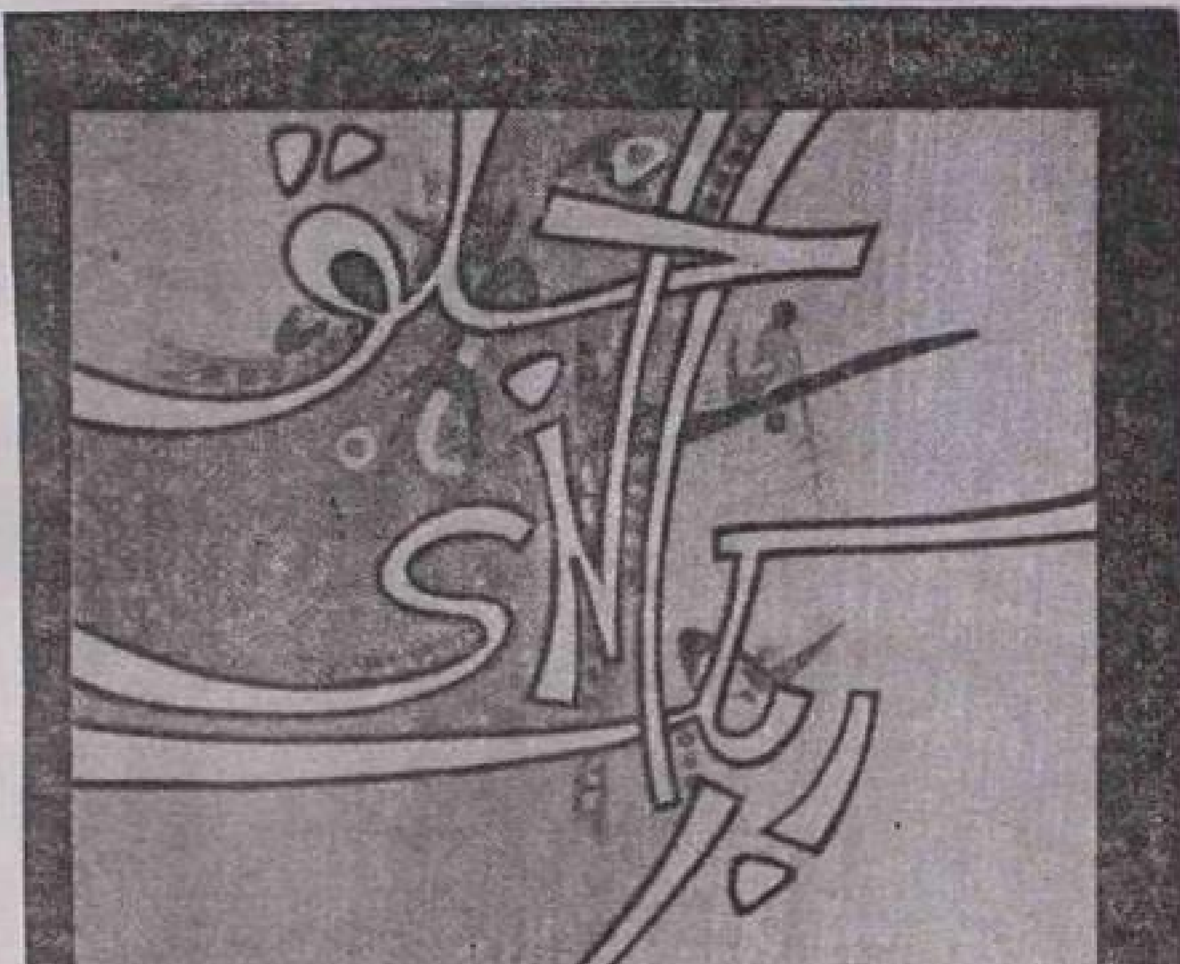
حضور سرورِ عالمؐ کی ذاتِ پاک کے کرشموں میں سے ایک کرشمہ آپؐ پر کتاب حکمت و دانش قرآن مجید کا نازل ہونا ہے۔ اور تکمیلِ شریعت کے لئے اللہ جل شانہٗ کا اپنے محبوب پیغمبر ختم المرسلینؐ کا منتخب کرنا ہے جو اس مقصد کے لئے ہی خاص اوصاف و محاسن سے مُمیز کئے گئے تھے۔ جن کی نہ کوئی نظیر ہے نہ محض عقلی تعبیر۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے عربی رسالے "تاویل الاحادیث" فی رموز

قصص الانبیاء" میں فرماتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وہ اُصول، جو اُن علوم کی تاویل اور تعبیر کے مرجع ہوتے ہیں۔ بہت سے اُمور ہیں۔ ایک یہ کہ ملاءِ اعلیٰ (مقدس ملائکہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک فطری مناسبت تھی۔ بسبب اس کے کہ آپ کا نفسِ ناطقہ بلند تھا۔ آپ کا وہ مزاج جن کا تعلق نسمہ یا روحِ طبّی سے ہوتا ہے، کامل و معتدل اور اچھے اخلاق کا مستوجب تھا۔ اور نفسِ ناطقہ اور روحِ طبّی کا اجتماع اتفاق اور یک جہتی پر تھا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے آپ کے قلبِ مبارک میں دوامی تائید ہوتی ہے، اور یہ تائید کبھی اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ ملاءِ اعلیٰ آپ کو دکھائی دیتے تھے۔ کبھی آپ سے باتیں کرتے تھے، اور آپ کے دل میں الہام کرتے تھے اور کبھی آپ ان کو خواب میں دیکھتے تھے ۔۔۔۔۔ جب آپ بیداری اور نیند میں ہر طرف سے یکسر بے تعلق ہو کر ملاءِ اعلیٰ کی تائید کے لئے منتظر ہوتے تو ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے مطابق جو آپ کو گھیرے ہوئے ہوتے اللہ کی مشیّت کے مطابق آپ پر تائید کا فیضان ہوتا رہتا ۔۔۔ آپ کے اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان اس تعلق اور ربط کی بنا، پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ملاءِ اعلیٰ کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم



متوجہ تھی۔ اُن کی برکتیں ہر وقت آپؐ کا احاطہ کئے رہتی تھیں۔

شاہ صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی استعداد کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی ملاءِ اعلیٰ سے تہذیبِ نفس کے علم کو حاصل کرنے کے مستحق تھے۔ اور یہ اس لئے کہ آپ نفسِ عالیہ، روحِ کامل اور مزاجِ متوازن کے حامل تھے۔"

اس طبعی خصلت کے باعث آپؐ کا سینہ شق ہوا۔ اس میں حکمت اور ایمان بھر گیا۔ اور آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ پھر آسمانوں تک اور اس کے بعد جہاں تک اللہ نے چاہا آپؐ کو لے جایا گیا۔ آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح دیکھیں اور ملائکہ کو اُن کی اپنی صورتوں اور اشکال میں دیکھا۔ مدینہ۔ اور۔ قرآن۔ کا اس سے زیادہ اور گہرا تعلق کیا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود ارشاد فرمایا: کہ

"مدینہ قرآن سے فتح کیا گیا۔"

پھر یہ کہ تکمیلِ نزولِ قرآن اور جمع القرآن کے اہم واقعات یہاں رونما ہوئے اور قرآنی نسخے پہلی بار، اسی شہرِ نبویؐ سے دور دراز مسلمانوں کو زیرِ اثر آجانے والے علاقوں میں بھیجے گئے۔ گویا مدینہ قرآنی نشر و اشاعت کا معروضی انداز میں مرکز بنا۔ اللہ کے رسولِ آخریںؐ جلیل القدر صحابہؓ، اُمہات المومنینؓ، مجاہدینِ اسلام، سب ہی لوگ قرآنِ کریم کی باقاعدہ تلاوت کرتے تھے۔ اور حفاظ سے سماعت کرتے تھے۔ اس کا ایک بہترین طریقہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی صورت میں بھی مقبولِ عام ہوا۔ نبی کریمؐ نے اسے خود اختیار فرمایا۔ تین روز میں قرآنِ کریم کی تلاوت مکمل کرنا حضور نبی اکرمؐ کی سُنت ہے۔

ترمذی و دارمی میں حضور اکرمؐ کی یہ حدیث منقول ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سینے میں

کچھ بھی قرآن نہ ہو وہ ایسا ہے، جیسے اُجاڑ گھر۔"

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا۔

"تم میں سے بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآن کریم کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔"

حضرت عبیدہ ملیکیؓ کی روایت اور ارشاد گرامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ

"اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ۔"

جو لوگ، خوبصورت جزدان میں قرآنِ کریم کو طاقِ نسیان میں سجا کر رکھ دیتے ہیں۔ تلاوت نہیں کرتے۔ اِس حدیثِ پاک سے سبق لیں۔

قرآن کریم اور عالمِ اسلام

ہمارے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ عصرِ جدید کے مسائل و مصائب میں گھرے ہوئے ماحول، ناقص نظامِ تعلیم، غیر مسلموں کے تمدنی اثرات سے مسخ ہو جاتے والے اندازِ معاشرت کے سبب نئی نسل کی صحیح فکری، علمی اور دینی تربیت کے تقاضوں پر سنجیدہ توجہ دیں، اور تعلیم القرآن کے ذرائع کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنائیں۔ قرآنِ کریم اپنی عظمت و فضیلت میں ہم جمیع مسلمانانِ عالم بلکہ پوری دنیائے انسانیت پر خالقِ حقیقی کا احسانِ عظیم ہے۔ یہ ایک ایسا مینارۂ نور ہے جو ہمارے ظاہر و باطن کی تمام تاریکیوں کو روشنی میں بدل دیتا ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کے عطا کردہ اِس دستورِ حیات کو خدانخواستہ ترک کر کے کوئی اور طرزِ حیات اندازِ معاشرت اور فلسفۂ حکمت و دانش ہمیں دنیا و عقبیٰ میں فلاح و راحت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ یہ اِذنِ عام تو خود فرمانروائے کائناتِ معلوم و نامعلوم اور حاکمِ مطلق

کن فیکون کا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ...... (آیت ۵۵ سورۃ الکہف القرآن)

یہ ہماری اپنی کوتاہ اندیشی ہے کہ اس مکمل قرآنی ضابطۂ حیات پر عمل کرنے کی بجائے اس سے انحراف کی موشگافیاں اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ اُسے اپنی روشن خیالی اور جدت طرازی سے تعبیر کر کے مزید انحطاط، انفرادی پریشان خیالی اور اجتماعی ذلت و بربادی کو دعوت دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت ترتیل سے ہو یا تجوید سے حسنِ قرأت کا جوہر دلِ نشین رحمتِ خداوندی سے عطا ہوا ہو یا تفہیم و تشریح کے ساتھ مطالعہ آیاتِ ربانی کیا جارہا ہو، ان سب کی اپنی اپنی فضیلت و سعادت ہے۔ اس لئے جس بھائی یا بہن کو اپنے گھر، اپنے ملک میں یا حرمین شریفین میں جس طرح بھی یہ دولتِ اجر و سعادت حاصل ہو سکتی ہو، کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔ جامع ترمذی اور دوسری کُتبِ احادیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے قرآنِ پاک کا ایک حرف پڑھا، اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانونِ کرم کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے (مزید وضاحت کے لئے فرمایا (میرا یہ مطلب نہیں کہ) الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک لام ایک اور میم ایک حرف ہے اس طرح الٓمٓ پڑھنے والا تین نیکیوں کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا۔

امامِ تفسیر حضرتِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی عادت تھی کہ ختمِ قرآن کے وقت جمع ہو کر دعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ختم قرآن کے وقت حق تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ

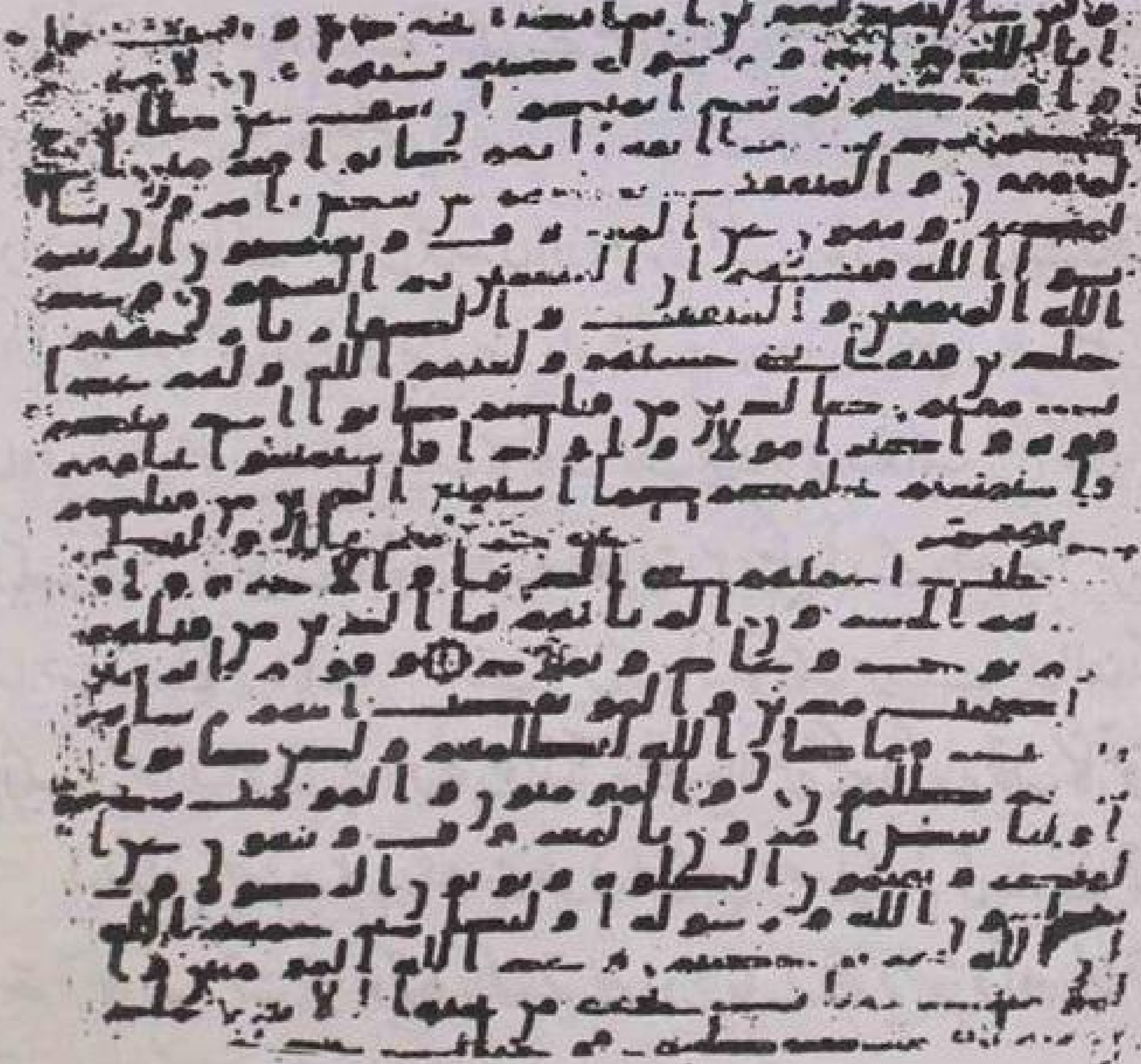
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآنِ کریم کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔"

اس حدیثِ نبویؐ میں دراصل اللہ جلّ شانہٗ کی اس نوید جانفزا کی ترجمانی مل جاتی ہے کہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآنِ حکیم سیکھے اور سکھائے۔ خوش قسمت ہیں اس پر عمل کرنے والے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ ۝

مُصحفِ عثمانؓ



مُصحفِ حضرت عثمانؓ۔ یہ نادر نسخہ کتب خانہ تاشقند (سوویت یونین) میں محفوظ ہے

مدینہ فلاحی اسلامی ریاست

ابتدائی مسائل :-

مدینہ ابتداء میں صرف اشاعت دین کا مرکز تھا۔ لیکن پھر سیاست سفارت داخلی نظم ونسق اور امور خارجہ بلکہ دن بدن وسیع ہوتی ہوئی۔ فلاحی اسلامی ریاست کا صدر مقام بھی بنا۔ کیونکہ مکہ مکرمہ سے ہجرت مدینہ کے حکم الہٰ العالمین کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل رہائش اسی شہر میں تھی۔ اور اللہ جل شانہ، کی رضاو منشاء یہی تھی کہ جس دین حق اور عقیدہ توحید ورسالت آخری کا آوازہ اس کے محبوب پیغمبرؐ نے وادی القریٰ مکہ معظمہ میں بلند کیا ہے۔ اسے انسانی زندگی کے ایک انقلاب کی صورت میں مدینہ طیبہؐ میں تشریف فرما ہو کر مکمل کریں۔

ظاہر ہے کہ شمع حق کے پروانوں کی تعداد مختصر تھی پھر مکہ سے عالم بے سروسامانی میں ہجرت کر کے مدینے آئے تھے ان مہاجرین کو اپنے گھر بار، روزگار، اور اہل وعیال کے لئے تمام معاملات نئے سرے سے شروع کرنے تھے۔ یہ ان کے لئے نئی بستی تھی۔ نئے لوگ تھے۔ معیشت اور معاشرت پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ پشت ہا پشت کے معمولات اور فرسودہ رسم ورواج تھے۔ سرمایہ داروں اور سودخوروں کی غالب اجارہ داریاں تھیں قبائلی دشمنی اور خاندانی آویزش کے مسائل موجود تھے۔ جو جتنا بارسوخ اور متمول تھا وہ خود کو ناانصافیاں اور حق تلفیاں کرنے میں اتنا ہی آزاد پاتا تھا۔ کم تولنا، جھوٹ بولنا، فریب دینا، مجرم کو پناہ دینا، خیانت کرنا، اور شراب وشباب کی محفلیں سجا کر سوقیانہ شاعری کرنا ایسے افعال قبیح تھے کہ اس وقت کا معاشرہ ان مشاغل پہ ندامت تو کیا محسوس کرتا فخر کا اظہار کرتا تھا۔ روزمرہ زندگی نہ کسی نظم وربط

سے عبارت تھی نہ سب کو یکساں خوشحالی اور مساوی شہری حقوق حاصل تھے۔ نسوانی وقار اور خواتین کے حقوق کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ کفر و شرک کے اندھیروں میں دین اسلام پوری ملی زندگی اور پوری گمراہ سوسائٹی کے لئے اجالا بن کر آیا تھا۔

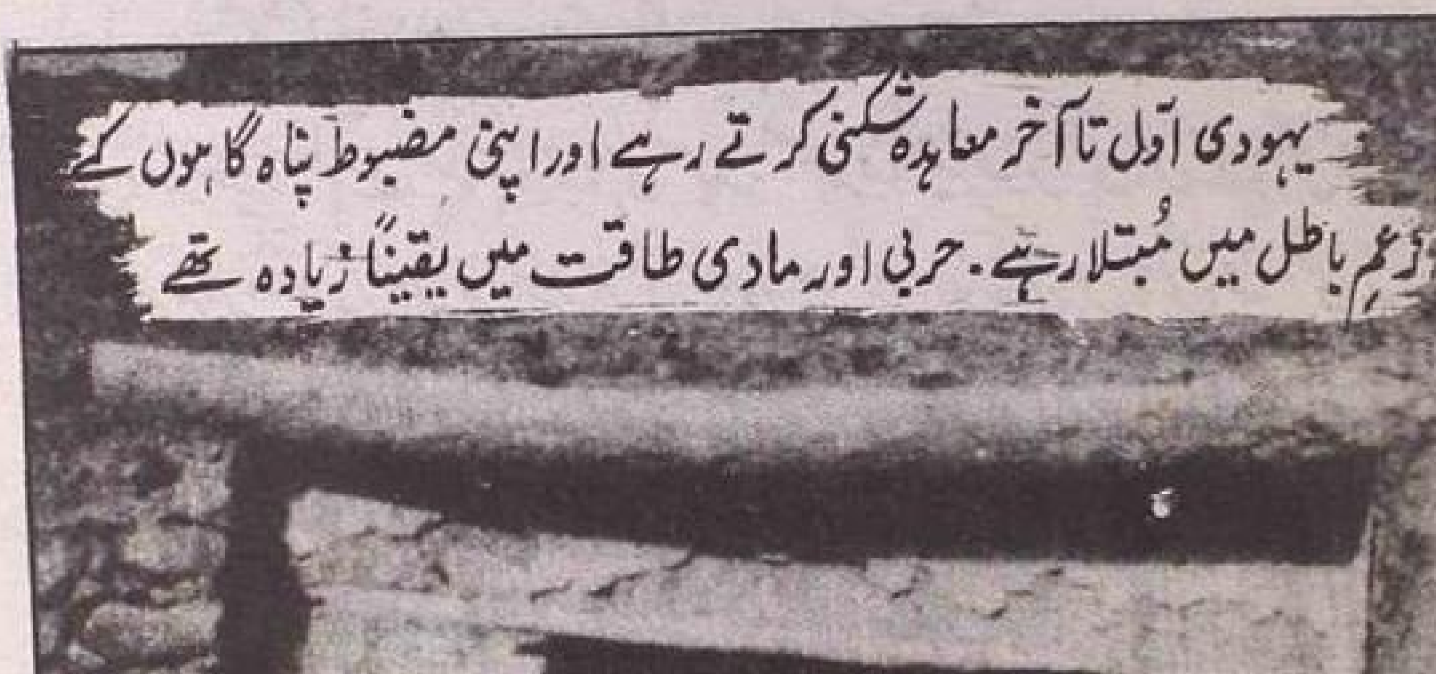
یہ حق پرست مہاجرین کا قافلہ جب سرکار دو عالم محسن انسانیتؐ کی قیادت اور رہبری میں یہاں آیا تو سب سے پہلے اس بات پر توجہ دی گئی کہ تمام طبقات آبادی میں ربط و مفاہمت ہو، ایک دوسرے کے لئے خطرہ بنے رہنے کی بجائے تحفظ باہمی اتفاق اور حفظ و امان کی ضمانت بن جائیں اور جب شہر اور نواحی علاقوں کی اقوام برادریاں اور مذہبی فرقوں میں بعض بنیادی اور مشترکہ معاملات پر ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو امن و سلامتی کے دین کی تعلیمات انہیں دین و دنیا کے حوالے سے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ بھی ٹھیک ٹھیک سمجھا دیں۔

چنانچہ آقائے دو جہاںؐ نے بلا تامل قدیم آبادی کی جانب دست تعاون دراز کیا اور مختلف قبائل، خاندانوں اور مذہبی و نسلی فرقوں سے باہمی اتحاد، دو طرفہ جانی و مالی تحفظ کے معاہدے شرافت اور انصاف کے مسلّمہ اسلامی تقاضوں کے مطابق طے کرنا شروع کر دیئے۔ معاہدے کے کسی فریق کے حقوق کیا ہو سکتے ہیں اس امر کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔ اور اس کے بعد مسلمانوں نے ان معاہدوں کے مطابق اس نئے شہر میں اپنی روز مرہ زندگی اور تبلیغی ذمہ داریوں کا آغاز کیا۔ اگر مسلمان کسی وقت میدان جنگ میں اترے بھی تو وہ محض اپنے دین حق کے دفاع کے لئے جس میں اکثر و بیشتر کفر و باطل کو ہی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ مسلمان اس لئے ہرگز نبرد آزما نہیں ہوتے تھے کہ انہیں کوئی جنگی جنون تھا یا شوق خوں ریزی مجبور کرتا تھا۔ بلکہ یہ مجاہدین صف شکن تو محض ذوق جہاد اور شوق شہادت لے کر دین و ملت کے اجتماعی مفاد میں دشمن کے مقابل شمشیر زن ہوتے تھے۔ اور جنگی ساز و سامان کی بجائے نصرت

خداوندی اُن کا رخت سفر اور وسیلہ جہاد ہوتی تھی۔ مسلمان ہر حالت میں معاہدوں کی پابندی اور زیر دست آجانے والے دشمنوں سے صلہ رحمی روا رکھتے۔ لیکن یہودی قبائل اور منافق طبقے، ہر آزمائشی مرحلے میں ساتھ چھوڑ جاتے اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے۔

مہاجرین اور انصار کے یہود قبائل سے معاہدے :۔

یہود اور منافقین بدقسمت تھے کہ مدینے کی مثالی معاشرت اور پاکیزہ معمولات کی زندگی میں اپنی سازشوں کا زہر گھولنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ہجرت نبوی کے بعد



قلعہ مرحب (قموص) خیبر کی فصیلیں پتھروں سے اس طرح مضبوط بنائی گئی تھیں، کہ کوئی لشکر داخل نہ ہوسکے۔ مجاہدینِ اسلام نے اپنی ایمانی قوت سے اس دشوار گزار قلعہ بندی کو تسخیر کرلیا۔

ان بدطینت یہودیوں کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا کہ کس طرح اسلام کی حقانیت کی پھیلتی ہوئی روشنی کو لوگوں کے قلوب میں اُترنے سے روکیں۔ چنانچہ جب کوئی موقع ان کے مطلب کا آتا اُسے ہاتھ سے نہ جانے دیتے قبیلہ خزرج کے ایک عیار شخص ابو عامر نے عیسائیت اختیار کر کے بظاہر ایک راہب کی زندگی اختیار کر لی تھی یہ راہب نہ زندگی ایک طرح کی کاروباری منفعت تھی جب یثرب مدینہ بن کر چار دانگ عالم میں چمکا تو اس کی فریب کاری کا دھندا زوال پذیر ہونے لگا اس نے اپنی ہر ناکامی کا بدلہ مسلمانوں سے لینے کا تہیہ کر لیا۔

ابن کثیر کی تفسیر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ مدینہ منوّرہ کے نواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو پہلی مسجد۔ مسجد قبا تعمیر کرائی تھی اس کے بالکل نزدیک "مسجد ضرار"، تعمیر کروانے کے سازشی منصوبہ میں بھی ابو عامر پیش پیش تھا۔ حتیٰ کہ غزوہ احد کے موقع پر اس شخص نے نہایت ہوشیاری سے کچھ گڑھے کھدوائے تھے جن کا مقصد بظاہر اسلامی لشکر کے مخالفین کو پریشان کرنا تھا لیکن باطن میں مسلمان مجاہدین کا جانی نقصان کرنا تھا۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اس کے کھُدوائے ہوئے ایک گڑھے میں دوران جنگ، خود سرور انبیاء، سید المرسلین رحمۃ" للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں پھسل گیا۔ اور گرنے کے سبب نبی پاک زخمی بھی ہوئے وہ نبی پاکؐ اور سید المرسلین کہ جن کی تعریف و ستائش خود خالق حقیقی نے کی اور جن کے ذکر کو قرآن مجید فرقان حمید میں بلند فرمایا گیا اور صدق وجمال کا عکس نور کہ ملائکہ سلام و ادب بجالاتے اور خیر البشر فخر موجودات کی وہ ذات والا قدر کہ ان کی اقتدا میں انبیاء کرام نے نماز باجماعت ادا کی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں صاحب التاج والمعراج ہونے کی سرفرازی عطا کی۔ حیف صد حیف یہ تکلیف اُنہیں پہنچائی گئی کہ جن کا وجود دونوں جہانوں کے لئے رحمت ہے۔

واقعات کو ترتیب سے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ عام معاشرت لین دین، اقتصادی امور میں یہودیوں کا جو منفی کردار دیکھنے میں آتا، وہ کسی متوقع جنگ کے ایام میں بہت ہی معاندانہ اور شر انگیز ہو جاتا یہ لوگ اپنے سرمائے اور لہو ولعب کی محافل عشرت میں منافقین کو خوب اپنا لیتے اور براہ راست مخالفت کی راہ نہ پاکر حق پرست مسلمانوں میں آنے والے حالات و نتائج کی مفرت رساں منظر کشی کر کے انہیں فتح و کامرانی کی جانب سے مایوس کرتے اور شکوک و شبہات پھیلاکر یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ مسلمانوں نے پہلے غزوہ میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ محض اتفاقی امر تھا۔ اب میدان میں اتریں گے تو دشمن کی بے پناہ افرادی قوت اور وسائل حرب کی تاب نہ لاسکیں گے ظاہر ہے جن صحابہ کبارؓ کو آقائے دوجہاں کا فیض صحبت زیادہ نصیب تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں اپنا زیادہ وقت گذارتے تھے۔ ان پر ایسی باتوں کا ذرہ بھر اثر نہ ہوتا لیکن جو لوگ دوسروں کی سُنی سنائی باتوں پر انحصار کرتے تھے وہ اپنے دردمندانہ جذبات اور سادہ لوحی کے باعث فکر و تردد میں مبتلا ہو جاتے

ابن سعد کا بیان ہے کہ تبوک کی مہم کے موقع پر اس (عیار) ابو عامر راہب اور اس کے ساتھیوں کے بہکانے میں کوئی اسّی اشخاص آگئے تھے۔ گویا ان کا دل و دماغ حق و باطل کے کسی فوری نئے معرکے میں شرکت کے لئے آمادگی کی بجائے وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔

منافقوں کا سرخیل المنافق المعروف عبداللہ بن اُبی تو ایسے مواقع پر مسلمانوں کی زندہ لاشوں کے لئے کرگس بن جاتا تھا دونوں حربے آزماتا تھا۔ مثلاً گمراہ کن خبریں اور بھرپور افواہ سازی اور دوسری طرف اندرونی صفوں میں وہ گھل مل کر انتشار پھیلانے کی مہم جوئی میں ہمہ تن مصروف رہتا۔

مدینے کو ایک مہذب اور متمدن معاشرے کا شعور عطا کر کے مختلف قبائل کے

درمیان اعتماد و تعلق سے مربوط فضا استوار کئے بغیر ترقی دینا اور امن و سلامتی کا گہوارہ بنانا ممکن نہ تھا۔ اور اسلام تو لوگوں کے درمیان محبت و ہمدردی کا پیغام بن کر ہی آیا تھا اور عہد و پیمان پہ قائم رہ کر عہد شکن اور منافق معاشرے کے لئے مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی خدا پرست جماعت ایک مثال اور اُمید و اعتماد کی ایک روشنی بننے والی تھی

لہٰذا ایک طرف حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت اور مواخاۃ کے رشتے مستحکم کئے تاریخ انسانی کا یہ ایک درخشاں اور اچھوتا باب ہے کہ جس کی مثال دنیا کے کسی ملک، کسی خطّے یا کسی اور قوم میں یا نسل میں نہیں ملتی۔ کہ زمین کے ناپائیدار رشتے کو یکسر بے حقیقت بنا کر ایک دین، ایک ربِّ کائنات اور ایک قرآن کو ماننے والے مختلف النسل، افراد کو زبان و ثقافت کے فرق اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر روحانی رشتے کے سچے موتیوں کی ایک تسبیح میں پرو دیا جائے۔ جہاں کالے گورے شہری، دیہی عربی، عجمی، شرقی غربی ہر خاندان یا فرد کو ایک دوسرے کے مساوی حیثیت حاصل ہو۔ اور برتری یا افضلیت کا پیمانہ صرف اور صرف تقویٰ قرار پائے۔ یعنی اعمال کی اچھائی اور کردار کی پاکیزگی۔ موروثی شان و شوکت اور خاندانی امارت و وجاہت کی بدولت ہر عہد ہر نسل میں خود کو دوسروں سے برتر و بالا باور کرانے کا تصوّر سراسر عرب دور جاہلیت کا شاخسانہ تھا اگر ظہور اسلام کے بعد بھی کوئی فرد یا طبقہ اُمّت میں یہ درجہ بندی برقرار رکھنے پر مصر ہے بضد ہے۔ لایعنی بحث میں اُلجھا ہوا ہے۔ اور یک طرفہ دلائل کا طومار باندھے ہوئے ہے تو ایسی صورتحال میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ اس شخص یا گروہ نے اسلامی انقلاب اور اسلامی دستورِ حیات کا مفہوم صحیح طور پہ سمجھا ہی نہیں ہے اور اگر دانستہ ایسا کر رہا ہے تو مسلمانوں کو جادہ صداقت اور استقامت ایمانی سے ہٹا رہا ہے۔

مدینہ منورہ کے جملہ طبقات آبادی میں محسن انسانیت صاحب جُود و سخا حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح جوئی اور مفاہمت کے مستقل قیام کے لئے ایک معاہدہ طے کرایا جسے نہ صرف "میثاق مدینہ" کے نام سے عظیم الشان تاریخی اہمیت حاصل ہوئی۔ بلکہ غیر جانبدارانہ تحقیق سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ "میثاق مدینہ" دراصل بین الاقوامی معیار کا پہلا تحریری منشور بھی ہے۔ جو مملکت کے انتظامی امور میں جملہ اقوام، نسلوں، اور قبائل کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔

عالم اسلام کے مشہور مُصنف و محقق ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب "سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا بہ خلافت راشدہ" میں تصریح کرتے ہیں کہ مدینے کے اس معاہدے کے فریقوں میں مدینے کے مسلمان، مدینے کے یہودی، مدینے کے نصرانی، مدینے کے غیر مسلم، مکہ سے آنے والے وہ قریش جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے۔

سیرت ابن ہشام سے بھی یہ وضاحت ملتی ہے کہ اس معاہدہ کے یہ نکات بنیادی شرائط کے مترادفات میں شامل تھے۔

۱:۔ مہاجرین و قریش ایک ہی جماعت تصوّر ہوں گے۔

۲:۔ مہاجرین فوجداری جرائم پر اپنے آدمیوں کی جانب سے مقررہ دیت (خون بہا) ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

۳:۔ مہاجرین کے کسی آدمی پر کسی نے فوجداری نوعیت کا ظلم کیا تو وہ اس کی دیت (خون بہا) وصول کرنے کے مستحق بھی ہوں گے۔

۴:۔ مدینہ کے انصار (اوس و خزرج) فوجداری جرائم پر اپنے آدمیوں کی مقررہ دیت (خون بہا)، وصول کرنے کے مستحق بھی ہوں گے۔

۵:۔ مدینے کے رہنے والوں میں بنی عوف کے حقوق کا بھی وہی لحاظ ہو گا۔ جو ان میں پہلے سے رائج ہے جس کے مطابق انہیں دیت اور خون بہا لینے اور ادا کرنے کی

پابندی کرنا ہو گی اس معاملے میں کسی فریق کو کسی پر ترجیح نہ ہو گی۔

۶:۔ دیت کی ادائیگی کی صورت میں مسلمان کوئی دوسرا راستہ نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

۷:۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے غلام پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کریگا

۸:۔ جو مسلمان خود یا اس کا بیٹا جماعت میں فساد اور تفرقہ پیدا کرنے میں معاونت کرے اس کے خلاف تمام مسلمان یک جا ہو کر یہ فتنہ فرو کریں گے۔

۹:۔ مسلمان ایک دوسرے کو کسی کافر کی طرف داری میں قتل نہ کریں گے نہ مسلمان کے خلاف کسی کافر کی نصرت کریں گے۔

۱۰:۔ مسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پہ اللہ کی پناہ میں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست دار ہیں۔

۱۱:۔ یہود میں جو شخص معاہدے کی پابندی کا وعدہ کرے مسلمانوں کی نصرت اس کے لئے بھی ہے اس کے دشمن کے مقابلے میں مسلمان اس کے دوش بدوش مقابلے میں شریک رہیں گے۔

۱۲:۔ مسلمانوں میں سب کا درجہ مساوی ہے۔

۱۳:۔ اگر جہاد میں ایک مسلمان دشمنوں سے صلح کرے تو یہ صلح تمام مسلمانوں کو منظور ہو گی۔

۱۴:۔ کوئی مسلمان عدل و انصاف چھوڑ کر کفار کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا۔

۱۵:۔ غیر مسلموں کا جو لشکر مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد ہو گا وہ نوبت بہ نوبت مورچہ پہ آئے گا۔ ——— (بحوالہ حیات محمد از محمد حسین ہیبکل)

● شرکا معاہدہ میں کوئی شخص قریش مکہ سے کسی کے جان و مال کو نہ تو پناہ دیگا نہ مسلمان کے مقابلے میں مکہ کے کسی قریش کی حمایت کرے گا۔

- اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اس کے خلاف گواہی حاصل ہونے کے بغیر قتل کر دے گا تو اس شخص سے قصاص لیا جائے گا۔ بشرطیکہ مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر دیں یا دیت لینے پر رضامند ہو جائیں۔ (بحوالہ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۱۷)
- تمام مسلمان اس معاہدے پر متفق ہیں اور وہ اس میں کسی دفعہ کا انکار نہیں کر سکتے جس مسلمان نے اس معاہدے کا اقرار کر لیا وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔
- کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کو پناہ دے۔
- مسلمان اپنے اختلاف میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں۔
- ہر قاتل سزا کا مستحق ہو گا۔
- اس معاہدے کی رو سے قریش اور اس کے حلیف کو پناہ نہیں دی جائے گی۔
- مسلمان کے لڑائی میں شہید ہونے کے بعد ایک دوسرے مسلمان پر اس کی ذمہ داری عائد نہ کی جائے گی۔
- تمام مسلمان اسلام کے احسن اور قومی طریق پہ ثابت قدم رہیں گے۔
- کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کیخلاف پناہ نہ دیگا نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہو گا جو مشرک نے ناجائز طور سے مسلمان کے مال سے حاصل کیا ہو اور نہ کوئی مسلمان مشرک کی حمایت میں مسلمان کے درپے ہو گا۔
- مسلمان کے قتل ناحق پر اگر مقتول کے ورثاء رضامندی سے دیت لینے پر مائل نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائے گا۔

تاریخ ابن خلدون، سیاسی وثیقہ جات مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ، اور ابن ہشام کے حوالے سے ایسے نکات بھی جمع کئے گئے ہیں جن کا تعلق مدینے کے اندر اور نواحی

علاقوں میں آباد یہودی قبائل سے تھا۔ ہم چونکہ یہاں ہجرت مدینہ کے بعد کے واقعات اس تاریخی پہلو کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں اس لئے یہود قبائل سے طے پانے والی شرائط بیان کی جارہی ہیں۔

- مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی مدد کرنا یہود پر واجب ہو گا۔
- قبیلہ بنی عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ اور یہ ذمہ داری بنی عوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی مانند عائد ہو گی۔ عدم پابندی کی صورت میں ان کے آقا ان کی طرف سے جواب دہ ہوں گے۔ سرکشی کی صورت میں نہ صرف بنی عوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچوں پر مواخذہ کیا جاسکتا ہے۔ یہود قبائل کا کوئی فرد یا شاخ یا ان کے حلیف اس شرط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر بے تعلق قرار نہیں پا سکتے۔
- مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔
- یہود کا کوئی فرد یا جماعت کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔
- یہود کا جو فرد قتل ناحق کا ارتکاب کرے اس کا وبال اس کی ذات اور اہل و عیال سب پر آسکتا ہے۔
- مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارف زندگی کے خود کفیل ہوں گے۔
- مسلمان اور یہود دونوں میں سے جو فرد اس قرار داد سے منحرف ہو گا دوسرا فریق اس باغی پر قابو حاصل کرنے میں پہلے فریق کا معاون ہو گا۔
- یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے گروہ اور فرد کے ساتھ صلح اور نصیحت پر عامل رہیں گے۔ اور صلح و نصیحت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی درمیان میں نہیں آنے دیں گے۔

● —— فریقین میں سے کوئی فرد یا جماعت دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہیں کرے گی۔ بلکہ ایک دوسرے گروہ کے مظلوم کی حمایت کرنا اس کا فرض ہوگا۔

● —— مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار رہیں یہود ان کی مالی معاونت کرتے رہیں گے۔

● —— شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق سے جنگ کرنا حرام ہے۔

● —— ہر فرد اپنے ہمسائے کی طرف داری اپنے نفس کے مانند کرتا رہے گا۔

● —— مسلمان اور یہود باہمی اختلاف اور تنازعہ کا مقدمہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کریں گے۔

● —— یہود قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کی معاونت نہیں کریں گے اور نہ پناہ دیں گے۔

● —— مدینہ پر حملہ کی صورت میں شرکاء معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آور کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریق (یعنی مسلمانان مدینہ) کی حمایتی ہوگی۔

● —— اگر مدینہ پر حملہ آور لشکر مسلمانوں سے صلح کرنا چاہے تو معاہدہ کے شرکاء کو متفق ہو کر دشمن سے صلح کرنا ہوگی۔

● —— جنگی حالت میں معاہدہ فریق کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔ (ابن ہشام جلد اوّل)

● —— شرکاء معاہدہ میں سے ہر شخص کو اس قدر استحقاق حاصل ہوگا۔ جتنا حق اس کی قوم یا اس کے گروہ کے ساتھ طے کیا گیا ہے۔

● —— قبیلہ اوس کے یہود اور ان کے غلاموں یا حلیفوں یا موالی پر بھی اس قرارداد کی اس طرح پابندی ہے جس طرح دیگر فریق معاہدہ کے غلاموں، حلیفوں موالی یا خود اُن پر۔

● ـــــ شرکائے معاہدہ میں سے اگر کوئی شخص مدینہ میں اپنی سکونت رکھے یا اس کے باہر اقامت اختیار کرے ارتکابِ جرم کے بغیر اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

● ـــــ اس معاہدے کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

● ـــــ جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار ہے اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے خیر اندیش ہیں۔

(ابن ہشام جلد اوّل)

ایک طرف یہ جامع، منصفانہ اور بنیادی شہری حقوق سے مزیّن معاہدے فریقین نے اتفاق رائے سے تحریری طور پر منضبط کئے۔ دوسری طرف معاہدوں کی روشنائی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ یہودی سرداروں نے منافقت، عہد شکنی اور زیرِ زمین معاندانہ سرگرمی کا آغاز کر دیا۔ مومنانہ فراست اگرچہ ہر ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھنے کی متقاضی تھی لیکن بنی نوع انسان کے لئے رحمتِ مجسم بن کر آنے والے ہر ایک کے لئے خیر خواہانہ جذبات رکھتے تھے اور فلاح کے راستے پر چلانے کی کوششوں میں ثابت قدم تھے بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اللہ کے محبوب پیغمبرؐ نے مخالفین اور منافقین پر حجت تمام کرنے کے لئے مصالحت، انسانی ہمدردی، اتفاق باہمی اور صلۂ رحمی کے دروازے آخری لمحہ تک کھلے رکھے۔ اور مسلمانوں کی نیک نیتی کو مشکل ترین مراحل میں بھی برقرار رکھا۔ جبکہ یہودِ یثرب کی ستم رانیاں آئے دن عقرب صفت ہوتی چلی گئیں ذیل میں یہودی قبائل کی اسلام دشمنی کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ تاکہ آج کی نئی نسل جو جدید علوم اور ظاہری طور پر چمک دمک رکھنے والی تہذیب سے متاثر ہے یہود و نصاریٰ کی ازلی اسلام دشمنی کا اندازہ لگا سکے ـــــ اور ان کے پھیلتے ہوئے اثر و رسوخ کی مدافعت مسلمانوں کے عدم اتحاد کے باعث نہ ہونے کے تباہ کن نتائج پر

غور وفکر کرسکے۔

مدینہ منورہ میں مہاجرین مکہ کی آمد اور مسلمانوں کے ساتھ اس شہر کے تمام معتبر خاندانوں کی مُتفا ہمت ہو جانے کے باوجود، یہودی معاہدے کے ایسے فریق تھے جو خفیہ طور پر خط وکتابت یا پیغام رسانی کر کے مکہ کے مشرکین اور اسلام دشمن سرداران قریش کے ساتھ منصوبہ سازی کرتے رہے۔

ہجرت نبوی کے ابتدائی سالوں میں یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیغام بھیجا کہ اس میدان میں جو ہماری آبادی اور مسلمانوں کی آبادی کے درمیان واقع ہے۔ تیس صحابہؓ آپ ہمراہ لے کر تشریف لائیں۔ تیس احبار اور راہب ہماری جانب سے آئیں گے یہ ساٹھ اشخاص مل کر گفتگو کر لیں۔ اگر ہمارے تیس نمائندے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گفتگو سے مطمئن ہو گئے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے .....!

آنحضرتؐ نے ان کی یہ دعوت قبول کر لی اور اس مناظرے کے لئے تیار ہو گئے لیکن یہودیوں نے پہلے پیغام کو رد کر کے دوسرا پیغام بھیج دیا کہ ساٹھ اشخاص بہت ہوں گے شور وشغب بھی زیادہ ہو گا۔ بہتر ہے تین نمائندے آپ کے اور تین ہمارے ہوں جیسے ہی وہ گفتگو کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں گے ہمارا پورا قبیلہ ان کے فیصلے کی پیروی کرے گا۔ حضور اکرمؐ نے اس تبدیل شدہ پیش کش کو بھی قبول فرما لیا اور قطعی ممکن تھا کہ وہ یہودی نمائندوں سے گفتگو کے لئے تشریف لے جاتے کہ عین موقع پر خاندان بنو نضیر ہی کی ایک عورت نے اپنے بھائی کو مدینہ منورہ یہ اطلاع بھیجی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر دے "بنو نضیر نے آپ کے قتل کی سازش کی ہے جو تین آدمی، آپؐ سے گفتگو کرنے آئیں گے اپنے لباس کے نیچے خنجر چھپا کر لا رہے ہیں۔ تاکہ اپنا منصوبہ پورا کریں"۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے دل میں خیر خواہی

کا جذبہ ڈال دیا اس کے بھائی نے بہن کے پیغام کو امانت کے طور پر حضور اکرم ؐ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اس پیغام سے یہودیوں کے دعوتی منصوبے کا راز فاش ہو گیا۔ اور حضور اکرم ؐ راستے ہی سے واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح یہودیوں کا یہ ناپاک منصوبہ خاک میں مل گیا۔

حضور اکرم ؐ نے یہودیوں کی اس شر انگیزی پر تحمل فرمایا لیکن جاں نثار صحابہ کرام رضؓ نہایت مضطرب ہوئے ابھی چند روز گذرے تھے کہ یہود مدینہ کے ایک سردار اور بڑے عالم عبداللہ بن سلام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں قبولیت اسلام کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے بارے میں پہلے یہود کے عام خیالات دریافت فرما لیجئے۔ یہ لہجہ پُر اعتماد تھا حضورؐ اکرم ؐ نے مناسب التفات فرمایا۔ یہودی حلقوں کا ردِ عمل یہ تھا ——

"وہ ہمارا سردار ہے اور علامۂ عصر ہے"

آگے کی صورتِ حال یہ رہی کہ اِدھر توفیق الہٰی سے اس یہودی عالم نے اسلام قبول کیا اُدھر وہی یہودی جو کل تک ان کے علم وفضل میں رطب اللسان تھے طعن وتشنیع کا بازار گرم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے حق کی راہ پاکر مسلمانوں میں بڑا اعزاز واحترام پایا۔ لیکن یہودی نہ صرف ان کے دشمن ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے شدید منافرت پھیلانے والے مذہبی مباحثے شروع کر دیئے اور گمراہ کن تاویلات کا بازار گرم کر دیا۔ فخاص نام کے ایک یہودی نے قرآن کی آیات ربانی کے بارے میں ایسا گستاخانہ اعتراض کیا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ اسے سُن کر برداشت نہ کر سکے۔ اور ایک طمانچہ رسید کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر تم لوگوں سے ہمارا معاہدہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔"

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے اس نازک موقع پر

کمال ضبط وتحمل کی مثال قائم کی یہی بات اگر سیدنا عمر فاروق رضؓ سن پاتے تو شاید ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے۔

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا ننھا پودا رب کائنات کی رحمت آفرینی سے تنا ور شجرِ سایہ دار بن رہا تھا۔ فلاحی ریاست کے نظم ونسق کو مسلمان اپنے خالق حقیقی سے کیے ہوئے عہد وپیمان کے مطابق عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق چلا رہے تھے کہ ایک واقعہ پیش آگیا۔ بنو عامر قبیلہ کے ایک شخص عمرو بن امیہ ضمیری نے دو اشخاص کو قتل کر دیا یہ دونوں آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں تھے لہذا آنحضرت پہلے مدینے کے نواح میں بستی قباء میں تشریف لے گئے تاکہ وہاں کے لوگوں سے دیت کے لئے امداد حاصل کریں۔ بنو عامر اور بنو نضیر کے مابین پہلے سے معاہدہ تھا اس لئے بنو نضیر کو بھی دیت کی ادائیگی میں شرکت کرنا تھی بنو نضیر کی بستی میں آنحضرتؐ کو ایک مکان کی دیوار کے سائے میں دیوار کے بالکل ساتھ اس انداز سے بٹھایا گیا کہ اوپر سے آپ پر ایک بڑا پتھر کھسکا دیا جائے تو آپؐ اس کے صدمے سے شہید ہو جائیں۔ چنانچہ ایک شقی القلب شخص جس کا نام عمرو بن حجاش تھا۔ اس ناپاک منصوبے کے لئے روانہ ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیبؐ پاک کی حفاظت مقصود تھی لہذا عین وقت پر باری تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دے دی۔ آپ نے وہاں بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور مدینے واپس روانہ ہو گئے۔ صحابۂ کرامؓ کو علم ہوا سب نے مشاورت سے طے کیا کہ اب یہود کی ریشہ دوانیاں حد سے گذر چکی ہیں لہذا حتمی تدارک ضروری ہے اس کے لئے یہود سے فیصلہ کن جنگ کی تجویز آئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ اور جہاں مناسب سمجھیں وہاں چلے جائیں۔ پیغام لے جانے والے محمد بن مسلمہ نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ مدینہ خالی نہ کیا گیا تو ان سے مسلمان جنگ کریں گے۔

بنو نضیر نے مسلمانوں کی پیش کش قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے مضبوط قلعوں پر مشتمل بنو نضیر کی یہودی بستی کا محاصرہ کر لیا ——— ساز و سامان حرب اور ضروریات زندگی کی فراوانی انہیں حاصل تھی دوسرے یہ حسن ظن کہ منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی بن سلول اپنے دو ہزار جوانوں کو ضرور لائے گا۔ یہود قبیلہ بنو قریظہ کی مدد بھی متوقع تھی یہاں تک کہ محصور یہودی اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ بنو نضیر کا حلیف عرب قبیلہ بنو غطفان بھی اس موقع پر خاموش نہ بیٹھے گا۔ جب ان میں سے کوئی بھی محصورین کی حمایت کو نہ پہنچا تو پندرہ روز کے بعد بنو نضیر پسپا ہو گئے۔ اور انہوں نے مدینہ کو خالی کرنا منظور کر لیا۔ مسلمانوں نے اس موقع پر انہیں کوئی جانی و مالی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ انہیں یہ موقع سہولت کے ساتھ فراہم کیا کہ وہ جنگی اسلحہ کے علاوہ اپنا جو ساز و سامان ہمراہ لے جانا چاہیں لے جائیں۔ چنانچہ بنو نضیر کے یہودی خاندان مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہود کے لئے یہ بڑی ہزیمت اور خفت کا وقت تھا لیکن یہ مسلمان دشمنی اور خفیہ ریشہ دوانیوں کا شاخسانہ تھا۔ مسلمانوں کی جانب سے یہ متواتر ضبط و تحمل کے بعد ابتدائی ردِ عمل تھا۔

بنو قریظہ نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ نئے سرے سے معاہدہ کر لیا، واقدی المغازی نے صفحہ ۳۶۲ پر یہ واقعہ مذکور کیا اس معاہدے کے نتیجے میں بنو قریظہ بدستور مدینے میں سکونت پذیر رہے۔ بلکہ محسن انسانیت صاحب جود الکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے پر یہ احسان بھی فرمایا کہ خود بنی نضیر کے یہود اسے دوئم درجے کا قبیلہ قرار دیتے تھے ان کے کسی فرد کو قتل کرنے کا قصاص بھی نصف تھا۔ اب مسلمانوں کے دور میں ان کا درجہ مساوی کر دیا گیا احسان فراموشی میں یہود کا جواب نہ تھا۔ غزوہ احزاب مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش کا مرحلہ تھا۔ اس نازک موقع پر اس یہودی قبیلے نے نہ صرف بنی نضیر کے امیر الامراء حیی بن الاخطب کی ترغیب

پر آگر قریش کا ساتھ دیا بلکہ جنگ کے دوران حفاظت کے خیال سے جو خواتین مدینے میں محفوظ جگہ پہ جمع کر دی گئی تھیں ان پہ حملہ کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال غزوہ احزاب کے بعد مسلمانوں نے مکمل جانی و مالی تحفظ کے پیش نظر ان غداروں کی معقول سرکوبی کی۔

رحمۃ للعالمینؐ کا عفو و درگزر اور صلہ رحمی کی روشن مثالیں

رحمۃ للعالمینؐ کا عفو و درگزر:- مثالیں کسی محقق یا تاریخ انسانی معاشرت کے طالب علم کو تلاش کرنی ہوں تو ایسی روشن اور سبق آموز مثالیں عہد رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واضح کہیں ہرگز نہیں مل سکیں گی۔ خاک طیبہ کے ذرّوں کو شمار کرنا ناممکن ہو تو آئیں جوق در جوق عشاق محبوب سبحانی رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پلکوں سے ان ذرّوں کو چنیں اور گنیں، باران رحمت کے یہ قطرے اور ارض مدینہ کے یہ ریزے کہ جن کا شمار پہلے ممکن تھا نہ آئندہ ممکن ہے۔ انسانی فہم و قیاس سے باہر ہی رہیں گے، جانی دشمنوں کو معاف کر دینے کا یہ حوصلہ کون کہاں سے لائے گا۔ یہ کشادہ دلی یہ وسعت نظری، ظلم و تشدد کو برداشت کرنے کے لئے یہ غیر معمولی تحمل، یہ بردباری صبر و قناعت اللہ رب العزت کے محبوب پیغمبر، حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعہ صفات و کمال شخصیت میں ہی مضمر ہے۔ اپنوں اور بیگانوں کے لئے نبی پاکؐ نے محبت، شفقت اور ایثار و ہمدردی کا حق ادا کر دیا۔ جن کی فطرت میں کج روی تھی جن کے دلوں پہ جہل و عصیاں کی مہر لگی تھی۔ اُن کے لئے آقائے دو جہاں کے عفو و درگذر کے جواب میں ایک ہی پسندیدہ راہ تھی۔ منافقت کی راہ کینہ پروری اور بغض و عناد کی راہ، دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہو جانے کی راہ، خاندانی جاہ و حشم اور قبائلی روایات پہ عقبیٰ کی راحت و نجات کو قربان کر کر دینے کی راہ—— لیکن دوسری طرف رحمت کی برسنے والی گھٹائیں تھیں۔

ثمامہ بن اثال داعیٔ اسلام کا بدترین دشمن تھا آخر کار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتاری

عمل میں آئی۔ آنحضرتؐ سے آمنا سامنا ہوا تو عجیب منظر تھا۔ اِدھر رحمت عالمؐ کے چہرہ مبارک پر نہ غم و غصہ کی لہر نہ انتقام کے جذبہ سے مغلوب سرخی، کمال تحمل اور نرم روی سے دریافت فرمایا :۔ کیا حال ہے ،، ؟

ثمامہ نے جواب دیا" اگر میرے معاملے میں مجھے قتل کا حکم دیں گے۔ تو ایک خونی اس کا سزا وار ہے۔ بخش دیں گے تو شکر گذار ہوں گا۔ جرمانہ لینا چاہیں تو حاضر ہوں۔ رقم کا تعین کر دیجئے۔ آپؐ نے کچھ سزا دئے یا جرمانہ لئے بغیر اسے رہا کر دیا ـــــــ رہا ہوتے ہی وہ قریب کے ایک باغ میں گیا وہاں غسل کیا۔ اور پھر واپس آیا اور آتے ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضور اکرمؐ سے مخاطب ہوا۔ اے رسول اللہؐ۔ دُنیا میں آپؐ سے بڑھ کر محبوب میری نظر میں کوئی نہیں ہے۔ بخدا آپ کے شہر (مدینہ) سے مجھے بے انتہا نفرت تھی لیکن اب یہ دیار دنیا میں ہر مقام سے زیادہ مجھے مرغوب ہے۔ بخدا آپؐ کا دین میرے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ لیکن اب یہی دین میرا مقصد حیات ہے۔

اپنے وطن جاکر ثمامہ بن اصال کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ مکہّ جو اناج بھیجا جاتا تھا وہ بند کر دیا۔ مکہّ والے پریشانی میں مبتلا ہوئے تو یہ اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ حضور رحمۃؐ للعالمینؐ نے یہ خبر سن کر انسانی ہمدردی کے جذبے سے مکہ والوں کی پریشانی کو محسوس کیا اور ثمامہ کو تحریری پیغام بھجوایا کہ اناج کی ترسیل جاری رکھی جائے۔

یثرب کے یہودی قبیلہ بنو قینقاع کو مسلمانوں کے ساتھ میثاق مدینہ میں باقاعدہ فریق کی حیثیت حاصل تھی اور اتفاق سے اس قبیلے کے افراد شہر کے نواح میں نہیں اندرون شہر ہی رہتے تھے اس لئے لین دین اور روزمرہ معاملات میں ان سے روزمرہ کا واسطہ تھا۔

ایک روز بنو قینقاع کے ایک یہودی صراف نے جس کی دوکان شہر میں تھی۔

ایک مسلمان عورت کے ساتھ بد سلوکی کی مسلمانوں کو جیسے ہی علم ہوا غم و غصہ پھیل گیا۔ یہ نزاع بالآخر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک فیصلہ کے لئے لایا گیا تو آپ نے یہودیوں کو باہمی معاہدہ یاد دلایا۔ اپنی زیادتی کا اعتراف کرنے کی بجائے یہود سرکشی پہ اُتر آئے اور اپنے قبیلے کے شخص کی ناجائز حمایت میں جنگ و جدل پہ آمادہ ہو گئے اس واقعہ کی تفصیل میں جائے بغیر یہ تحریر کرنا کافی ہے کہ مسلمانوں نے مجبور ہو کر بنو قینقاع کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ روز بعد عبداللہ بن ابی نے اجازت مانگی کہ مسلمان تعرض نہ کریں تو اس قبیلے کے یہودی جلا وطن ہو جائیں مسلمانوں نے کسی جانی و مالی نقصان کے بغیر انہیں جانے دیا اور یہود کا قبیلہ بنو قینقاع شام کی جانب چلا گیا۔ مدینے کو ان کی لوٹ کھسوٹ اور بدکرداریوں سے نجات مل گئی۔ (بحوالہ حیات محمدؐ محمد حسین ہیکل صد ۳۰۴)

رحمۃ للعالمینؐ کے صلہ رحمی کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

زید بن سعنہ نامی ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کسی کو قرض دیا تھا۔ سیدنا بلال بن رباحؓ حضور اکرمؐ کے ایسے احکامات کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ یہودی حضور اکرمؐ کے پاس آیا تو اپنی رقم کا شدید تقاضا کرتے ہوئے آپؐ کے شانۂ مبارک سے چادر اُتار لی۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے اس یہودی کی یہ گستاخی ضبط نہ ہوئی حضرت عمر فاروقؓ نے سختی سے اُسے ڈانٹا اور قریب تھا کہ مزید سرزنش کرتے آنحضرتؐ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا عمرؓ تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے قرض اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اُسے معقول طریقے سے تقاضا کرنے کی تلقین کرتے۔ اب میری طرف سے اس کا قرضہ (فوراً) ادا کر دو اور بیس صاع اسے زیادہ دے دو۔ کیونکہ تم نے اسے ڈانٹ کر سختی کی ہے۔ چنانچہ قرض خواہ کی دل جوئی کے لئے بیس صاع زائد دیئے گئے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ

کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فخر الانبیاءؐ کے ذاتی اوصاف اور طبعی محاسن پر اتنی عمدہ مشاہداتی گفتگو فرماتی ہیں۔ کہ ذہن کے کسی گوشے میں کوئی جزدی سوال اور تجسس بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا آنحضرتؐ کی عادت کسی کو سخت سُست کہنے کی نہیں تھی۔ بُرائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر فرماتے اور معاف فرمادیتے تھے آپ کو جب دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکام الہیٰ کی خلاف ورزی کرتا۔ اللہ اس سے انتقام لیتا تھا۔ یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربّانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو، اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی۔ لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو۔ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

کتب تاریخ وسیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جذبہ مروت و ہمدردی اور عفو و درگزر کی عملی مثالیں تلاش کرنے میں کسی متفاقلب محقق کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

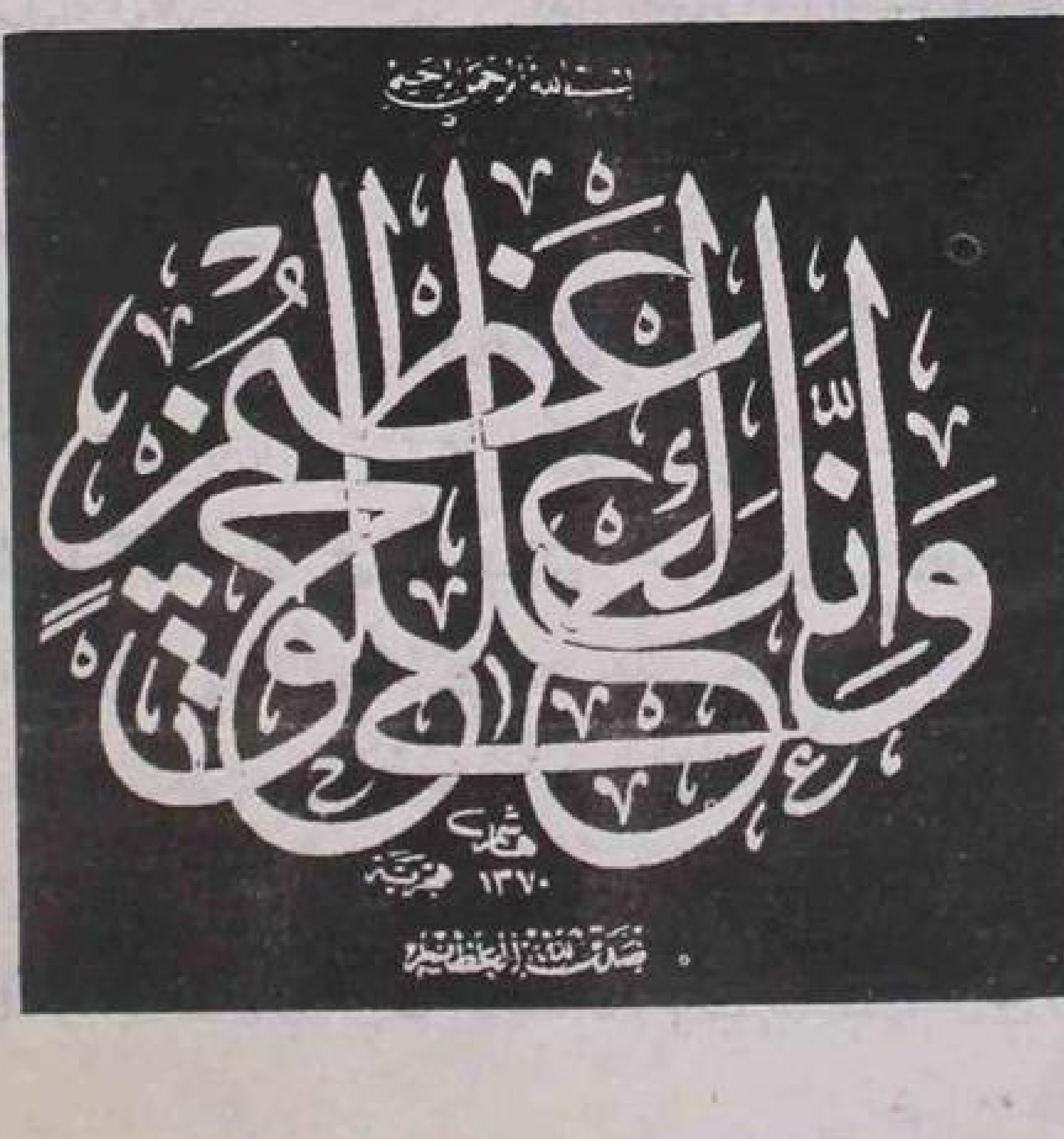
علاقہ خیبر سے مسلمانوں کی داد شجاعت کا جو گہرا تعلق ہے وہ تاریخ کا زریں باب ہے ماضی کی سرکشی اور ریشہ دوانی کے نہ مٹنے والے نقوش کے باوجود آنحضرتؐ نے خیبر کے یہود سے رواداری کا سلوک برقرار رکھا۔ ان کی زیادتیاں معاف کر دیں۔ بنیادی شہری حقوق عطا کئے۔ لیکن یہودی کیا صلہ دیتے رہے۔ ایک منصوبے کے تحت یہودی پہلوان مرحب رجسے حضرت علیؓ نے زور آزمائی میں مکمل طور پہ زیر کر لیا تھا کی بھاوج کی جانب

سے مسلمان عمائدین کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے مفاہمانہ جذبات کو فروغ دینے کے لئے دعوت قبول کرلی۔ اور اپنے رفقائے عزیز کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ زینب یہودن نے ناپاک منصوبے کے مطابق کھانے میں زہر ملا دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا ہی لقمہ کھا کر ہاتھ روک لیا۔ اور زینب کو بلا کر اصلیت دریافت کی۔ اس عورت نے راز فاش ہو جانے پر اعتراف کرلیا کہ کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔ خیبر مسلمانوں کے زیر نگیں آچکا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ جو سزا تجویز کرتے اس پر عمل درآمد روکنے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن رحمت مجسمؐ ذاتی انتقام کے قائل نہ تھے۔ اس لئے قصور تسلیم کر لینے کے بعد آپ نے یہودی عورت کو سزا نہ دی بلکہ اُسے معاف کر دیا۔ حالانکہ یہ بڑا ہی سنگین مرحلہ تھا۔ جب زہر آلود کھانے کی وجہ سے تین دن بعد حضور اکرمؐ کے ایک صحابی حضرت بشر بن براءؓ کا انتقال ہو گیا، تب اس عورت پر حد جاری کی گئی۔ اور اُسے بے گناہ کی جان لینے کے جرم میں قتل کیا گیا۔

ایک اور واقعہ ـــــــــــ مسلمان وضو کر کے نماز فجر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ سب کی توجہ اور یکسوئی کا مرکز ادائیگی نماز ہے امامت آقائے دوجہاں فخر الانبیاؐ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ اقتدا میں مسلمان صف بند ہو رہے ہیں کوہ تنعیم کی وادی کا یہ ایمان پرور منظر ایک جانب ہے اور دوسری جانب پہاڑی کی چوٹی سے ۸۰ مسلح اشخاص جو بد باطن، اور بد نیت ہونے کے سبب نیک نفس مسلمانوں کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے ہیں۔ منصوبہ یہ ہے کہ مسلمان نیت باندھ کر جوں ہی نماز میں مشغول ہو جائیں۔ ہم پیچھے سے اچانک حملہ کر کے اُنہیں قتل کر ڈالیں رب کائنات جو عالم الغیب ہے۔ اور نیتوں کا حال جاننے والا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ دشمنوں کی پوشیدہ نقل و حرکت سے خبردار ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب حملہ آور اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب ہونے سے قبل ہی گرفتار کر

لئے گئے۔ قریب تھا کہ پوری وادی ان دشمنان اسلام کے خون سے سرخ ہو جاتی لیکن محسن انسانیت رحمۃ للعالمین ؐ نے ان کے خفت زدہ چہروں پر اعتراف خطا کو اپنے مخصوص جذبہ عفو و درگذر سے پڑھا اور حکم دیا کہ انہیں رہا کر کے جانے دیا جائے حالانکہ ان سے کوئی تاوان بھی نہ لیا گیا۔ یہاں پھر حضرت عائشہؓ کا وہی قول یاد آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے قبیلہ مطعان کے چند افراد نے چراگاہ ذی قرد پر اچانک حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کی اونٹنیوں پر قبضہ کر لیا۔ نگہبان کو ہلاک کر دیا۔ حضرت سلمہؓ بن الاکوع نے مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ تعاقب کیا۔ اونٹنیاں واپس لینے میں کامیاب رہے اور اجازت طلب کی کہ حملہ آوروں کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ حضور رحمۃؐ للعالمین کو جانی نقصان پر نہایت حزن و ملال تھا لیکن فرمایا:۔ "اگر ان پر قابو پا لو تو عفو و درگذر سے کام لینا۔" یہ بھی عفو و درگذر کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔



دعوتِ اسلامی کے لئے وفود

اسلام کے تصورِ عبادت کو سمجھنے میں جو نکتہ، جو اصول سب سے زیادہ مدد دیتا ہے وہ یہ کہ عباداتِ اسلامی محض معمولات نہیں دوسرے ادیان پرستوں کی طرح رسم و رواج نہیں، ثقافتی رونق میلہ کی کوئی رمق، کوئی رنگ آمیزی اس میں نہیں، جو کوئی ان ہنگامہ خیزیوں کو، شور و شغب کو، اچھل کود کو، عبادت کے حساب میں جمع کرتا ہے ریاضت کے انداز دلربائی سے تعبیر کرتا ہے۔ فکر و فہم سے عاری ہے عادات و اعمال کی کج روی میں مبتلا ہے تاویل کے پھندے میں پھنس جانے کے بعد بندہ اپنے خالق حقیقی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے شیطان کا کام سہل ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنی ذریات کو اس کام پہ لگا کر انسان کو ان رنگا رنگ دلچسپیوں میں محو و مصروف کر کے دیوانہ مستانہ کر دیتا ہے۔

اصل عبادت بندے کی اپنے خالق حقیقی کے حضور کامل اطاعت پاکیزگی جسم اور پاکیزگی عمل، اپنے نفس، اپنی ذات کی مکمل سپردگی ہے۔ جس میں غایت درجے کی محبت، کمال شوق، اور غایت الخضوع شامل ہو، کوئی ایسا عمل جو پروردگار عالم کو پسند نہ ہو ذریعہ خوشنودی نہ ہو، ہرگز روا نہیں، ذوق اطاعت اور جذبہ وارفتہ تسلیم و رضا کا عبادت پر غالب ہونا ضروری ہے۔ یہی وہ جوہر فطرت و کردار ہے جس سے مسلمانوں میں عقائد و افکار کے صحت مندانہ رجحان، دینی شعور و استقامت، جرأت ایمانی، اور دین کو دنیا پر فوقیت دینے کا ذوق و شوق نشوونما پاتا ہے۔ یہ شوق مفقود اور ذہنی تربیت معدوم ہو جائے تو نہ لطف عبادت میں نہ کیف زندگی کا، کچھ بھی تو باقی نہیں رہتا علامہ اقبال مرحوم نے اس کیفیت کو اپنے انداز شعری میں یوں بیان کیا ؎

شوق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہی وہ مقصد وحید تھا کہ دین حق پر جذبہ ایمانی راسخ کرنے کے لئے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بنفس نفیس قدم رنجہ فرمانے سے قبل مبلغین اسلام بھیجے جنہوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے یثرب کی سرزمین میں دین حق کی تخم ریزی کی اس سلسلے میں بارہ نقیب حضرات کے نام خصوصیت سے مذکور ہیں۔ تعلق ان کا دو مشہور قبائل بنو خزرج اور بنو اوس سے تھا۔ اور ان کے سربراہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ تھے۔ دوسرے نقیبوں میں حضرت سعدؓ بن خثیمہ، حضرت اسیدؓ بن حضیر، حضرت رافعؓ بن مالک، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت سعدؓ بن ربیع، حضرت منذرؓ بن عمرو، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت براءؓ بن معرور، حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت ابوالہیثمؓ بن تیہان، شامل تھے یہ اُن خوش نصیب صحابہ کرامؓ کے نام ہیں جنہیں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر دین حق کی خدمت کا یہ اعزاز حاصل ہوا۔ یہاں یہ بات خاص طور سے صراحت طلب معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عموماً یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ظلم و تعدی حد سے گذر جانے کے بعد ایک ساتھ مسلمانوں نے مراجعت الی المدینہ کی ہو گی۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثانی اثنین سیدنا ابو بکر صدیقؓ اپنے رفیق غار ثور کے ہمراہ مکہ سے جانب مدینہ ہجرت فرمائی تھی ۲۷ صفر تاریخ اور جمعرات کو ہجرت نبوی کا آغاز ہوا۔ لیکن اس سے پہلے عقبہ اولیٰ کی بیعت کے حوالے سے بھی مشہور صحابی حضرت اسعدؓ بن زرارہ کا نام ملتا ہے۔ جنہوں نے روایات کے مطابق مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز کا آغاز کیا تھا۔ اور یہی وہ صحابی ہیں جن کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن ام کلثوم اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہمراہ دعوت اسلام کے مبارک فرض کی انجام دہی کے لئے مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغ سے اس وقت کے یثرب کے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے بلکہ یہ بھی کہا

جاتا ہے کہ بنی عبد الاشہل کے قبیلے کے تمام افراد مسلمان ہو گئے۔

عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک ہونے والے اصحاب کے نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے علاوہ حضرت عوفؓ بن الحارث، حضرت قطبہؓ بن عامر، حضرت رافع بن مالک، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت معاذ بن حمرث، حضرت ذکوانؓ بن قیس حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت خالد بن مخلّد، حضرت عویم بن ساعدہ، حضرت عباسؓ بن عبادہ، اور حضرت ابوالہیثم بن تیہان۔

اسلام کی دعوت کن ناموافق اور نامساعد حالات میں قریب و دُور کے قریوں اور قبائل میں پہنچتی رہی۔ اور اس مشکل لیکن بابرکت تبلیغی تحریک میں کن خوش نصیب حضرات کو سابقون الاوّلون کا درجہ حاصل ہوا۔ اوپر کا بیان اس صورت حال کی محض ایک جھلک ہے اور شاید اسی مقام پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا حکم آنے کے بعد جن صحابہ کرامؓ نے کوچ کیا۔ ان میں حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت عیاشؓ بن ربیعہ، حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور موذن اسلام حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے علاوہ سیدنا عمر فاروقؓ اور ان کے برادر عزیز حضرت زیدؓ بن خطاب شامل تھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور ربّ کعبہ کے محبوب پیغمبر، مخبر صادق محمد ابن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر اللہ کی راہ میں گھروں کو چھوڑ کر، زمین کے تصوراتی اور روایتی رشتوں کو توڑ کر اخوت اسلامی کے ربط باہمی کو جوڑ کر یہ مدینے کی راہ پر اس شان سے چلے کہ ان کی بے سروسامانی اور لامکانی کو دیکھ کر حریف دینِ حق شادیانے ہی بجا سکتے تھے اور سچ پوچھ جن ستمگر، جفا پیشہ افراد کو اس عالم بے کسی کی اطلاع ملی وہ اپنے جھوٹے خداؤں کی قوت باطلہ پر اطمینان کا سانس لے رہے تھے۔ لیکن اس طوفان رستاخیز سے یہ نادان بے خبر تھے۔ جو اس خاموش مدافعت فی الدین حق کے پردے میں پوشیدہ تھا۔

ان دنوں جدید اور پختہ شاہراہوں سے زائر مدینہ گذرتا ہے تو تاریخ کے ان حسین اور روح پرور لمحات کی کیفیت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے جب کچے راستوں پر اڑتی ہوئی خاک، ناہموار پگڈنڈیوں، اور سنگلاخ چٹانوں کے دھوپ سے جلتے جھلستے پتھروں، اور سنسان اور تاریکی کے صبر آزما ماحول میں اس قافلے نے یہ سفر طے کیا ہوگا اب سیارہ ہے طیارہ ہے ٹھنڈا یخ پانی میسر ہے۔ درندوں کے آجانے کی دہشت نہیں۔ رختِ سفر لٹ جانے کی وحشت نہیں۔ گرد و غبار سے محفوظ ایر کنڈیشنڈ، تیز رفتار، آرام دہ گاڑیاں ہیں لگژری بسیں ہیں۔ ایک منزل پر ٹھہریں تو اشیائے خورد و نوش موجود، دوسری منزل پر جاکر دم لیں، تو پیاسے ہونٹوں کے لئے فرحت بخش مشروبات بدرجہ وافر دستیاب، نبی پاکؐ کے محبوب شہر مدینے جانے کا شوق، اس ارض مقدس پہ طیور فلک کی طرح اڑکر پہنچ جانے کا سکون پرور اشتیاق، اور قلب ونظر کی بیتابی کے لئے وسائل جدید کا عطا کردہ یہ اعتماد کہ اب یہ سفر ہفتوں، مہینوں کا نہیں دنوں اور راتوں کا بھی نہیں۔ چند گھنٹوں اور ساعتوں میں سمٹ آیا ہے قافلۂ ہجرت تو اپنے گھر بار کی ہر چیز، مال و متاع حتیٰ کہ اہل و عیال تک کو خطرات کے ماحول میں چھوڑ کر نکل پڑا تھا لیکن اب تو ایسی کوئی مجبوری ہے نہ قباحت۔

آقائے دوجہاں سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد پہلے قبا کے مقام پر ۱۴ روز کا قیام، جہاں فخر موجودات اور ان کے رفقا کی میزبانی کا شرف جناب کلثوم بن ہدم کو حاصل ہوا۔ اور ان کا گھر اس آفتاب اسلام کی ضوفشانی سے جگمگایا۔ کہ جو گھر مدینے کے نواح میں چند انصاری خاندانوں کے جھرمٹ میں واقع تھا۔ اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد "مسجد قبا" تعمیر کی (مولانا شاہ معین الدین ندوی، جلد اول صفحہ نمبر ۳۴ سر، م) ایک اور روایت میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے

"حضرت اسعد بن زرارہؓ، اور حضرت کلثومؓ بن الہدم

آنحضرتؐ کے مقرب صحابی تھے۔ کلثومؓ وہی شخص ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا میں تشریف لائے
تو انہی کے مکان میں ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ
بھی انہی کے گھر پہ آ کر اترے اور مقیم رہے۔ اور یہ
کوئی معمولی سعادت نہیں تھی کہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ
ان چھ خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنہوں نے سب
سے پہلے مکہ مکرمہ جاکر پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم
کی قیام گاہ پر حاضری دی اور آنحضرت علیہ الصلواۃ
والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی، اور ابن سعد کی
روایت کے مطابق ان چھ اشخاص میں سے بھی جس شخص
نے آنحضرتؐ کی بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھانے میں
سبقت کی وہ یہی صحابی اسعدؓ تھے اور مدینہ منورہ
میں جمعہ کی نماز شروع کرانے کی سعادت بھی انہی سے
منسوب کی جاتی ہے۔"

حضور اکرمؐ جب قبا سے مدینے میں داخل ہوئے تو محلہ بنی سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ اور یہاں سے اپنی اونٹنی قصویٰ پہ آگے بڑھے تو مدینہ کے صاحب ایمان و محبت اپنی عقیدت کا دامن پھیلائے میزبانی کے لئے جمع ہو گئے اور اس کے بعد قصویٰ کے بیٹھ جانے کا وہ واقعہ پیش آیا۔ جس کے مطابق شرف میزبانی کا قرعہ فال صحابی رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے نام نکل آیا۔

مدینہ قبل از اسلام

مورخ مسعودی نے مدینے کی آبادی کا جائزہ اُس دور کے حوالے سے یوں لیا ہے۔
بنو نضیر، اور بنو قریظہ، یہودی جذام کے قبیلے سے تھے۔ کسی زمانے میں عمالقہ

سے ان کی بت پرستی کی وجہ سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور پھر ملک شام سے ترک سکونت کر کے حجاز چلے آئے۔ یہ تین قبیلے تھے :-

بنو قینقاع ۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ

کتاب الاشراف سے یہ روایت منقول ہے کہ یہ تینوں قبائل شہر کے اطراف میں آباد ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے (اپنی آبادیوں کے گرد) مضبوط برج اور قلعے بنا لئے۔ (جن کو فتح کرنے میں مسلمانوں کو بعد میں بڑی بے جگری سے جنگ آزما ہونا پڑا۔)

شام سے ترک سکونت کر کے حجاز میں آباد ہونے والے یہودیوں کے بارے میں ارض القرآن کی جلد دوم مرتبہ علامہ سید سلیمان ندوی صفحہ ۶۲ پر یہ حوالہ مرقوم ہے:-

عرب و شام کے درمیان جو حدود ہیں ان کو حوران کہتے ہیں اور ان کا ہی نام اذرعات بھی ہے یہ قدیم زمانے میں موآب، عمان اور ادوم سے متعلق تھا اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومت تھی اب گو یہ رومیوں کے زیر اقتدار تھا تاہم اصلاً آلِ غسان کی حکومت تھی۔ تدمر۔ رقیم۔ عمان۔ معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے۔ مشہور شہر بصریٰ اس کا دارالحکومت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت اسی حکومت کے زمانے میں بغرض تجارتِ شام اس شہر میں وارد ہوئے تھے۔ بحیرا راہب کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی یہیں کا واقعہ ہے۔ آگے لکھا ہے :-

اسکندر کے بعد ایران میں ۳۲۶ ق م میں جو نزاعی حکومت پیدا ہوئی۔ اس کا خاتمہ ۲۲۶ء میں اردشیر ن

بابکان ساسانی کے عروج پر ہوا اس نئی طاقت نے
جو جوش سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کی شمالی حدود پر
رومیوں سے ٹکر کھائی اور تین صدیوں تک برابر باہم
زور آزما رہی ـــــــ یہی وہ مواقع تھے۔ جن میں ایران
اور روم دونوں عربوں کی اعانت کے طالب تھے۔"

مسلمان تاجر شام جاتے تو کپڑا زیادہ تر شام ہی سے خرید کر لاتے لیکن جب یہودی تاجر مدینے سامان لاتے تو کپڑے کے علاوہ ان کے لئے سب سے نفع بخش کاروبار شراب کا ہوتا۔ قبل از اسلام یثرب میں شام کے ایک شہر اندرین کی شراب نہایت ہی مشہور اور مرغوب تھی اگرچہ عربوں میں رحجان تجارت کی طرف بھی تھا۔ لیکن مدینے میں کچھ اس طرح کی صورت تھی۔ کہ تجارت اور معیشت پر قبضہ یہودیوں کا تھا انصار زیادہ تر زراعت پیشہ تھے جن میں دو انصاری قبائل کا بار بار ذکر آئیگا۔ اوس اور خزرج۔

یہودیوں نے ایسی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی کہ انصار کے ان دونوں قبائل میں نفاق کا سلسلہ چلتا رہے۔ اُدھر یہود اور انصار میں محاذ آرائی جاری تھی آخری معرکہ ان دونوں کے درمیان جو مدینے کے نواح میں ہوا۔ اسے تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے یاد رکھا گیا ہے۔

یہ ایک ادق تاریخی بحث ہے کہ کس قبیلہ یا کس نسل کے افراد نے بدلتے ہوئے موسمی معاشرتی، اور کاروباری حالات کے باعث کب اور کس طرح نقل سکونت کی لیکن ہم یہاں اُن چیدہ چیدہ پہلوؤں اور توضیحات پر انحصار کریں گے۔ جن سے اس خطہ ارضی کی تاریخی و تمدنی قدامت پر آفتاب اسلام کی روشنی پڑتی ہوئی صاف نظر آئے ابھی سابقہ سطور میں ہم انباط کا ذکر ان کی حکومت کے حوالے سے کر چکے ہیں۔

محقق حضرات نے ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد اس لفظ کے مترادفات دریافت کئے ہیں۔ مثلاً نبت، نابت، نبط یا نبایوط، اخبار الطوال کے صفحہ ۱۱ پر ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ نے تحقیق کیا۔ نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا۔ لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی گزارتے گزارتے وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشی کے انداز میں پھیلے ہوں گے۔ اگرچہ تحریر میں نبایوط کا لفظ ساتویں صدی ق م میں نظر آجاتا ہے۔ لیکن اسیریا کے بادشاہ اشوربانیبال اور یوسیفورس کا کہنا ہے کہ:۔

"ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے جن کے سبب اس کا نام نباطینہ NABATENA پڑ گیا ہے"

(گویا عرب جہاں بھی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان کا اہل عرب اور نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مورخین اور محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ فرق صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کے اختلاف کا ہے جس پر حدود عرب سے باہر نکل کر متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔)

ہم اوپر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کا ذکر کر آئے ہیں۔ ان کے نام مسلمان مورخین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکوین سے یہ روایت کئے ہیں

(۱) نبایوط (۲) قیدار (۳) ادبائیل (۴) مشام (۵) مشماع (۶) ہشار (۷) دوما (۸) حدر

(۹) تیما (۱۰) یطور (۱۱) نفیس (۱۲) قیدماہ : ان میں سب سے بڑے نیالوط، اور سب سے چھوٹے قیدار تھے یہی نام تاریخ میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں یہ تمام بھائی باپ کے زمانے میں اور ایک عرصے بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے۔ اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (تکوین۔ ۱۴۔ ۲۵)، اور یہ امر واقعہ ہے کہ خوشبودار چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر اور شام کو جاتی تھیں۔

یاقوت حموی نے (لفظ عرب پر اظہار خیال کرتے ہوئے) یہ انوکھی بات پہلی بار لکھی کہ "عرب ہر اس قوم کو نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو" یعنی وہ قوم خانہ بدوش نسل جیسی بدویانہ زندگی بسر نہ کرتی ہو۔ یہودی اور مسیحی مورخین نے ان عرب انباط کی حدود سلطنت بحر احمر سے دریائے فرات تک بتائی ہیں۔ یوسیفورس نے یہاں تک کہہ دیا کہ نباطینہ کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان سے مل گئی تھی جس میں بہت سے بیابان اور بلند و فراز خطے شامل ہیں۔ جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتہی ہیں۔

عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام نبالوط NABAYOTH عرب ہے۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ سرزمین عراق سے ہجرت کر کے ہی وادیٔ حجاز پہنچے تھے جہاں اُم القریٰ میں رب کائنات کے حکم سے انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی، "حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی روایت ہے کہ ایک شخص نے ان کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم کوثیٰ (واقع عراق) کے نبط ہیں"

ابن خلدون نے کہا ہے کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام کی جو ارمانی کے نام سے مشہور رہیں۔

حمزہ اصفہانی کی تحقیق سے یوں تائید ہوتی ہے۔

رومانی شام کے نبطیوں کا نام ہے اور اردونی عراق کے نبط کا" ـــــ انباط نے چونکہ ایک متمدن اور غیر بدوی زندگی اختیار کرلی تھی اس لئے عربوں کے محاورے میں یہ بات مشہور ہوگئی۔

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب من ساکنی الارضین۔

(ماخوذ یاقوت ۲۳ عربہ)

ترجمہ:۔ نبط۔ عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو ایک بڑا، اہم، نازک اور حساس سوال تاریخ کے ہر دور میں ہر مفکر اور محقق نے اپنی بحث ونظر کا موضوع بنایا ہے اور وہ یہ کہ اسلام جیسے عالمگیر بلکہ آفاقی دین کو بشری زندگی کے تمام تر شعبوں میں انقلاب برپا کرنے کے لئے سب سے پہلے عرب کی اس دشوار گذار، سنگلاخ، بے آب وگیاہ صحرائی سرزمین میں ہی کیوں بھیجا گیا۔ ایسے لوگ اس سرزمین پر راحت وقناعت کے جذبے سے فرزکش خاندانوں کی معاشرت، تمدن صبر وغنا، مشکل پسندی اور جفاکشی کی مخصوص عادات واطوار دیکھ کر اپنے سوال پر خود ہی لاجواب ہوگئے اور نہ سمجھنے والی بات ایک حقیقت روشن کی طرح سامنے آگئی۔

اس بات کو یہیں صراحت سے مکمل کرنے کے لئے ہم اہل عرب کی بے نیازی (کی ایک مثال یہاں دیتے ہیں۔ ۳۳۲ ق م میں سکندر نے پیش قدمی کی اور عراق سے لے کر مصر وشام تک اس کی فتوحات کا جولان گاہ بن گیا۔ ہندوستان سے واپس آکر سکندر کا عزم یہ تھا کہ عرب کو فتح کیا جائے۔ لیکن وہ خود موت کے ہاتھوں مفتوح تھا۔ سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں تقسیم ہوگئے۔ بطلیموس نے مصر وشام پر قبضہ کیا۔ انٹی گونس نے ایشائے کوچک لیا۔ سیلوکس نے بابل وفارس وترکستان پر استیلاء حاصل کیا۔ یہ تینوں بادشاہتیں درمیان

میں حدودِ عرب پر آ کر ملتی تھیں انٹی گونس حوصلہ ہارنا نہیں چاہتا تھا نہ قسمت پہ قناعت کرنے کو تیار تھا۔ سب سے زرخیز اور قریب تر ملک شام تھا۔ اس نے شام پر حملہ کرنا چاہا لیکن درمیان میں عرب تھے وہ شریک اور طرفدار بطلیموس کے تھے۔ نتیجہ جنگ ومحاربہ تک پہنچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ء ق م میں اپنے ایک سردار (ANTHENAEUS) اتھینیاڈس کی سرکردگی میں لشکر بھیجا۔ جس نے آبادی کو تاراج تو کر دیا لیکن لشکر کا کوئی سپاہی زندہ بچ کر نہ آیا۔ انٹی گونس کو ناکامی نے مشتعل کر دیا۔ اس نے اپنے بیٹے ڈیمٹیر یوس (DEMMETOIUS) کی سرکردگی میں دوسری بھاری جمعیت روانہ کی بے سروسامان عرب میدان میں مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ بند ہو گئے یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار محاصرہ طویل ہونے پر ایک عرب کا پیغام ان الفاظ میں یونانی سپہ سالار کو پہنچا ——

(یہ پیغام آج بھی عبرت وحیرت کا وہی درجہ لئے ہوئے ہے۔ جس نے اس بدوی قوم کے بارے میں اپنی رائے بدلنے اور پُر جوش اور مسلّح یونانی لشکر کو خالی ہاتھ لوٹنے پر مجبور کر دیا۔)

> "اے بادشاہ ڈیمٹیریوس! تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں جہاں پانی ہے نہ غلّہ ہے نہ شراب ہے نہ ضرورت کی کوئی چیز ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس صحرائی زندگی پر قناعت کی ہے تمہیں ہم نے ستایا نہیں۔ تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ ہمیں اپنا دوست سمجھو! ورنہ یاد رکھو

کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تم
کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ اور تم ہم کو
اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر تم
نے قلعہ پر قبضہ بھی پا لیا تو تڑپتی لاشوں اور چند غمزدہ
قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں
جھکا سکتے۔ تم کچھ نہیں پاؤ گے۔" (تاریخ ارض القرآن)

یہ تھی وہ منتشر اور بے وسیلہ بدوی قوم کہ جب اُسے پیغمبر اسلام، محبوب رب العالمین، خیر البشر، افضل الانبیاء بنی نوع انسان کے محسن عظیم، نبی اللہ محمد ابن عبداللہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے عقیدہ پر منظم و مربوط کیا۔ اور پیغام اسلامی کی حقانیت نے ان کے دلوں کو مسخر کیا۔ تو یہ اسلام کے ایسے توانا اور قوی بازو بن کر اُبھرے کہ یونان عظمیٰ، شوکت کسریٰ، اور رومتہ الکبریٰ ان کے مقابل ہیچ ہو کر رہ گئے ان کے بلند و بالا پرچم، کلمہ توحید کے پرچم کے لہرانے کے ساتھ سرنگوں ہوتے گئے اور مسلمانوں کی بے سرو سامانی جذبہ جہاد میں ڈھل کر ایک ناقابل تسخیر عالمگیر قوت بن گئی۔

آیئے تاریخ پر نظر ڈالیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یثرب کی اجارہ داریوں کو چیلنج:۔ جب مدینے کی سر زمین پر تشریف لائے تو انہوں نے یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کی اقتصادی و معاشرتی اجارہ داری اور قبائل انصار اوس، و خزرج کی باہمی آویزش کے کیا مناظر دیکھے اور معاشرتی ناانصافیوں، جہل و عصبیت کی چیرہ دستیوں اور امیری و غریبی کے ہولناک تفاوت کو مٹانے کے لئے فلاح انسانیت کی کیا تدابیر اختیار کیں۔

کسی ایک متمدن اور مہذب شہر کو مثالی معاشرت کے رنگ میں رنگنے کے لئے منصوبہ سازی کا آغاز ان بنیادی معلومات سے ہو سکتا ہے کہ شہر کے رقبے کا

صحیح طول و عرض کیا ہے۔ صحیح مردم شماری کیا ہے۔ کسی خاص حصہ میں رقبہ کی گنجائش کم اور باشندوں کی تعداد زیادہ ہے تو ان کے مسائل کس حد تک مختلف ہیں۔ شہر کی بنیادی ضروریات پینے کا صاف پانی، نکاس آب، صفائی، حفظان صحت کی سہولتیں، عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے معقول انتظامات ہیں؟" اور اگر یہ انتظامات ناکافی ہیں تو مزید اقدام کیا ضروری ہے۔ ایک باشعور اور احساس فرض کی حامل عمدہ شہری زندگی کا تصور اس وقت تک محال ہے جب تک آبادی کے مختلف طبقوں میں باوجود رسم و رواج یا مزاجی کیفیات کے فرق کے ایک عمومی ربط باہم موجود نہ ہو۔ اور اس شہر میں رہنے والے سب ہی خاندان اور افراد امن و سلامتی کو مشترکہ ضرورت اور ذمہ داری نہ سمجھتے ہوں اجتماعی قاعدوں قوانین کی پابندی نہ کرتے ہوں۔ اگر شہر میں کچھ گروہ یا افراد محض نفاق، تخریب کاری منافقت اور گمراہ کن افواہوں کو اپنا معمول بنائے رکھیں تو اصل معاملات پس پشت جا پڑتے ہیں۔ مزاحمت اور مدافعت میں مصروف لوگ اپنے وسائل اور اپنی توانائی ضائع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے مختلف طبقہ ہائے آبادی کی ضرورت ان کے مسائل اور معاملات باہمی کو جاننا اور حقیقی صورت حال سے آگاہ رہنا ناگزیر ہوتا ہے۔

مدینے میں یہودی بستیوں کی صورت حال یہ تھی۔ شہر کے اندر بنی قینقاع نواحی علاقے میں بنو نضیر، فدک کے علاقے میں بنی قریظہ، شمالی علاقہ خیبر میں دیگر قبائل یہودی اور اوس و خزرج کے خاندانوں نے یہودیت کا غلبہ قبول کر لیا تھا چنانچہ بنی نجار، قبیلہ بنی حارث، بنی جشم، بنی ساعدہ، بنی شطیبہ ان کے ساتھی اور خیر خواہ تھے دین حق نے اپنی کرشمہ سازی شروع کر رکھی تھی چنانچہ قبیلہ بنو نجار کے حضرت اسعدؓ بن زرارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر پہلے ہی ایمان قبول کر چکے تھے۔

شوہر اور بچے سے محروم کی جانے والی مہاجرہ :

ہجرت مدینہ کے واقعات میں پے در پے سبق آموز پہلو موجود ہیں۔ عام طور پہ سفر مدینہ کو وقائع نگار سرسری طور پہ بیان کر جاتے ہیں اور پڑھنے والے ایک مشکل تاریخی سفر کے طور پہ پڑھ جاتے ہیں انہی میں سے ایک واقعہ مہاجرہ اُم سلمہ رض کا نہایت اثر انگیز ہے۔ مصائب ناقابل برداشت ہونے کے بعد ابو سلمہ رض اور ام سلمہ رض شیر خوار بچے کے ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے مشرکین مکہ نے خبر ملتے ہی شوہر کو روک لیا اور معصوم بچے کو بھی چھین لیا۔ کوئی داد فریاد سننے والا نہ تھا۔ ایک سال تک اُم سلمہ رض اپنے شوہر اور بچے کے فراق میں روتی رہیں۔ پھر ایک رشتہ دار نے ترس کھا کر بچہ واپس دلا دیا اور مدینے بھیجنے کی صورت بھی پیدا کر دی کتب تاریخ و سیر سے یہ واقعہ یہاں پیش کرتے ہیں صحرائی راستوں پہ ایک تنہا اور بے سہارا عورت کا سفر سراسر قابل رحم تھا تیز دھوپ، ترکش سے نکلنے والے برق رفتار تیروں کی طرح آفتاب کی شعاعیں جسم میں شگاف ڈالے دیتی تھیں۔ پانی کی کم یابی اور پیاس کی شدت مستزاد، بار بار ترسیدہ ماں اور معصوم بچے کے ہونٹ خشک ہو جاتے تھے۔ بچے کو دھوپ کی شدت سے بچانے کے لئے ماں اپنی ممتا کے باعث کبھی بچے کو دائیں پہلو میں چھپا لیتی کبھی بائیں پہلو میں بٹھا لیتی۔ اسلامی تاریخ میں صاحب ایمان مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو ایسے مصائب میں بار بار آزمایا گیا ہے اور صبر و استقامت کے ایسے امتحان میں وہ ہمیشہ پورے اترے ہیں۔ حرف شکوہ زبان پہ آجائے یا حزن و ملال کا جذبہ ایمانی استقلال پر غالب آجائے تو پھر مومنانہ حوصلے پر زد پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ کی جانب گامزن یہ مہاجرہ لق و دق صحرائی راستے پہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنے اسی عزم اور اپنی اسی رفتار سے قدم بڑھا رہی تھی جو حوصلہ پہلی ہجرت میں حبشہ جاتے ہوئے برقرار تھا۔ لیکن دین حق کے لئے اُس ہجرت اور اِس ہجرت میں فرق تھا تو بس اتنا کہ چند سال پہلے جب ام سلمہ رض اپنے شوہر ابو سلمہ رض کے ساتھ سفر ہجرت پر نکلی

تھیں تو شوہر کے علاوہ اس قافلے میں بارہ مرد اور چار خواتین بھی شامل تھیں۔ سفر وہ بھی خطرات اور اندیشوں سے خالی نہ تھا کہ قریش مکہ کے مقرر کردہ شتر سوار ان کے تعاقب میں چلے آرہے تھے۔ اگر وہ اس چھوٹے سے قافلے کو آلیتے تو کیا صورت حال درپیش ہوسکتی تھی اُم سلمہؓ نے چند برس قبل کے اس سفر ہجرت کا ہر پُرخطر پہلو یاد کیا۔ اور اپنے آپ سے کہنے لگیں، مگر اللہ ہمارے ساتھ تھا اس لئے دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور اب بھی تو وہی ہمارا والی اور محافظ ہے اس لئے فکر مند ہونے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ پھر سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ کا روشن اور منوّر چہرہ نظروں کے سامنے تصوّر بن کر آیا تو قلب کو اور راحت میسّر آئی۔ اور عزیمت سفر کوئی مہمیز ملی۔ اور اونٹ کی رفتار تیز کردی گئی۔

جب یہ بہادر مسلمان ماں اور کمسن مہاجر بچہ کوہ تنعیم کی وادی میں پہنچے تو بچے نے رونا شروع کر دیا۔ ماں کا مضطرب ہونا فطری امر تھا۔ ابھی سفر ہی کتنا طے ہوا تھا۔ یہی کوئی پانچ چھ میل کا سفر —— اچانک ایک شخص خود روجھاڑیوں سے برآمد ہوا اور آتے ہی اُم سلمہؓ کو مخاطب کیا۔ "تم ایک خاتون ہو وہ بھی تنہا اور اس صحرا میں"! نو وارد کا اندازِ گفتگو ہمدردانہ تھا اور غالباً یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے۔ اور کہاں کا قصد رکھتی ہے۔؟ —— نووارد کا یہ سوال اور اس کا جواب نہایت برمحل اور ایمان پرور تھا ——

"تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے"؟

اللہ کی ذات "خاتون کے پُر اعتماد لہجے کا مطلب یہ تھا کہ ہماری حفاظت کرنے والا خود اللہ ہے"

اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ در اصل یہ نووارد شخص عثمانؓ بن طلحہ تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا تو ان کی فکرمندی جاتی رہی۔ حضرت عثمانؓ بن طلحہ نے کہا اے خاتون

اطمینان رکھو میں تمہاری رہنمائی کے لئے ساتھ چلتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ اور ہمارے آگے آگے چلنے لگے۔ جہاں کہیں ٹھہرنا مطلوب ہوتا اونٹ کو بٹھا کر خود ایک جانب ہو جاتے۔ ہم ماں بیٹے اتر جاتے۔ اور جب کوچ کا وقت آتا تو ہمارا سامان اونٹ پر لاد کر ہم ماں بیٹے کو اونٹ پر سوار ہونے کی آزادی دیتے۔ پھر اونٹ کی نکیل پکڑ کر حسب معمول مدینے کی راہ پر چل دیتے۔ مسلمانوں کی حمیت ایمانی میں یہ بات شامل رکھی گئی ہے کہ احترام آدمیت میں نسوانی وقار، حیا اور حجاب کو شامل رکھتے ہیں۔ جو لوگ آزادی نسواں کے نام پر بنت حوا کو طرفہ تماشہ یا جنس بے حجاب اور شمع محفل بنانے کی وکالت میں پیش پیش رہتے ہیں واللہ انہوں نے دین فطرت اسلام کی روح کو سمجھا ہی نہیں۔ عورت کو محض جنس کی کسوٹی پر پرکھ کر حریت فکر کے نام پر اپنا کھوٹا فلسفیانہ سکہ چلانے میں مصروف ہیں۔ دین سے بے خبری ہو تو دونوں اصناف میں بے اعتمادی کے فاصلے بڑھ جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ مردوں کو جو اخلاقی اوصاف اسلامی تہذیبی و معاشرتی انقلاب نے عطا کئے ان کا تقاضا تو یہ رہا ہے کہ نسوانیت کا وقار بلند اور عفت و آبرو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگا دیں تو یہ تھے حضرت عثمانؓ بن طلحہ کہ تاریخ عہد رسالت ہی میں ان کی خدمات دینی سے ایک تابندہ ورق کا اضافہ ہوا۔ اور ایسے کارنامے ان سے منسوب ہوئے کہ ہم عصروں نے ان کی قسمت پر ناز کیا۔

اُس دور کا سفر آج کا راحت و آسائش کا بے خطر سفر نہ تھا پھر بھی اُم سلمہ، ابو سلمہ، کی امانت کو لئے جناب عثمانؓ بن طلحہ سنگلاخ چٹانوں اور ریگزار سے گذرتے ہوئے مدینے کی نواحی بستی قبا میں جا پہنچے۔ اور اس عصمت مآب خاتون کو بڑے احترام سے ان کی منزل پر پہنچا دیا۔ وہ تو محض اُم سلمہ کی راہنمائی کی حفاظت کے لئے تھے یہ غایت مکمل ہوئی تو وہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ ام سلمہ زندگی بھر اس واقعہ کے حوالے سے

عثمانؓ بن طلحہ کی شرافت اور اخلاق کی تعریف کرتی رہیں۔ ادھر اللہ رحمٰن و رحیم کو جناب اُم سلمہؓ کے یہ دو سفر ہجرت، حبشہ اور مدینہ اتنے پسند آئے کہ ان کا مرتبہ پوری اُمت کی خواتین میں بلند فرمایا۔ انہیں ایسے اسباب مہیا کئے کہ وہ امہات المومنینؓ (اُمت کی قابل احترام ماؤں) میں شامل ہوئیں۔ جب ابو سلمہ وفات پا گئے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام نامی سے آج تک ہم سب کے لئے واجب احترام ہیں۔

ام المومنین ام سلمہؓ کا پورا نام ام سلمہ ہند بنت حذیفہ المغیرہ تھا۔ عرب کے قبیلہ قریش سے تعلق تھا۔ بہت ہی جلد بیوہ ہو گئیں۔ جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب حضور اکرمؐ نے ان سے عقد فرمایا تو جناب اُم سلمہؓ کی عمر صرف ۱۸ برس تھی سرور عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ایک پہلو یہ بھی بصیرت افروز ہے کہ بیوہ خواتین کو معاشرے میں کم تر یا بے مایہ سمجھنے کا رجحان انسانیت کے ہر دور میں رہا ہے بعض غیر مسلم سوسائیٹیوں میں تو ایسی عورتوں کو جن کے شوہر ان کی زندگی میں انتقال کر جائیں یا حادثاتی طور پر ہلاک ہو جائیں حد درجے کی حقیر، حتیٰ کہ بد نصیب اور نحس تک کہا جاتا ہے لیکن اسوہ رسولؐ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ آقائے دو جہاںؐ نے شوہر کی کفالت اور نگہبانی سے محروم ہو جانے والی بیوہ خواتین کو مسلم معاشرے کا حقیر یا کم تر طبقہ ہرگز نہیں بننے دیا اور خود عملی طور پر انہیں ان کا جائز معزز و محترم مقام عطا فرمایا۔ توہمات و قیاسات کو یکسر رد فرمایا۔ غلط روایات جو غیر مسلم تمدن سے مستعار چلی آ رہی تھیں۔ ان کا تدارک فرمایا۔ مالک وابوداؤد میں آنحضرتؐ کی حدیث منقول ہے:۔

"بیوہ عورت اور مسکین کی مدد کرنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ یا دن بھر روزہ رکھتا ہے یا شب بھر بیدار رہ کر عبادت کرتا ہے"

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

شمائلِ نبوی، جمالِ مصطفٰےؐ

جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حضورِ پاکؐ، ہاشمی و مطلبی، مکی و مدنی، آقائے عرب وعجم، سرورِ دوعالم کی شخصیت مقدسہ کا اس درجے حسین تر پہلو ہے کہ پوری کائنات کے سمندر روشنائی بن جائیں تو کوئی دعوے کے ساتھ اس جمالِ جہاں آرا، اور حسن نظر افروز کو الفاظ کے دامن میں نہیں سمیٹ سکتا۔ یہ بات اگر تشبیہ اور استعارے کے طور پر کہی جائے تو اس عنوان کے لئے یوں بھی موزوں ہے کہ خود باری تعالیٰ رب العلمین نے اپنے محبوب پیغمبر جنابِ احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین و توصیف میں ایک سے کہیں زیادہ انداز اور معنی آفریں الفاظ اختیار کئے ہیں۔ جن کا ذکر ہم ہم ایک علیحدہ باب میں کر رہے ہیں۔

یہاں شمائل نبویؐ کے ضمن میں پہلے ایک خیال افروز حوالہ مقالات سر سید احمد خان سے ماخوذ پیش کیا جا رہا ہے۔ جسے تشبیہات سلیمان (غزل الغزلات) باب پنجم: فقرہ نمبر ۱۰-۱۶ کے عنوان سے فاضل مولف "ارمغان نعت" نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر نقل کیا ہے: نبی پاکؐ، داعی دین حق اسلام کے پیکرِ نورانی کے بارے میں یہ الفاظ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیں اور یہ حیرت انگیز علامتی طرز بیان بھی انہیں کا ہے کہ جن کی فرمانروائی جن وانساں پر یکساں تھی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔

> "میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے۔ اس کی زلفیں مسلسل کالی ہیں اس کی آنکھیں ہیں جیسے پانی کے کنڈلی۔۔۔۔۔ دودھ کی دھلی ہوئی نگینہ کی مانند

جڑی ہیں۔ اس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے خس دار
پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی ہو اور چھلکے پر خوشبو
رگڑی ہوئی ہو۔ اس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑی جن
سے خوشبو ٹپکتی ہے۔ اس کے ہاتھ ہیں سونے کے جڑے
ہوئے اور جواہر سے جڑے ہوئے۔ اس کا پیٹ
جیسے ہاتھی دانت کی تختی جواہر سے لپی ہوئی۔ اس کی
پنڈلیاں جیسے سنگِ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی
پر جڑے ہوئے۔ اس کا چہرہ مانند مہتاب کے، جوان
مانند صنوبر کے اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ
بالکل محمدؐ یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا پیارا اور
میرا محبوب اے بیٹیو! یروشلم کی"!

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی (خوشبو) چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبو دار نہیں دیکھی آپ کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی اور کبھی کسی بچے کے سر پہ ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے ذکر کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گذرتے اگر کوئی شخص آپ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔

جناب ابراہیم بن اسمٰعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ مجھ کو ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا تو میں نے مہر نبوت پر اپنا منہ رکھ لیا۔ سو اس میں سے مشک کی (تیز) مہک آرہی تھی۔ اللہ اللہ مہر نبوّت کی

وہ خوشبو کہ جس کے لیے حُسن کلام کے بڑے بڑے ماہرین صرف مُشک و گلاب ہی کی مثال دے سکے تو انسان کی علمی استعداد میں یہی مثالیں اور یہی تشبیہات تو محدود ہیں ورنہ چہ نسبت از مشک و عنبر، گلاب و یاسمین البتہ قابل رشک ہیں۔ الہیٰ وہ پُر اسرار خوش خصال بندے کہ خوشبوئے محمدؐ سے مشام جاں کو معطر کیا۔ گیسوئے محمدؐ کے جلوے دیکھے رنگ و نور کا مہتابی چہرہ مُبارک اپنی چشم بینا سے دیکھا۔ اور دل و جاں اِس جمال مصطفویؐ کی ضو فشانی دیکھ کر بھی قابو میں رکھے۔ عجب شان ہے مصطفٰےؐ جان رحمت کی کہ قادر الکلام شاعر بھی ــــــ

ع مرحبا سیّدِ مکّی مدنی العربی

کہنے پر قناعت نہ کر سکے اور اس کے فوراً بعد انہیں کہنا پڑا کہ۔

ع دِل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ارباب سیر و سوانح نے اس نکتہ کی صراحت بھی کر دی کہ خوشبو اگرچہ سرور عالم رحمت مجسمؐ کو طبعاً نہایت پسند تھی لیکن جسم و جان کی خوشبو، قدرت کا عطیہ تھی۔ پسینہ مبارک بھی معطر یہ گلاب خدا داد تھا۔ جناب اسحٰق بن راہویہ کی روایت واضح ہے کہ رسول پاکؐ کے جسد مبارک) کی یہ خوشبو کسی خوشبو لگائے بغیر (خود آپ کے بدنِ مبارک) کی تھی۔

ے فرش والے تری شوکت کا عُلو کیا جانیں
خسروا، عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت مہر نبوت کے بارے میں ملتی ہے کہ ــــــ دونوں شانوں کے درمیان بیضہ کبوتر کے مانند ایک سرخ اور اُبھرا ہوا گوشت انہوں نے حضور نبی پاکؐ کی پشت مبارک پر دیکھا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس اُبھری ہوئی جگہ کے گرد اگرد تِل تھے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایات بھی مہر نبوت کی کیفیات کا اظہار کرتی ہیں۔ اور اب کچھ روایات حضرت سلمانؓ فارسی کے حوالے سے پیش کی

جاتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ قبول اسلام سے قبل دس سے کچھ اوپر لوگوں کے غلام رہے ایرانی شہر اصبہان کے گاؤں جبی میں لوذخشان بن مورسلان کے گھر پیدا ہوئے مذہباً آتش پرست گھرانہ تھا باپ نے مابہ نام رکھا۔ اور آتش کدہ کی آگ روشن رکھنے کی خدمت پر لگادیا۔ گھر سے خاموشی سے نکل کر شام پہنچے اور دین مسیحی قبول کر لیا۔ وہاں راہبانہ زندگی گذارنے والوں کی معیت میں کام کرتے ہوئے بدعنوان زندگی کا ایسا نمونہ دیکھا کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر عموریا میں ایک مسیحی عالم کے پاس چلے گئے۔ ایک دن اُس نے کہا کہ مجھے موت نے آگھیرا ہے۔ میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو۔ اور میں تمہیں اُس کے پاس بھیجوں۔ لہذا تم نبی آخرالزمانؐ کا انتظار کرو۔ وہ دین ابراہیمیؑ لے کر آئیں گے۔ اور ان کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ پھر موت کو گلے لگاتے ہوئے اُس راہب نے جناب سلمانؓ کو چند نشانیاں بتائیں۔

ا۔ عرب سے ظاہر ہوں گے۔

ب۔ وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں اطراف کنکریلی زمین ہو گی اور وہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔

ج۔ وہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ قبول نہیں کریں گے۔ (صدقہ کی کوئی چیز نہیں کھائیں گے۔)

د۔ اور ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی۔

بہر حال قبیلہ بنی کلب کے کچھ عرب تجارتی مال لے کر وہاں پہنچے تو سلمانؓ بکریاں اور گائیں انہیں دے کر ساتھ ہو لئے۔ جو انہیں وادی القریٰ لے گئے اور وہاں بطور غلام فروخت کر دیا۔ اتفاق دیکھئے کہ مدینے کے قبیلہ بنی قریظہ کا ایک یہودی اس ایرانی غلام کو اپنے مقصد کا شخص سمجھ کر خرید کر لے گیا۔ آگے کا حال خود سلمان فارسیؓ سناتے ہیں۔

"یقیناً یہی وہ شہر ہے جس کی مجھے جستجو تھی۔ شہر کے دونوں اطراف کنکر بھری زمین بھی ہے۔ اور یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں۔ سیدِّ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ مجھے کام سے فرصت ملی تو میں کوئی چیز (اور شمائل ترمذی میں ہے ایک خوان میں تازہ کھجوریں) لے کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔

"یہ صدقہ ہے جو آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ میرے سامنے سے اُٹھا لو۔ کیونکہ ہم (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) صدقہ نہیں کھاتے۔

اس کے بعد کھجوریں اُن لوگوں کی طرف بڑھا دی گئیں جن کے لئے صدقہ حلال تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی۔

دوسرے روز آقائے دوجہاں مدینے تشریف لے جا چکے تھے میں کچھ جمع کر کے وہاں لے گیا۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

"یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"

یہ سُن کر آپ نے قبول فرمایا۔ اور اس میں سے کچھ کھا لیا۔ میں نے اپنے دل میں (حضرت سلمان فارسیؓ) کہا۔ یقیناً یہ دوسری نشانی ہے۔ تیسری بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ اور گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا۔ تاکہ خاتم النبوّت دیکھ سکوں۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مقصد سمجھ لیا اور خود بخود اپنی چادر مبارک ہٹا کر مجھے مہر نبوّت دکھلا دی۔ میں (بے ساختہ) جھک گیا۔ اور خاتم النبوت کو چوم لیا۔ حضورؐ نے فرمایا سامنے آؤ۔ تو فرط خوشی سے سامنے آ کر رونے لگا

اس واقعہ کی غایتِ بیان دراصل یہ ہے کہ آفتاب رسالت کی صداقت کا نور

چہار طرف یوں بکھرتا تھا۔ حق کو ظاہر کرنا ہی حق کا تقاضائے حقیقی ہوتا ہے نہ کہ اُسے مخفی رکھنا حضور نبی پاکؐ بھی اپنے علم بلیغ، آیاتِ ربانی کے مفاہیم و مطالب کی ترویج و اظہار میں کامل فراخ دلی اختیار فرماتے تھے۔ ثابت ہوا حق کو پوشیدہ رکھنا ریاکاری ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت نشر الطیب میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یک بارگی آجانے والا شخص مرعوب ہو جاتا (یعنی پُر وجاہت شخصیت فوراً اثر انداز ہوتی) لیکن شناسائی کے ساتھ ملنے والا آپ سے محبت کرتا تھا۔ میں نے آپ جیسا صاحبِ جمال و صاحبِ کمال نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیکھا۔"

ابن سعد نے لکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کے صحابہؓ میں سے کوئی آپؐ سے ملتا اور وہ ٹھہر جاتا تو اس کے ساتھ آپ بھی ٹھہر جاتے اور جب تک وہ خود نہ جاتا آپ ٹھہرے ہی رہتے۔ اور جب کوئی آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہتا تو آپ اپنا ہاتھ دے دیتے۔ اور جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھوڑتا آپ ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے۔

نفلی عبادت چُھپ کر ادا فرماتے تاکہ اُمّت کے لئے عبادت کی بہ کثرت، شاق نہ ہو۔ زاد المعاد سے یہ روایت اخذ کی گئی ہے کہ جب آپ کو کھڑے ہوئے غصّہ آتا تو بیٹھ جاتے اور بیٹھے بیٹھے غصّہ آتا تو لیٹ جاتے تھے۔ (تاکہ غصّہ فرد ہو جائے)

ترمذی شریف میں حدیث نبویؐ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فکر مند ہوتے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے سبحان اللہ العظیم اور جب زیادہ گریہ وزاری اور دعا کا انہماک بڑھ جاتا تو فرماتے یاحیُّ یاقیومُ۔ ایک روایت میں ہے کہ غم کے وقت اکثر آپ ریش مبارک پر ہاتھ لے جایا کرتے۔ کبھی انگلیوں سے اس میں خلال فرماتے۔ اور فرماتے۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

ترجمہ :۔ میرے لئے اللہ رب العزت کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے

(زاد المعاد)

شمائل ترمذی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی سے ظلم کا بدلہ لیا ہو البتہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی کی توہین ہوتی ہو (مثلاً کسی حرام فعل کا مرتکب ہوتا ہو) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔ خصائل نبوی ہوں یا شمائل نبوی یہ سب تذکرہ نہایت دل آویز اور کیف آور ہے کافی عرصے تک یہ معلومات مختلف کتب اور اوراق میں بکھری ہوئی تھیں لیکن الحمد للہ اب ان فرحت بخش کوائف کی جمع و تدوین کا کام شروع ہو چکا ہے۔

چنانچہ ایک جامع اور گراں قدر رسالہ "شم الطیب" کے نام سے حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل و خصائل نبوی پر مرتب فرمایا جسے بعد میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اردو زبان میں عربی سے منتقل کیا۔ اور اپنی گرانمایہ کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" میں اسے شامل فرمایا۔ اس طرح دونوں بزرگ علماء کی علمی کاوش سیرت مبارکہ کی کتابوں کے ذخیرے میں قابل صد افتخار اضافے کا سبب بن گئی۔ پیش نظر باب میں جہاں جہاں ممکن ہوا ہم اس معرکہ آراتہ جمہ سے استفادہ کر رہے ہیں۔ جس کے بارے میں فاضل مؤلف کی یہ صراحت بھی پیش نظر ہے کہ :۔

"چونکہ کتاب الشمائل امام ترمذی رح کی اور کتاب الشفاء
قاضی عیاض رح کی اس باب میں جامع تر اور ضابطہ تر تھی
اس لئے میں نے ان ہی دونوں کتابوں سے اپنے مضامین

منتخب کئے جو طالب راغب کو دوسری کتابوں سے بے نیاز
کر دیں اور جن سے مہجور مشتاق دل کو تسلی دے سکے۔"

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہندہ بن ابی ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ دریافت کیا وہ حضورؐ کا بہ کثرت ذکر اوصاف میں کیا کرتے اور میں امیدوار ہوا کہ ان اوصاف میں سے کچھ میرے سامنے بھی بیان کریں جن کو میں اپنے ذہن میں جما لوں۔

پس انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ذات میں) عظیم تھے۔ (نظروں میں) معظم تھے آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا۔ بالکل میانہ قد آدمی سے تو قامت میں قدرے نکلے ہوئے لیکن دراز قامت سے قدرے کم تھے۔ سر مبارک (اعتدال) کے ساتھ کلاں تھا۔ موئے سر سیدھے اور قدرے بل دار تھے اگر سر کے بالوں (کو جمع کرتے وقت ان میں) اتفاقاً (از خود) مانگ نکل آتی تو مانگ نکلی رہنے دیتے۔ ورنہ نہیں (یعنی ابتداء اسلام میں ایسا معمول تھا اور بعد میں تو قصداً مانگ نکالتے تھے آپ کے موئے سر نرمہ گوش سے تجاوز کر جاتے تھے جب کہ بال بڑھائے ہوئے ہوتے آپ کا رنگ مبارک چمکدار تھا اور پیشانی فراخ تھی۔ ابرو خمدار بالوں سے پُر تھیں اور باہم پیوستہ نہ تھیں ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی کہ وہ غصہ میں ابھر جاتی تھی۔ بینی مبارک پر ایک نور نمایاں تھا ریش مبارک بھری ہوئی تھی۔ پتلی خوب سیاہ تھی رخسار مبارک سبک تھے۔ دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا یعنی تنگ نہ تھا نہ یہ کہ زیادہ فراخ تھا۔ دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں (ذرا ذرا ریخیں) تھیں۔ سینے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ گردن مبارک ایسی (خوبصورت) تھی جیسی تصویر کی گردن (خوبصورت تراشی جاتی ہے) چاندی جیسی صاف شفاف جسم مبارک معتدل اور پُر گوشت اور گسا ہوا۔ سینہ ہموار کشادہ اور قدرے اُبھرا ہوا۔ آپ کے شانوں

کے درمیان قدرے (اور وں سے زائد) فاصلہ تھا۔ ہڈیاں کلاں تھیں۔ کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا جسم روشن نظر آتا سینے اور ناف کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک معتدل دھاری چلی جاتی تھی۔ البتہ دونوں بازو، شانوں سینے کے بالائی حصہ پر (مناسب مقدار سے) بال تھے۔ کلائیاں دراز تھیں۔ ہتھیلی فراخ تھیں۔ کفین اور قدمین پُر گوشت تھے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں لمبی تھیں۔

جب چلنے کے لئے پاؤں اٹھاتے تو قوت سے پاؤں اٹھتا محسوس ہوتا۔ اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے کو جھکتا محسوس ہوتا۔ چلنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کسی (بلندی) سے نشیب میں اتر رہے ہوں۔ جب کروٹ کی جانب کچھ دیکھنا ہوتا تو پورا گھوم کر دیکھتے۔ یعنی کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہ تھی نگاہ آسمان کی جانب زیادہ رہتی۔ غایت حیا کے سبب سے حجاب آمیز انداز برقرار رہتا اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ مشاہداتی روایت محبت کی وارفتگی کا ایک انداز ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار تو نہ تھے۔ بلکہ ہم ساتھ نہ دے سکتے تھے (یعنی مسابقت کبھی نہ ہوتی) حضور اکرمؐ تشریف لے جارہے ہوتے تو "یوں محسوس ہوتا جیسے ہم دوڑ رہے ہیں۔" آپؐ چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ زمین خود ہی لپٹی جارہی ہے۔ گویا (جمعیت خاطر کے ساتھ چلتے نہ آپ کے دل میں تنگی ہے کہ گھبرائے ہوئے چلیں) نہ اضمحلال ہے۔ (صحت مندانہ رفتار ہوتی) بلکہ شمائل نبویؐ کے بیان میں تو یہ خوبصورت پیرایہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ "گویا آپؐ کی رفتار میں متانت بھی تھی تواضع بھی ——"

شرح مواہب جلد چہارم صفحہ ۲۱۹ کے حوالے سے ذکر کرتے چلیں۔ کہ حضور اکرمؐ کبھی (سواری کے بغیر) پیدل روانہ ہوتے اور صحابہؓ کرام بھی ساتھ ہوتے تو بنفس نفیس ان سے فرماتے :-

"آگے آگے رہو - میرے پیچھے فرشتوں کی جگہ ہے"

رجلد روغن لگی جیسی۔ اس لئے جب پیر دھوتے تو پانی ڈھلک جاتا۔

مواہب لدنیہ میں ہے ——

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا۔ مجھ میں ملاحت ہے میرے بھائی یوسف میں صباحت تھی۔ گویا حضور اکرمؐ کا چہرہ انور ملاحت و صباحت میں حسن و جمال کا ایک خاص نکتہ مظہر تھا۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اللہ کے رسول آخریؐ طویل القامت نہ تھے بلکہ طوالت میں خوبصورت توازن پنہاں تھا پھر یاد دلانے کے لئے زرقانی (شرح مواہب) کا یہ حوالہ :۔

"ایک بات خاص تھی کوئی ساتھ ہوتا تو اس کا قد دب جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بالا بلند دکھائی دیتے"۔

فاضل مؤلف "رزم حق و باطل" نے کیا صحیح فقرہ لکھا۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد سجیلا تھا"

یہی بات بخاری، کتاب مناقب، صفات نبویؐ میں حضرت انس بن مالکؓ اور براؔ بن عازبؓ کی روایات واضح کرتی ہیں۔ براء بن عازبؓ ان خوش نصیب اصحاب میں شامل ہیں۔ جنہیں روئے مبارک کی زیارت اور مشاہدے کا شرف حاصل رہا۔ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مانند کوئی نہ کوئی پہلو جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے لے آئے۔

ایک مرتبہ دریافت کیا گیا ——

"کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (مبارک) کھڑا تھا۔ تلوار کی طرح لمبا اور پتلا ——؟

براؔ بن عازبؓ نے جواب دیا۔

"نہیں! مجھے تو ماہتابی معلوم ہوتا تھا"

روایات ہیں کہ چہرہ منور بالکل گول بھی نہیں تھا۔ قدرے کتابی تھا یہ حقیقت متفقہ ہے کہ روشن اور تابندہ تھا۔ جب ہی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ حضور اکرمؐ کی (صورت زیبا) چاند کا ہالہ تھی۔

یہی کیفیت حضرت کعبؓ بن مالک نے یوں بیان کی۔ (حضور اکرمؐ) کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک کھل اٹھتا ——— پھر تشبیہ دی:۔

"روئے مبارک چاند کا ٹکڑا بن جاتا"

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے دو عربی اشعار میں یہی خصوصیت پورے مضمونِ شعری کی جان ہے۔

مَتٰی یَبْدُ فِی الدَّاجِی الْبَہِیْمِ جَبِیْنُہٗ

اندھیری رات میں اُن کی پیشانی نظر آتی ہے

یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقَّدِ

تو اس طرح چمکتی ہے جیسے روشن چراغ

فَمَنْ کَانَ اَوْمَنْ قَدْ یَکُوْنُ کَاَحْمَدٍ

احمدِ مجتبیٰؐ کے جیسا کون تھا اور کون ہوگا

نِظَامٌ لِّلْحَقِّ اَوْنَکَالٌ لِّمُلْحِدٍ

حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سرا پا عبرت بنا دینے والا

روشن چہرے اور روشن پیشانی کی اس خاصیت کو جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور امہات المومنینؓ نے اپنے اپنے منتخب الفاظ اور منفرد اسلوب میں بیان کیا ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ جو صحابی رسولؐ بھی ہیں اور شاعر بزم رسالتؐ بھی انہوں نے بے شمار اشعار شمائل نبویؐ اور خصائل رسول آخری صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے کہے۔ اور کہیں کہیں مذکورہ بالا موضوع پر اپنا پورا مضمون ایک مصرعہ میں باندھ دیا۔

فَاَمسٰی سِرَاجًا مُّنِیْرًا وَّ ھَادِیًا

یہ نبی آئے اور روشنی والے چراغ اور رہنما ہو گئے

حضور اکرمؐ کے دندان مبارک سچے موتیوں کی چمک اور ہیرے کی دمک تازہ کرتے تھے لیکن سامنے کے دو دانتوں کے درمیان ذرا سا شگاف تھا۔ جناب ابن عباسؓ نے فرمایا دندان مبارک کے درمیان یہ معمولی سا فصل بڑا حسین معلوم ہوتا گویا قدرت کاملہ نے اپنے جوہر صناعی کا اظہار یہاں بھی روا رکھا تھا۔ اپنے نام نامی اور صفات ذاتی دونوں میں سراپا حسن و جمال مجسم جاذب نظر، اور دلوں کی گہرائیوں میں آناً فاناً اتر جانے والی مقناطیسی کشش۔ صاحب "رزم حق و باطل" نے کیا خوب کہا۔

"آپؐ طاہر بھی تھے طیب بھی۔ بدن میں خوشبو،

سانس میں مہک پسینہ بھی معطر تھا۔ (صفحہ ۳۳)

ختمی مرتبتؐ دیکھنے میں خوش رو، میل ملاپ میں خوش اخلاق، یکتائے زمانہ یکتائے روزگار تھے۔ آپؐ کی خاموشی میں جلال تھا۔ گویائی میں جمال"۔ (صفحہ ۳۳)

حضرت خارجہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجلس میں بالعموم دونوں پاؤں کھڑے کر کے ملا کر ان کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھتے (یہ احتبا کہلاتا ہے اور تواضع اور سادگی کی علامت ہے۔) حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ آپ چار زانو بھی بیٹھے ہیں۔ لیکن اپنے اصحاب کے درمیان کبھی پاؤں پھیلائے نہیں دیکھے گئے۔ بعض اوقات آنے والے مہمان کو تپاک سے ملنے کے بعد اپنی چادر (اس کے بیٹھنے کے لئے) بچھا دیتے اور اپنا تکیہ بھی مہمان

کو دے دیتے۔

اللہ رب العزت نے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صاحبِ قاب قوسین کو سارے جہانوں کے لئے ... "رحمت" بنا کر بھیجا۔ ساری دنیا کے خزانوں کو ان کا تابع کیا، لیکن مجلس رسالتؐ میں آنے والوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی پوری آزادی اور خود اعتمادی حاصل ہوتی راحت قلب میسّر آتی۔ اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب اور موقر رسول آخرؐ اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیا کرتے۔ اپنے لباس میں خود پیوند لگا لیا کرتے۔ اپنی پاپوش خود سی لیا کرتے۔ اور گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹا دیا کرتے۔

اُم المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کا بستر ٹاٹ کا تھا۔ اور کبھی کبھی چارپائی پہ آرام فرماتے جو کھجوروں کے بان سے بنی ہوئی ہوتی حتیٰ کہ (جس کروٹ سوتے) پہلوئے مُبارک پر نشان پڑ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متواتر تین روز بھی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا"۔ اللہ اکبر ——— سارے انبیاءؑ کے سردار سیدالکونین دن بھر بھوکے رہتے رات کو بھوک سے کروٹیں بدلتے رہتے۔ لیکن روئے زمین کے پوشیدہ اور عیاں وسائلِ دولت میں سے اپنے لئے پروردگار سے کچھ نہ طلب کرتے بلکہ انبیاء سابقین کے صبر و عنا کو یاد کر کے خود کو اس آزمائش سے طمانیت قلب کے ساتھ گذار دیتے۔ اس طرح وہ اسلام کے دوسرے پیروکاروں کو بھی دنیاوی راحت و آسائش کی بے ثباتی ذہن نشین کرانا چاہتے تھے اگر آقائے دو جہاںؐ اپنے لئے اطلس وحریر کے ملبوسات اور کم خواب کے بستر پسند فرماتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ عہدِ رسالتؐ میں ہی مجاہدین اسلام کو اس پُر آسائش زندگی نیز عجمی ملبوسات اور انداز شاہانہ کی ترغیب نہ ملتی۔ لیکن دینِ حق اسلام تو جفاکش صابر

دقائع اور غیور و شجاع مجاہدین صف شکن کی نگری نشوونما میں مصروف تھا۔ اور غزوات نبوی ان کی دادِ شجاعت کے منتظر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ غایتِ حیا سے آپ کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہیں پڑتی تھی۔ (یعنی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈالتے تھے) کسی نامناسب چیز کا اگر کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی ناگزیر ہوتا تو کنایہ میں فرماتے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ "آپ شرم و حیاء میں اس سے بھی بڑھ کر تھے۔ جیسی ایک کنواری لڑکی (پردہ و حجاب) میں ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مشاہدے کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ نہ آپ عادتاً سخت گفتار تھے۔ اور نہ بہ تکلف سخت گو۔ خلاف وقار بات ان کا شعار نہ تھا۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ آپ سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ تھے۔ بات کے سچے تھے طبیعت کے نرم تھے معاشرت میں نہایت کریم تھے۔ جو شخص دعوت کرتا اس کی دعوت منظور فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے۔ مدینہ منورہ کی آبادی کی انتہا پر بھی کسی مریض کی اطلاع ملتی تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔

معتبر روایات سے ظاہر ہے کہ سید الکونین رحمت مجسم کی داڑھی اور سر کے بال اس جہان فانی سے پردہ فرمانے تک سفید نہیں ہوئے تھے ریش مبارک کے صرف چند بالوں میں سفیدی آئی تھی۔ اُن پر کبھی کبھی مہندی کا خضاب لگا لیتے تھے۔ سر میں تیل ڈالنے کا ذکر ملتا ہے۔ یہ روایات بھی قطعی واضح ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی خوب کشادہ اور بلند تھی۔ صورت و سیرت کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ناک کے نتھنے نرم اور باریک تھے مگر ناک بلند تھی آنکھیں اس درجے سُرمگیں کہ اُن کے حسن اور دل کشی کی تعریف الفاظ میں نہیں کی جا سکتی۔ بس ایک ناقابل بیان مقناطیسیت تھی کہ کسی کو نظر بھر کر دیکھ لیتے وہ گم سُم ہو جاتا۔ مخاطب

کی نظریں اُن سرمگیں، شرمیلی اور جمال آفریں نظروں سے اتفاقاً مل جاتیں تو گفتگو کرنے والا، دیکھنے والا دم بخود رہ جاتا۔

ایک غزوہ کا واقعہ ہے۔ آپؐ کسی درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ تلوار قریب رکھی تھی ایک دشمن قریب آیا اور حضور نبی پاکؐ کو سوتا دیکھ کر تلوار اُٹھالی۔ پھر مخاطب کیا۔ بتاؤ کون تمہیں اب میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں۔ اور تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ پھر اپنی بلند آہنگ آواز میں اُسے جواب دیا:۔

"اللہ بچا سکتا ہے اور تو میرا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

یہ سُن کر وہ شخص کانپ گیا۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ یہ ایک خاص واقعہ کی خاص کیفیت تھی۔ قدرت نے آپ کو داعی دینِ حق کے طور پر دنیا میں بھیجا اور دعوت اسلام کو عام کرنے کی خداداد صلاحیتیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ جب آپ خطبہ پڑھتے تو آپ کی گرجدار اور بلند آواز سے مسجد گونج جاتی۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ گویا کسی لشکر کو حکم دے رہے ہیں۔ یہ اندازِ خطابت اتنا مؤثر ہوتا کہ دلوں میں ایک ایک لفظ اُترتا چلا جاتا۔ مجلسی گفتگو میں متانت، ٹھہراؤ اور اختصار کی کیفیت غالب تھی۔ کم آمیز، اور رُک رُک کر تاکہ سُننے والے ہر تعلیم، ہدایت اور نصیحت کو بخوبی یاد کرلیں۔ موقع محل کے اعتبار سے زیرِ لب مسکراتے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ زور زور سے ہنس رہے ہوں یا قہقہے لگا رہے ہوں۔

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ پیدل کہیں تشریف لے جا رہے ہوں تو یہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ سب سے آگے چلیں۔ صحابہ کرامؓ کبھی برابر چلتے اور کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے پیچھے بھی چلتے۔ ایک اور دل نشین بات یہ کہ (بقول ارباب سیر) آپ دورانِ جنگ یا راستہ طے کرتے ہوئے پیچھے گھوم کر نہ دیکھتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کی چادر مُبارک کسی درخت یا جھاڑی میں اُلجھ جاتی تو آپ اس کو بھی مُڑ کر نہ

نکال لیتے۔ بلکہ ان کی معیت میں جو صحابہ کرام جا رہے ہوتے وہ چادر مبارک کو وہاں سے نکال لیتے۔ سلام میں نہ صرف سبقت فرماتے بلکہ جب تک وہ چلا نہ جاتا۔ آپ کھڑے رہتے۔ اگر کوئی آپ کا ہاتھ گرم جوشی سے پکڑ لیتا یا اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ تو آپ اپنا ہاتھ چھڑانے میں پہل نہ کرتے۔ فقراء کے درمیان بلا تکلف بیٹھ جاتے۔ مساکین کو کھانا کھلانے میں نبی رحمت کا انداز اتنا پُر اخلاص اور متواضع ہوتا کہ کھانے والے شکم سیر بھی ہوتے اور رحمت عالم کے خُلقِ عظیم کے گرویدہ بھی ہو جاتے۔ جب کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو کسی کو پریشان کئے بغیر جہاں جگہ ہوتی وہاں تشریف فرما ہوتے۔ یہ نہ ہوتا کہ پہلے سے موجود لوگوں کو اُٹھا کر اِدھر اُدھر کیا جا رہا ہے۔ یا راستہ صاف کیا جا رہا ہے۔ اپنے اصحابؓ میں اس طرح مل جل کر بیٹھ جاتے کہ اجنبی شخص فوراً آپ کو نہ پہچان سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ جاں نثار صحابۂ کرام کو یہ کیفیت گوارا نہ ہوئی تو انہوں نے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں بیٹھنے پر اصرار کیا جب حضور اکرمؐ نے اس چبوترہ پر بیٹھنا شروع کر دیا تو ملاقاتیوں اور مسافروں سب ہی کو اس خاص نشست کے باعث سیّد الکونینؐ کو مخاطب کرنے میں دشواری جاتی رہی۔ اس تدبیر کا مقصد محض آنے والوں کو سہولت میسّر کرنا تھا۔

شاعرِ بزمِ رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت کا ایک معرکہ آرا اور خیال افروز شعر ہے ؎

واحسن منك لم ترقط عيني

واجمل منك لم تلد النساء

ترجمہ:۔ "آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔"

شم الطیب کے حوالے سے نشر الطیب میں ایک علیحدہ باب ہے جس میں مذکور ہے کہ ترمذی نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا جو خوش آواز اور خوش رُو نہ ہو۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صورت شکل میں بھی اور آواز میں ان سب سے احسن تھے۔ میں کہتا ہوں کہ (باوجود یکہ ایسے حسن وجمال کے) عام لوگوں کا آپ پر اس طور پر عاشق نہ ہونا۔ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام پہ عاشق ہوا کرتے تھے بہ سبب غیرت الٰہی کے ہے کہ آپ کا جمال جیسا تھا غیروں پر ظاہر نہیں کیا۔ ہم اوپر حضرت حسان بن ثابتؓ کے بلند پایہ شعر کا ترجمہ درج کر آئے ہیں۔ حضرت انسؓ کی روایت کی روشنی میں اس شعر کی شرح اور جامعیت اور واضح ہوتی ہے۔

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے تھے۔

اگر عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی مبارک پر ایک پٹی باندھ لیا کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ تقریباً سات گز کا ہوتا تھا۔

آپؐ عمامہ باندھتے تو شملہ ضرور چھوڑتے۔ اور کبھی عمامہ کا ایک پیچ ٹھوڑی کے نیچے گردن پر سے لے لیتے۔

آپؐ عمامہ کا شملہ ایک بالشت کے قریب چھوڑتے۔

آپؐ کے عمامہ کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان پیچھے کی جانب چھوٹا ہوا ہوتا

عمامہ باندھنے کے ختم پر اس کا آخری پلو بجائے آگے کے پیچھے کے رخ میں اڑس لیتے۔

تپش آفتاب کی وجہ سے کبھی عمامہ کا شملہ سر مبارک پر ڈال لیا کرتے۔

عمامہ کے نیچے آپ ٹوپی ضرور اوڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِہٖ وَ

الٰہی بی خاص رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور

اَوْلَادِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَمُحِبِّیْہِ وَاَتْبَاعِہٖ وَ

آپ کے صحابہ اور آپ کی اولاد پر اور اہلِ بیت اور آپ کی ذریت اور سب دوستوں اور ہمدردوں

اَشْیَاعِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

اور سب کی سب جماعت پر اور اُن کے ساتھ ہم سب پر اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان

بی بی آمنہ کا لال مدینے میں پہلی مرتبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ بزرگوار جناب عبداللہ بخار میں مبتلا ہو کر مدینے میں وفات پا گئے۔ تو بی بی آمنہ اپنے شوہرِ خوش خصال کے غم میں نڈھال اپنے جگر گوشے کو ہمراہ لیکر مکہ سے مدینے تشریف لائیں۔ آقائے دو جہاں کی عمر مبارک اس وقت صرف چھ برس تھی۔ سواری کے لئے اونٹ اور جناب عبداللہ کی خادمہ اُمِّ ایمن ہمراہ تھیں۔ خاندانِ بنجار میں آنحضرت صلعم کے دادا کی ننھیال تھی۔ لیکن خیال غالب ہے کہ یہ طویل سفر انھوں نے اپنے شوہر کی اچانک وفات کے صدمے کی کیفیت میں کیا تھا، جہاں جناب عبداللہ آسودۂ خاک تھے۔ عظیم، وفا شعار اور نیک سیرت سیدہ آمنہ نے ایک ماہ تک (مدینے کے) دارانِ بغہ میں قیام کیا۔ واپسی میں مقام ابوا میں خود بھی وفات پا گئیں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد ایک دفعہ نبیٔ رحمت صلعم کا گزر بنو عدی کے منازل سے ہوا تو مدینے کے پہلے سفر کو یاد کرتے ہوئے فرمایا: اسی مکان میں میری والدہ کا قیام تھا۔ یہی تالاب ہے جہاں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ ایمن رضؓ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے اور زید رضؓ بن حارثہ سے نکاح کے بعد اُمِ ایمن کے ہاں اُسامہ رضؓ پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چار بھائی بہن مذکور ہیں۔ عبداللہ۔ انیسہ۔ حذیفہ اور حذافہ (شیما کے لقب سے معروف ہیں۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول میں عبداللہ اور شیما کے قبولِ اسلام کا ذکر ملتا ہے۔

مدینہ منوّرہ صحیح بُخاری کی

چند احادیث کی روشنی میں

بَابُ المدینۃِ طابۃٌ

حَدَّثَنَا خَالِدُ بِنْ مَخلَدٍ:

حدثنا سلیمان

قال: حدثنی عمرو بن یحییٰ

عن عبّاس بن سہل بن سعْد

عن ابی حمید رضی اللہ عنہ۔ قال:

اقبلنا معَ النّبی صلی اللہ علیہ

وسلم من تبوک حتیٰ اشرفنا

علی المدینۃ فقال ھٰذہ طابۃ

"ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا: کہا، ہم سے سلیمان بن بلال نے، کہا مجھ سے عمرو بن یحیٰی نے، انھوں نے عبّاس بن سہل بن سعد سے" انھوں نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جنگِ تبوک سے لوٹ کر آئے۔ جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، تو آپ نے فرمایا یہ طابہ آگیا۔ (طابہ۔ طیبّہ دونوں مدینہ کے نام ہیں۔

حدثنا اسماعیل بن عبد اللہ قال:

حدثنی اخی عن سلیمان عن عبید اللہ
عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ
رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال: حرم ما بین لابتی المدینۃ
علیٰ لسانی قال واتی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم بنی حارثۃ فقال اراکم یا بنی
حارثۃ قد خرجتم من الحرم ثم
التفت فقال: بل انتم فیہ

"ہم سے اسمٰعیل بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا مجھ سے میرے بھائی عبدالحمید نے انھوں نے سلیمان بن بلال سے انھوں نے عبیداللہ سے انھوں نے سعید مقبری سے، انھوں نے ابوہریرہ رضؓ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں جو زمین ہے، وہ میری زبان پر حرم ٹھہرائی گئی۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی حارثہ کے پاس آئے فرمایا: میں سمجھتا ہوں بنی حارثہ، تم حرم کے باہر ہو گئے۔ پھر دیکھا تو فرمایا: نہیں تم حرم کے اندر ہو۔"

حدثنا عبداللہ بن یوسف: اخبرنا
مالک عن ابن شہاب عن سعید بن
المسیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ
انہ کان یقول: لو رأیت الظباء بالمدینۃ
ترتع ما ذعرتھا، قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم: ما بین لابتیھا حرام ہ

"ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو امام مالک نے خبر دی کہ انھوں نے ابنِ شہاب سے، انھوں نے سعید بن مُسیّب سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ وہ کہتے تھے : اگر مدینہ میں ہرن چرتے دیکھوں تو انھیں نہ چھیڑوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ کی زمین پتھریلے میدانوں کے بیچ حرم ہے۔ (وہاں شکار جائز نہیں)

بخاری کی ایک اور حدیث، حفظِ ایمان کے بارے میں۔

حدثنا ابراھیم بن المنذر: حدثنا
انس بن عیاض قال: حدثنی عبیداللہ
عن حبیب بن عبدالرحمٰن، عن حفص
بن عاصم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز
الحیّۃ الی حجرھا۔

"ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا ہم سے انس بن عیاض نے کہا مجھ سے عبیدہ عمری نے۔ انھوں نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے حفص بن عاصم سے، انھوں نے ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے قریب) ایمان سمٹ کر مدینہ میں اس طرح آجائے گا، جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بِل میں سما جاتا ہے۔"

بُخاری ہی کی ایک حدیث مدینے والوں کو ستانے والوں، اور پریشانی میں مبتلا کرنے والوں کے بارے میں :

حَدَّثَنِیْ حسین بن حریث اخبرنا الفضل
عن جعید عَنْ عائشۃ قالت: سَمِعْتُ
سعداً رضی اللہ عنہ، قال: سمعتُ
النَّبِیَّ صلی اللہُ علیہِ وَسلّمَ یقولُ: لایکیدُ
اھل المدینۃ احدٌ الا انماع کما
ینماع الملحُ فی الماءِ۔

"ہم سے حسین بن حریث نے بیان کیا، کہا ہم کو فضل بن موسیٰ نے خبر دی انھوں نے جعید بن عبدالرحمن سے، انھوں نے عائشہؓ سے جو سعد کی بیٹی تھیں۔ انھوں نے سعد بن ابی وقاص سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے مدینہ والوں سے جو کوئی فریب کرے گا اس طرح گل جاوے گا جیسے نمک پانی میں۔"

اس کے بعد بخاری ہی کی کچھ دیگر احادیث:

ہم سے قیتبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے اسمٰعیل بن جعفر نے انھوں نے حمید سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینے کی دیواروں کو دیکھتے تو اُس کی محبت سے اپنی اونٹنی تیز چلاتے اگر کسی اور جانور پر ہوتے تو اس کو بھی ایڑ لگاتے۔ (حرکت دیتے)

مدینہ منورہ کی اقامت کے بارے میں ایک حدیث نبویؐ:-

"ہم سے محمد بن سلام بیکندی نے بیان کیا، کہا ہم سے،

مروان بن معاویہ فزاری نے انھوں نے حمید طویل سے،
انھوں نے انس بن مالک رضؓ سے
انھوں نے کہا، بنی سلمہ (انصار کے ایک قبیلے)
نے اپنے مکان چھوڑ کر مسجدِ نبویؐ کے پاس آجانا چاہا۔
آپ نے مدینہ کو خالی (ویران چھوڑ دینا) پسند نہ کیا اور
فرمایا: بنی سلمہ کے لوگو! تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں
چاہتے۔ پھر وہ وہیں رہ گئے۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی سب طرف سے قائم رہے اور اس میں ترقی ہوتی جائے۔

مہلک بیماریوں اور دجّال کے فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے مدینہ منورہ کے لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہم ارشادات:

"ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا: کہا مجھ سے ولید
ابن مُسلم نے کہا، ہم سے امام ابوعمرو اوزاعی نے کہا، ہم سے
اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے کہا: مجھ سے انس بن
مالک رضی اللہ عنہٗ نے بیان کیا۔ انھوں نے آنحضرت
صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہ آپؐ نے فرمایا: دنیا میں کوئی
شہر ایسا نہیں جس کو دجّال نہ روندے گا۔ ضرور
روندے گا۔ مگر مکّہ اور مدینہ اِن دونوں شہروں میں
آنے کے جتنے راستے ہیں۔ ان پر فرشتے صف باندھے
پہرہ دے رہے ہوں گے"

(تشریح: دجّال خود اپنی ذات سے ہر بڑے شہر میں داخل ہو گا۔ امام ابن حزم کو یہ مشکل معلوم ہوا کہ دجّال ایسی تھوڑی سی مدّت میں دنیا کے ہر شہر میں خود داخل ہو تو انھوں نے یوں تاویل کی کہ دجّال کے داخل ہونے سے مُراد اس کے اتباع، اور جُنود کا داخل ہونا ہے۔ علامہ قسطلانی نے کہا۔ ابن حزم نے اس پر خیال نہیں کیا، جو صحیح مسلم میں ہے کہ دجّال کا ایک دن ایک برس کے برابر ہو گا۔ یہ عمل صرف اُن لوگوں پر موثر ہو گا جو ظاہری مسلمان ہوں گے۔ لیکن اُس زلزلے کا خوف ان پر طاری ہو گا۔ اور وہ مدینے سے نکل جائیں گے۔)

مدینہ منوّرہ کے لئے فرشتے: حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں:

"ہم سے اسمٰعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہا مجھ سے امام مالک نے، انھوں نے نعیم بن عبداللہ مجمر سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مدینے کے دروازوں پر فرشتے ہوں گے۔ نہ اس میں طاعون جا سکے گا نہ دجّال۔"

(یعنی وبائی مرض طاعون سے، جس سے ہزاروں اشخاص ہلاک ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکت سے مدینے کو عام آفتوں سے محفوظ کر دیا)

مدینہ منوّرہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرمِ خاص اپنے محبوب رسول پاکؐ کی دعاؤں کا ثمر ہے اور اس کے علاوہ وہ جذبۂ محبت بھی جو مکہ مکرمّہ سے آئے ہوئے قافلہ ہجرت نبویؐ کے لئے صادقین مدینہ کے دلوں میں موجزن تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ایک واقعہ ہے:

"ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوارث نے، انھوں نے ابو التیاح سے انھوں نے انس رضی اللہ عنہ، سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنی نجار سے فرمایا: تم اپنے باغ کا مجھ سے مول کر لو، انھوں نے کہا: ہم تو اللہ سے اس کا مول لیں گے۔" (بخاری)

سب رہائشوں میں بہتر رہائش مدینے کی۔ اس سے متعلق ایک حدیث بخاری شریف سے مع راویوں کے ماخوذ ہے۔

"ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو امام مالک نے خبر دی۔ انھوں نے ہشام بن عروہ سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے عبداللہ بن زبیر سے انھوں نے سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے۔ یمن کا ملک فتح ہو گا۔ پھر وہاں سے کچھ لوگ سواری کے جانور ہانکتے ہوئے لائیں گے، اور اپنے گھر والوں کو اور جو اُن کا کہنا سنیں گے، ان کو لاد کر مدینے سے لے جائیں گے۔ حالانکہ ان کو اگر معلوم ہوتا کہ مدینہ کا رہنا اُن کے لئے بہتر تھا، اسی طرح شام کا ملک فتح ہو گا اور کچھ لوگ سواری ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے گھر والوں کو اور جو اُن کی بات سُنیں گے، اُن کو لاد کر لے جائیں گے اور اگر وہ سمجھتے تو مدینہ کا رہنا

ان کے لیے بہتر تھا۔ اسی طرح عراق فتح ہو گا تو کچھ لوگ
سواریاں ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے گھر والوں،
اور وہ جو ان کی بات مانیں گے ان کو سوار کرا کے لے
جائیں گے۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو مدینہ ان کے لئے
بہتر تھا۔"

یہاں پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ آرزوئے صادق یاد آتی ہے کہ انھوں نے اللہ رحمٰن ورحیم سے دعا کی تھی کہ اولاً انھیں منصبِ شہادت نصیب ہو اور دوسرے یہ کہ اُن کی موت مدینہ میں واقع ہو، اور سرزمینِ مدینہ ان کا مدفن ہو بالآخر ربّ العزت نے اُن کی یہ دونوں آرزوئیں پوری فرمادیں۔

ہم نے اوپر صحیح بخاری کی جن احادیث کا ذکر کیا ہے، اُن کے اُردو تراجم علامہ وحید الزماں کی تالیف الموسوم تیسیر الباری سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ابتدا میں چند احادیث کا اصل عربی متن بھی دے دیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں اختصار کے پیشِ نظر چند احادیث کے صرف اُردو مفہوم پر اکتفا کیا گیا ہے اور جہاں ضروری خیال کیا گیا، وہاں حواشی بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا احادیث جن کا تعلق مدینہ منورہ کی اہمیت سے ہے۔ شرح صحیح بخاری المعروف "تیسیر الباری" جلد سوم صفحات ۵۹ تا ۷۲ میں فضائل مدینہ کے ابواب پر مشتمل ہیں۔

نمایت بیان وہی وابستگی اور محبت ہے جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہرِ خاص سے تھی۔ بلاشبہ صاحب القرآن اور داعیِ اسلام، محسن انسانیت جو سید الانبیاء کے عظیم منصب پر فائز ہیں اور فخر موجودات ہونے کے علاوہ باعثِ تکمیلِ عالم اور خیر البشر ہیں۔ اُن کی اقامت اور مستقل سکونت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی شہر کو پسند فرمایا؛ خود حضور اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

"مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔ اِسی میں میری قیام گاہ
ہوگی۔ اور یہیں سے میں قیامت کے دن اٹھوں گا۔
لہٰذا میری اُمت کا حق ہے کہ وہ میری ہمسائیگی
اختیار کرے۔"

سیدنا علی المرتضیٰؓ ابنِ ابی طالب سے یہ ارشادِ رسولؐ
روایت ہے کہ:۔

"شیاطین شہرِ مدینہ میں اپنی عبادت سے
مایوس ہوگئے ہیں۔"

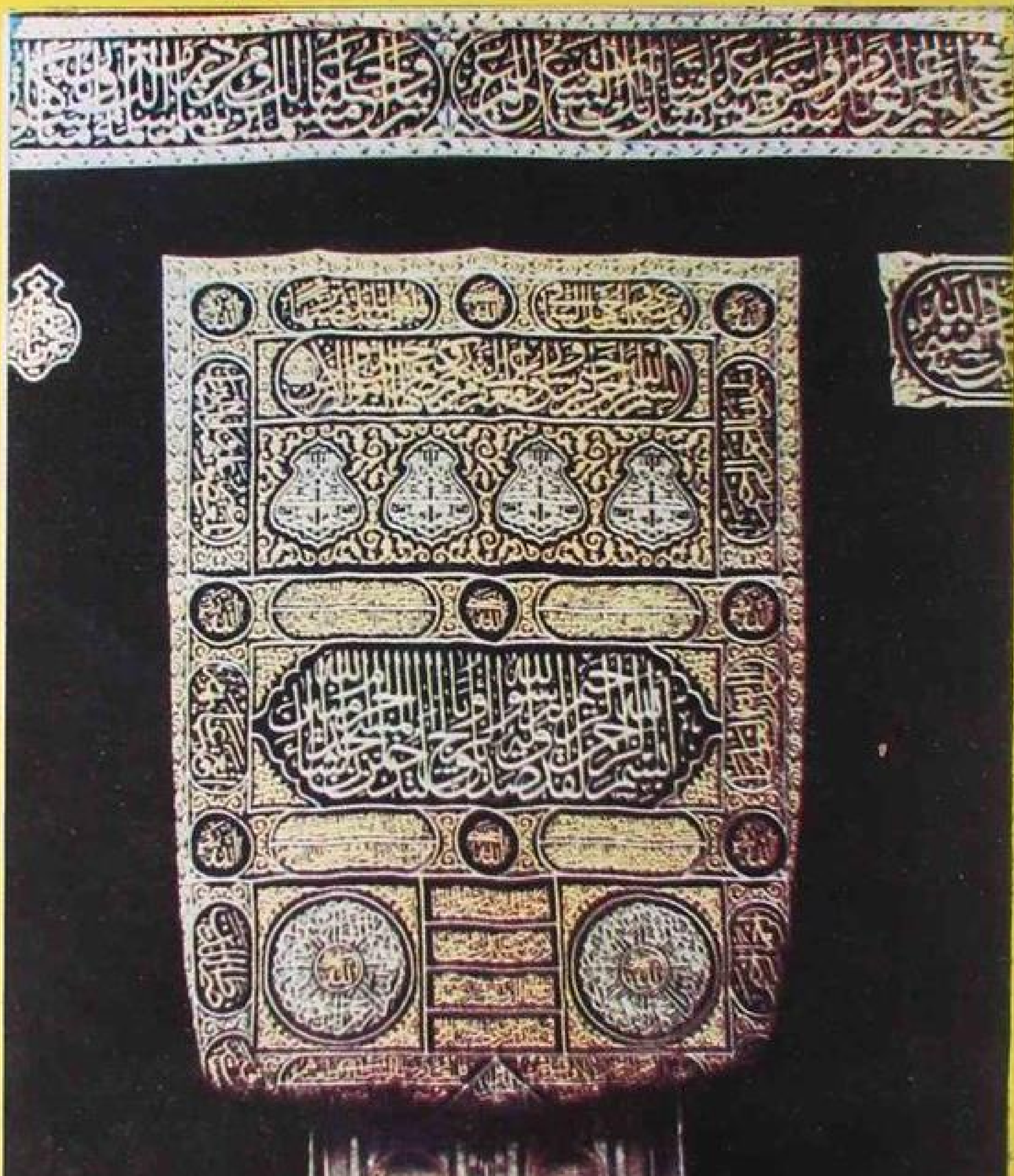
اس کا مطلب یہ ہوا کہ آقائے دوجہاں کی تبلیغ نے لوگوں کو توحید و رسالت
کا صحیح شعور عطا کر دیا ہے۔

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَکِ صِنْوَہٗ
صَلّٰی عَلَیْکَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنِ

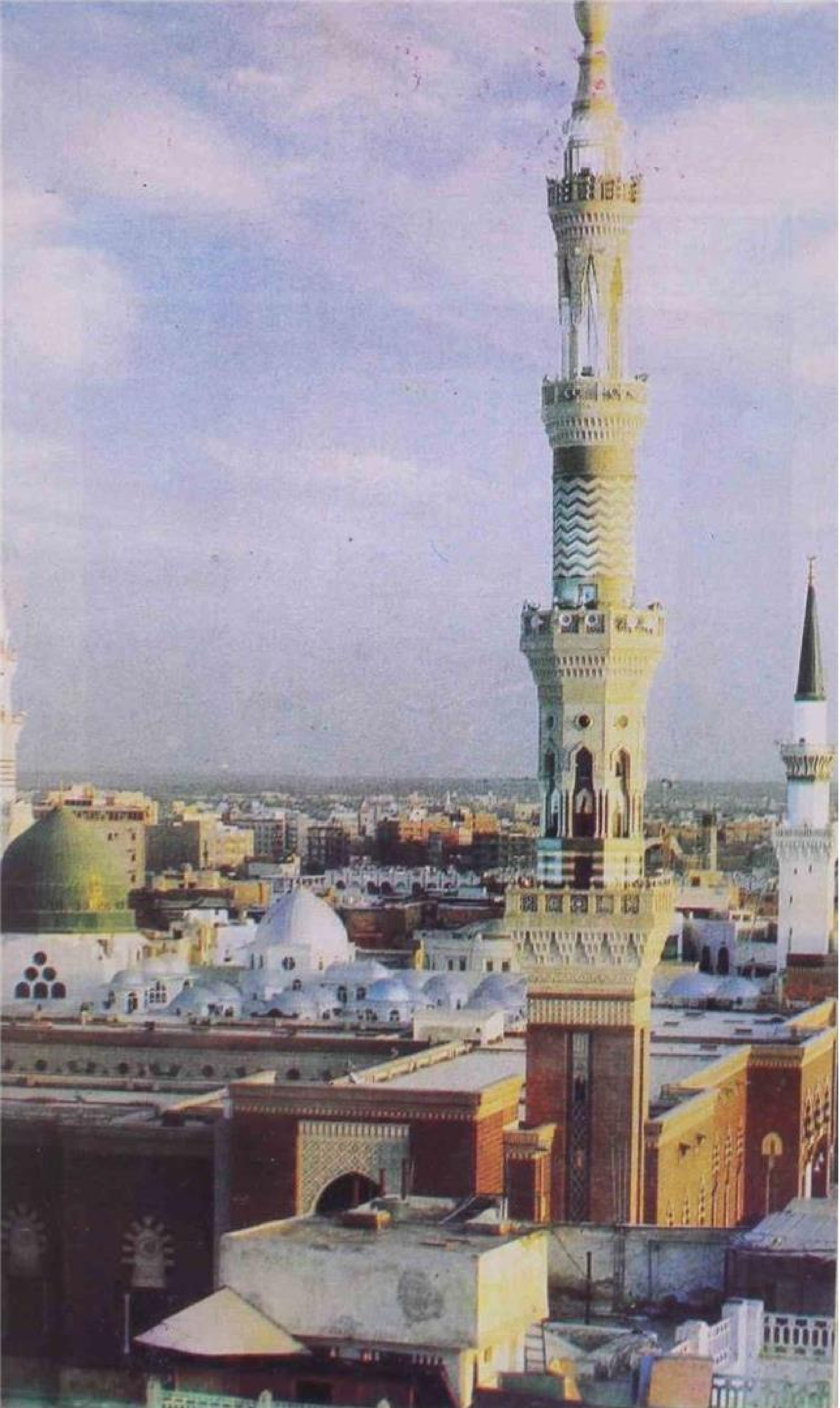
حضرت فاطمۃ الزہراؓ

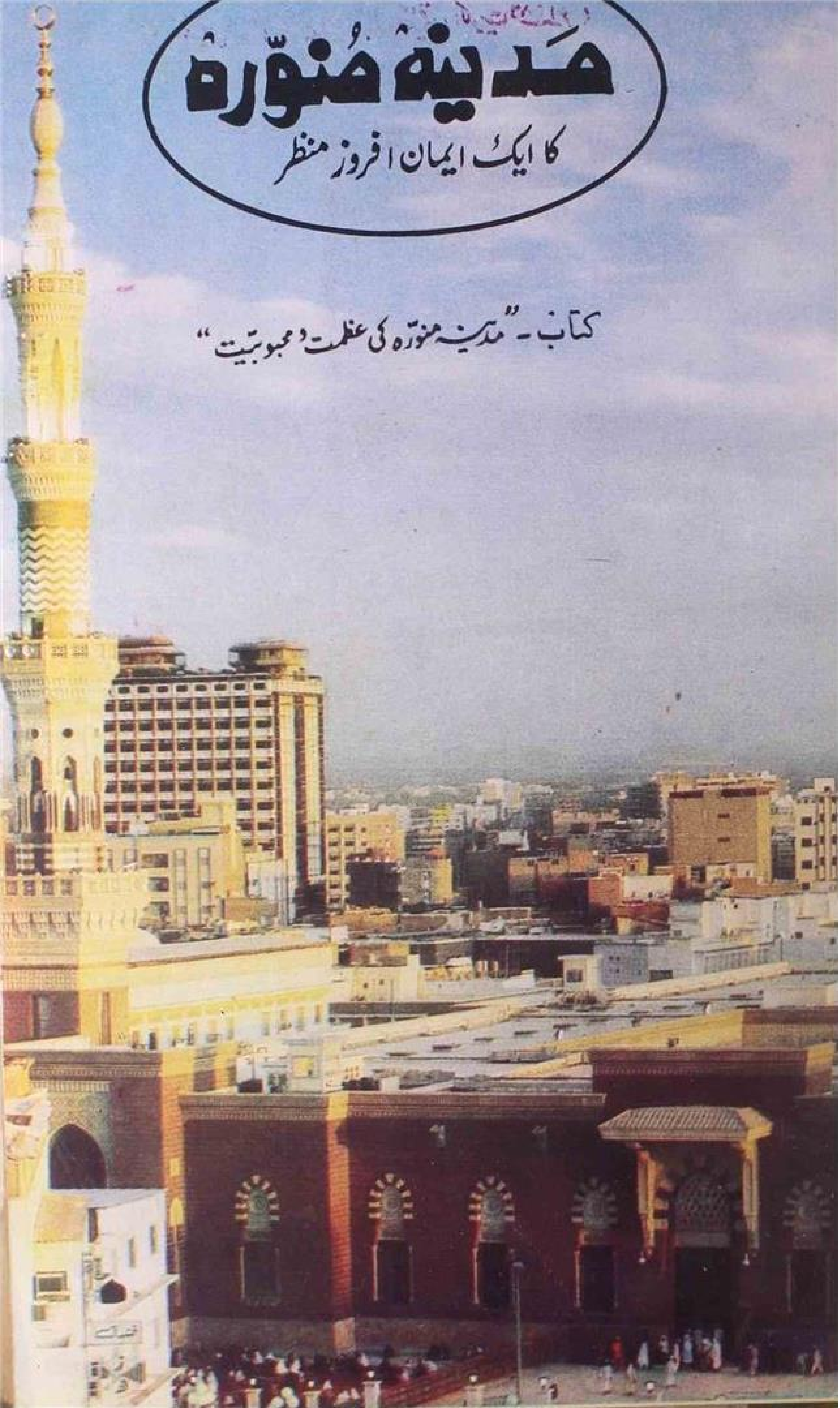
اے آخری رسول! آپؐ برکت و سعادت کی جوئے فیض ہیں۔ آپ پر تو
قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود و سلام بھیجا ہے۔

لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک
ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک



اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو، اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ، وہی مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اُسی کو اپنا کارساز بناؤ [illegible] (القرآن)




مدینہ منوّرہ
کا ایک ایمان افروز منظر
کتاب۔ "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت"

(خصوصی تصاویر: پرویز اقبال صدیقی، الکویت ۱۹۸۶ء)

ترکی عجائب گھر استنبول میں محفوظ تاریخی نوادر



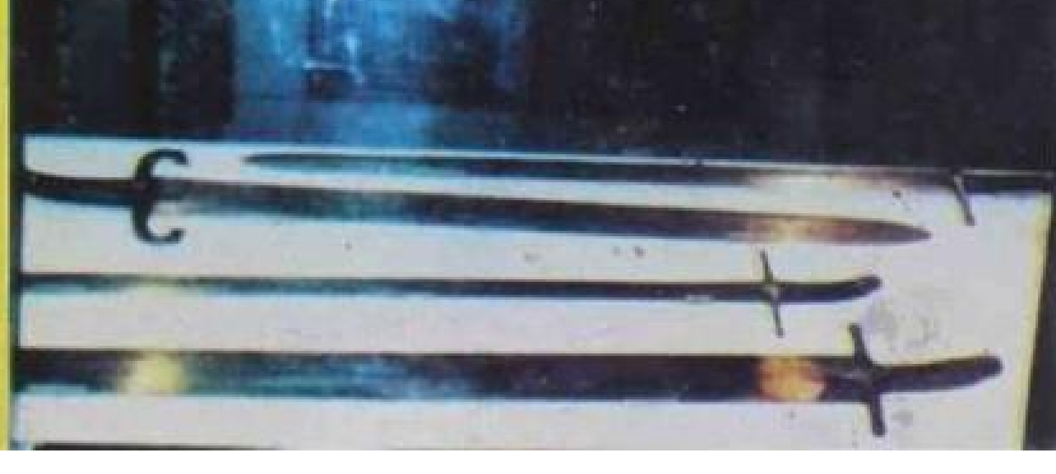
خانۂ کعبہ کی قدیم چابیاں



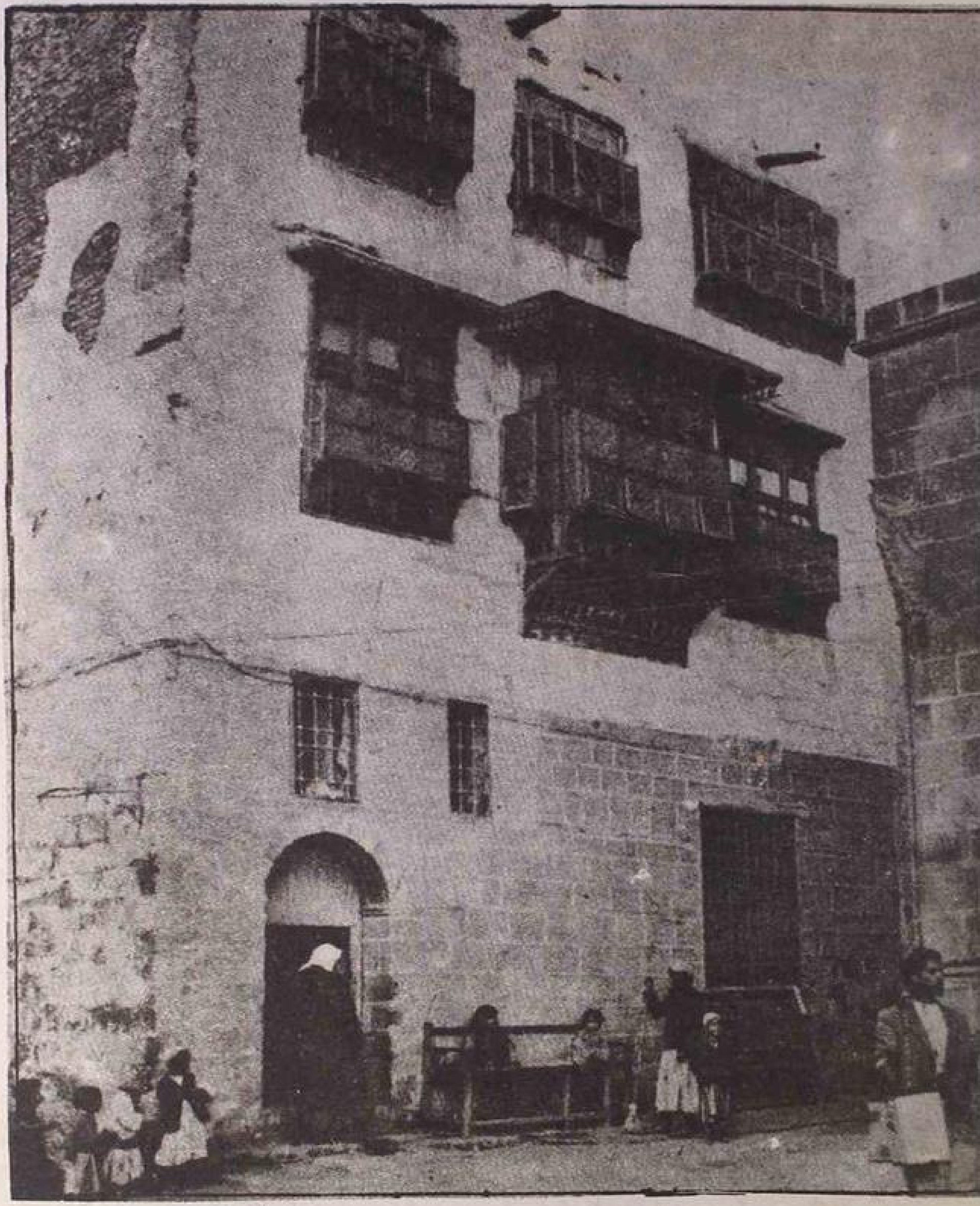
سرورِ کونینؐ کے تیر و کمان، سر اور ریشِ مبارک کے بال بھی توپ کاپی میوزم میں محفوظ ہیں



حضور رسالتمآبؐ کی تلواریں اور نیزے



خلفائے راشدین کی تلواریں



مدینہ منورہ کے محلہ بنی النجار میں مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کا مکان۔ یہی وہ
خوش نصیب انصار صحابی رضؓ تھے، جن کے مکان کے سامنے ہجرتِ مدینہ کے موقع پر حضور انور
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اونٹنی (ناقہ) از خود بیٹھ گئی تھی اور اس طرح نبی رحمت ﷺ کی
میزبانی کا شرف مجاہدِ اسلام حضرت ابو ایوب رضؓ کو تعمیرِ حرم نبوی ﷺ تک حاصل رہا۔ آپ رضؓ
حافظِ قرآن تھے ۱۵۰ احادیث کے راوی ہیں

فخرِ کونینؐ کی اقامت گاہیں

ہجرت کا سفر مکمل کر کے جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے چند میل پہلے واقع بستی قبا میں قیام فرما ہوئے تو دو خوش نصیب گھرانوں کو آقائے دو جہاں نورِ مجسمؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ اوّل کلثومؓ بن ہدم اور دوم سعدؓ بن خثیمہ، قبا اپنی خوشگوار فضا کے اعتبار سے آج بھی پُرکشش ہے اور مضافاتِ مدینہ میں اس وقت قبا کو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے واقعی ایک جداگانہ حیثیت حاصل تھی آج کل مدینہ منورہ کی شہری آبادی کے تسلسل کا یہ عالم ہے کہ ابھی مدینے میں ہوتے ہیں قبا کی بستی شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ مدینے کی آبادی اور آگے تک چلی گئی ہے۔

سیرۃ النبویہ میں ابن ہشام واضح کرتے ہیں کہ حضرت کلثومؓ بن ہدم کا مکان حضورِ اکرمؐ اپنی رہائش کے لئے اور حضرت سعدؓ بن خثیمہ کا مکان لوگوں سے گفتگو کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ آج ان مکانات کے آثار و نشانات کو صحیح طور پر تلاش کرنا ممکن نہیں رہا۔ لیکن مشہور تاریخ دان مطری کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا تھا۔ اور خود علامہ سمہودی کا زمانہ نویں صدی ہجری کا دونوں تصدیق کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک مکی و مدنی ہاشمی و مطلبی ہادی برحقؐ کی یہ قیام گاہیں اسی نام سے مشہور تھیں۔ اگرچہ رفتارِ زمانہ نے نئی عمارتیں اور نئے راستے تعمیر ہونے کے باعث اب پہلی سی شہرت باقی نہیں رکھی مسجد قبا ہی مرکزِ توجہ اور مرجع خلائق ہے تاہم سید نور الدین علی بن احمد ہمیں بتاتے ہیں کہ :۔

"یہ دونوں مکانات مسجد قبا کی جنوبی سمت میں واقع

تھے اور سعد بن خثیمہ کا مکان کلثوم بن ہدم کے مکان
کے پہلو میں مسجد قباء سے ملحق و متصل تھا۔"

علامہ سمہودی بڑے وثوق سے کہتے ہیں مذکورہ بالا احوال کے مطابق یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ یہ دونوں مکانات ان دو بیضوی گنبدوں کی جگہ پر بنے ہوئے تھے جو آج بھی مسجد قبا کے جنوب میں (گویا جانب قبلہ) تقریباً بارہ میٹر کے فاصلے پر نظر آتے ہیں۔

انصار کی اس بستی میں ایک ممتاز خاندان عمرو بن عوف کا آباد تھا۔ اور کلثوم رضی بن ہدم اس خاندان کے سردار اور ایک بارسوخ شخصیت تھے۔ مسجد قبا کے لئے زمین بھی کلثوم رضی بن ہدم نے ہی نبی پاک ص کو ہدیہ کی۔ حضور اکرم ص نے مسجد کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی۔ گویا پہلا بنیادی پتھر رکھا۔ دوسرا پتھر رفیق سفر ہجرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی نے تیسرا پتھر اسلام کے بازوئے شمشیر زن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھا۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۸ میں اس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی سے روایت ہے کہ نبی کریم ص ہر شنبہ کو مسجد قبا کے لئے کبھی پیدل اور سوار تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ نبی کریم ص کا ارشاد ہے:۔

"جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد قبا میں دو
رکعت ادا کرے تو اُسے ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔"

زائرین حرم مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مسجد قبا میں حاضر ہو کر نماز ضرور ادا کرتے ہیں۔ مسجد قبا کی محراب جدید پہ یہ حدیث ہم نے خود بھی نمایاں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء فصلی فیہ رکعتین کان کاجر عمرۃ۔
بستی قباء کے بعد حضور اکرمؐ حضرت ایوب انصاری کے مکان واقع مدینے میں فروکش ہو گئے تھے۔
بعد میں مسجد نبویؐ سے ملحق حجرے قیام گاہ رہے۔

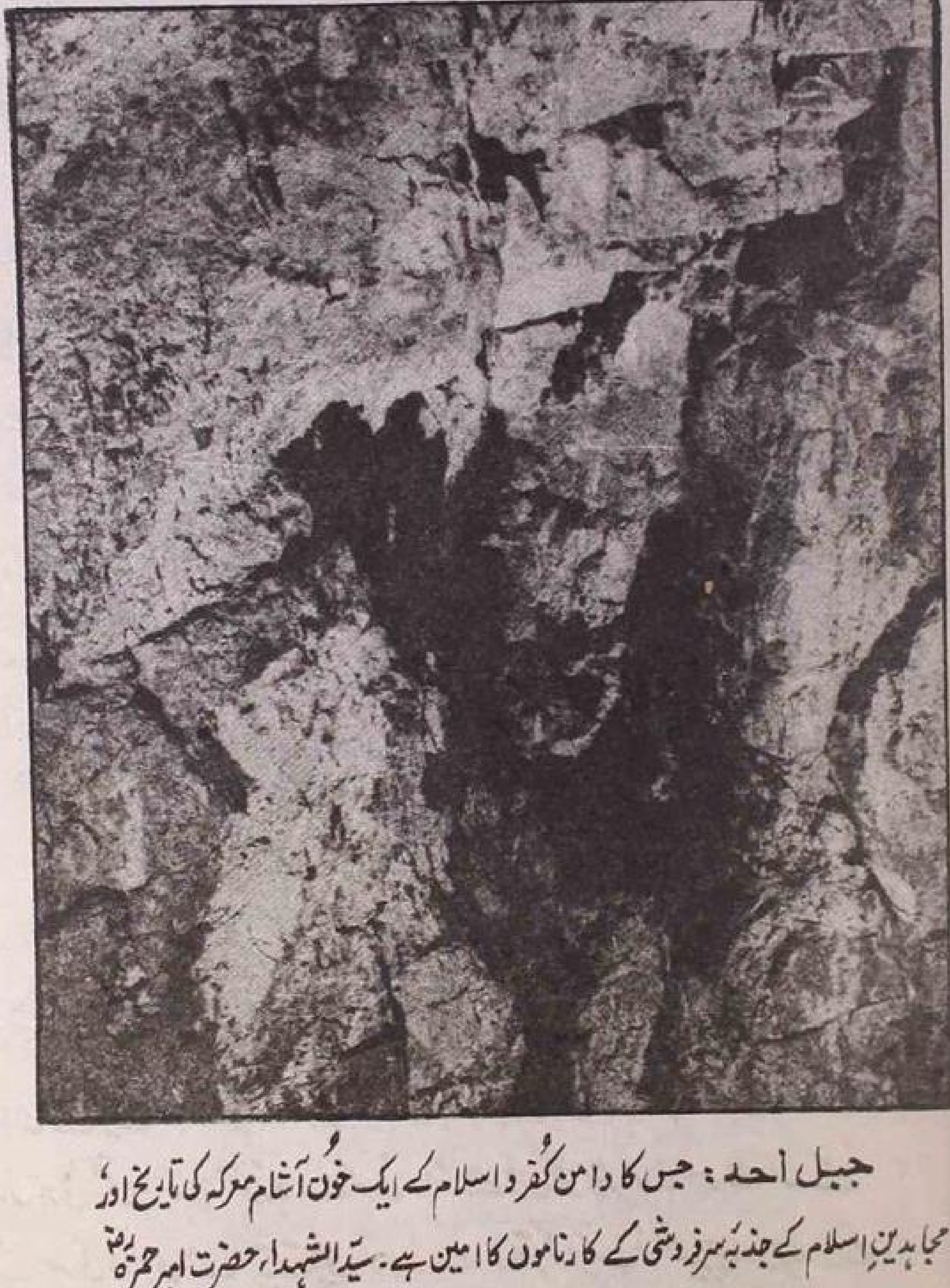
دندان مبارک کہاں شہید ہوئے!

عام طور پر جبل احد پہ ہر کہیں جانے یا جو کسی کے جی میں آئے کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تاہم وادی طے کر کے جبل احد کے اندر تقریباً سو گز بلندی پر جائیں تو ایک تنگ سا غار بس اتنی گنجائش پہ محدود ہے کہ بمشکل دو تین افراد وہاں بیٹھ سکیں۔ مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے دوران دندان مبارک شہید ہونے کے بعد اس غار میں آرام فرمایا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں کوفی خط میں کچھ عبارتیں تحریر تھیں۔ جو اب نایاب ہیں۔ سفیدی کر دینے کے سبب البتہ اس غار کو تلاش کرنے میں قدرے سہولت ہو جاتی ہے اس غار کے نزدیک ذرا نیچے کی جانب ایک مختصر سی مسجد بنی ہوئی ہے۔ روایات کے مطابق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے کے بعد پہاڑی کے دامن میں اترے تو یہاں آپؐ نے ظہر و عصر کی نماز پڑھی تھی۔ غزوہ احد شوال ۳ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ بعض لوگ سنی سنائی باتوں کی بناء پر یا کم علمی کے باعث اس واقعہ کو ماہ رجب سے منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔

جبل عینین :-

احد کے پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی جبل ثور کہلاتی ہے اور وادی قناۃ اس پہاڑ کے دامن کو کہا جاتا ہے۔ مدینے کی شہری آبادی ختم ہوتے ہی خشک گرد و غبار سے اٹا ہوا راستہ شروع ہو جاتا ہے۔ زمین میں شور نمایاں ہے۔ یہ

حضور نبی اکرمؐ نے جبلِ احد کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ "یہ ایک پہاڑ ہے۔ جو ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔" تصویر میں اس مقام کی نشان دہی کی گئی ہے، جہاں غزوہ احُد میں زخمی ہونے کے بعد آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہا۔



جبل احد: جس کا دامن کفر و اسلام کے ایک خوں آشام معرکہ کی تاریخ اور مجاہدینِ اسلام کے جذبۂ سرفروشی کے کارناموں کا امین ہے۔ سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اور دوسرے شہیدانِ احد اس غزوہ کے مقام سے کچھ فاصلے پر مدفون ہیں۔

ایسی زمینی کیفیت ہے جو لاوا خشک ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وادی قناۃ سے پہاڑ پر جانے کے لئے صرف ایک دشوار گذار پگڈنڈی ہے۔ یہاں ایک نسبتاً بلند ٹیلہ، جبل عینین، کہلاتا ہے۔ غزوہ احد کے واقعات میں اس ٹیلے کی اہمیت اس لئے اور زیادہ ہے کہ یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے تیر اندازوں کا ایک دستہ تعینات فرمایا تھا۔

مدینہ کے اطراف وجوانب کے حقائق جمع کرنے والے کہتے ہیں کہ وادی قناۃ کی دوسری سمت احد کا جنوبی دامن ہے۔ اور چند میل اوپر کی جانب چلتے جائیں تو ایک جھیل آجاتی ہے۔ جو وادی قناۃ سے گذر کر ندی کی صورت میں طائف کی جانب چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر بارش ہوجائے تو اس علاقے میں سیلاب آجاتا ہے۔ اُحد کو اُحد کیوں کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ نہ سرسبز ہے نہ خودرو گھاس اور درختوں سے بھرا ہوا۔ رنگ کے اعتبار سے سرخ، اور دوسرے پہاڑوں سے الگ تھلگ آنحضرتؐ کے دندان مبارک اس گھاٹی میں دفن ہیں۔ جہاں لشکر اسلامی نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

مسجد امیر حمزہؓ :۔

سید الشہداء امیر حمزہؓ بن عبد المطلب غزوہ اُحد کے دوران جس بہیمانہ انداز میں شہید کئے گئے تھے۔ وہ تاریخ اسلام کا نہایت روح فرسا واقعہ ہے۔ سورہ آل عمران میں آیت نمبر ۱۴۲ اللہ جل شانہ کی جانب سے اس واقعہ کی مناسبت سے نازل ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ سے کوئی ساڑھے تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے جب احد کی وادی میں پہنچتے ہیں تو سیدھے ہاتھ کو ایک نو تعمیر چہار دیواری کے اندر جناب امیر حمزہؓ کا مرقد مبارک صاف نظر آتا ہے ایک گوشہ میں گنج شہیداں

ہے جہاں دوسرے کئی شہدائے احد مدفون ہیں اس چہار دیواری سے ملحق ایک بہت سلیقے سے تعمیر کی ہوئی کشادہ مسجد ہے۔ جہاں باقاعدہ نماز ہوتی ہے ؛

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

آل عمران پ ۳ سورہ ۱۴۰

مسجد ذُباب :

مدینے کے نواح میں وداع کی گھاٹیوں سے اترنے کے بعد جبل احد کو جو راستہ جاتا ہے وہاں سے ایک نسبتاً چھوٹا مگر بالکل سیاہ رنگ کا پہاڑ نظر آتا ہے۔ اسے تاریخ میں ذباب یا ذُباب دونوں طرح تلفظ کیا گیا ہے۔ مؤلف سفرنامہ ارض القرآن لکھتے ہیں کہ جبل سلع کے شمال میں اس سے بالکل متصل سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے اس پہاڑ پر ایک مسجد ہے۔ جس کا نام مسجد زباب یا مسجد ذوباب ہے غزوہ احزاب کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی تھی۔

وفاءالوفا اور خلاصۃ الوفاء کے مشہور مصنف سید نورالدین علی بن احمد سمہودی نے اس تحقیق کے میدان میں قابل قدر شہرت حاصل کی ہے۔ موصوف مسجد ذباب سے متعلق ابن شیبہ کی روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز پڑھی ہے اور غزوہ خندق کے دوران آپ کے لئے ترکی خیمہ بھی اس پہاڑ پہ نصب تھا۔ مناسب وضع کے پتھروں سے بنی ہوئی یہ مسجد سنہ ہجری میں تعمیر ہو چکی

تھی اور اسی حالت پہ آج تک قائم ہے۔ طول وعرض
میں چار چار میٹر ہے۔ اونچائی میں ۸/۱ میٹر ایک گنبد
بھی ہے۔ جو کافی مستحکم اور مضبوط بنا ہوا ہے۔"

گنبد خضریٰ:

آل عثمان غنیؓ کی خلافت کے دور میں مسجد نبویؐ کی تعمیر تزئین پر خاصی توجہ دی گئی۔ ترکی النسل عثمانی سلاطین میں جو نام اس حوالے سے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں سلطان سلیم ثانی، سلطان محمود، سلطان عبدالحمید اور سلطان عبدالمجید کے نام شامل ہیں۔ آخر ی الذکر دونوں سلاطین کی زیادہ تر توجہ اس امر پر تھی کہ فرزندان اسلام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مسجد نبویؐ کے رقبے میں ہر ممکن توسیع کی جائے۔ لیکن سلطان سلیم ثانی (۹۸۰ھ) کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے جس حجرہ میں آرام فرما ہیں۔ اُس کی چھت پر خوشنما گنبد بنوایا جائے۔ یہی بات ۱۲۳۳ھ میں سلطان محمود کے دل میں آئی اس نے نہ صرف اسے مزید خوبصورت بنوایا۔ بلکہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں ایسا پختہ اور چمکدار سبز رنگ کروایا کہ حجرہ نبویؐ کا یہ گنبد نہ صرف مدینے میں بلکہ پوری دنیا میں گنبد خضریٰ (سبز گنبد) کے نام سے مشہور اور مقبول ہوگیا۔ خانہ کعبہ اور گنبد خضریٰ کے بعد اگر دنیا میں کوئی گنبد اپنے تقدس میں تاریخی طور پر مشہور ہے تو وہ بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ ہے۔

مسجد نبویؐ میں مکانات کی شمولیت:

امیرالمومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کی ضرورت محسوس کی تو اس کے سوا

کوئی صورت نہ تھی کہ قرب وجوار کے مکانات خرید ے جائیں اور اس طرح حاصل ہونے والے قطعات کو توسیعی منصوبے میں شامل کیا جائے۔ انہوں نے مسجد کے دروازے بھی چھ بنوائے۔ امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہہ کے زمانہ خلافت میں تعمیر مسجد نبوی پر سالہا سال کام ہوتا رہا۔ سیدنا عثمانؓ نے ورثا کو معقول معاوضہ دے کر خلیفۃ الرسول ثانی اثنین سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت جعفر طیارؓ کے مکانات خریدے اور انہیں حدود مسجد میں شامل کر دیا۔

اس کے بعد عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ طیبہ کی گورنری کے زمانے میں اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے توسیع مسجد کے نئے منصوبے پر عمل کیا انہوں نے قرب وجوار میں موجود ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے اور ان سے ملحقہ دوسرے مکانات مالکان کی رضا و رغبت سے خریدے اور یہ قطعات اراضی بھی مسجد نبویؐ میں بتدریج شامل ہوتے گئے۔ تاہم جن حکمرانوں نے عباسی خلافت کے عہد میں مسجد نبویؐ کی تعمیر و تزئین میں دلچسپی لی ان میں خلیفہ مہدی عباسی، خلیفہ معتصم باللہ عباسی اور بعض والیان مصر کے نام شامل ہیں۔ (سعودی عہد حکومت کی تعمیر و توسیع کا ہم نے کتاب کے علیحدہ باب میں ذکر کیا ہے۔) ابتداً ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اس مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے مسجد کی تعمیر کے لئے دو یتیم بچوں سے یہ قطعہ اراضی خرید اگیا تھا اور اس وقت مسجد میں ایک صحن اور صرف تین دروازے تھے۔

مدینے کی مواخاۃ: کوئی قوم، کوئی معاشرہ، کوئی شہر اور کوئی ملک،

باہمی ربط و تعاون، احترام انسانیت اور ایک دوسرے کے لئے سچے، ہمدردانہ جذبات اختیار کئے بغیر زندگی میں کامل تحفظ راحت اور اطمینان قلب سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ مدینہ منورہ کی مثالی اسلامی ریاست نے اس فلاحی اور منصفانہ معاشرے کا تجربہ پوری دنیا کو کامیاب کر کے دکھایا۔ جب سے یہ باہمی اتفاق اور بھائی چارہ مفقود ہوا ہے۔ ہماری زندگیاں بے سکون ہیں۔ معاشرے کے دامن تار تار، اور دو طرفہ اعتماد کے گریباں چاک ہو کر رہ گئے ہیں۔

مکہ مکرمہ سے جو مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے ایک تو وہ دین حق کی خاطر مصائب جھیل کر پہلے ہی بے سر و سامان ہو چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ مخصوص منتخب راستوں سے آنے والے بس اتنا ہی اندوختہ لا سکے جو تعاقب کرنے والوں کی نظروں سے کسی نہ کسی طرح بچ گیا۔ اب مہاجرین کو انصار مدینہ کے ساتھ مل جُل کر عزت و وقار کے ساتھ رہنا تھا۔ دانائے حکمت و راز معلم کتاب و دانش نے اس اتحاد و یگانگت کو دوام بخشنے کے لئے مواخاۃ کا اصول اختیار کیا۔ ایک روز حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حضرت انس بن مالکؓ کے مکان پہ جمع کیا۔

مدینہ طیبہ آئے ہوئے ان مہاجرین کی تعداد ۴۵ تھی۔ دوسری طرف انصار کا مجمع تھا۔ نبی پاکؐ نے مہاجرین اور انصار دونوں گروہوں میں ایک ایک شخص کو بلانا شروع کیا۔ اور دونوں کو رشتہ اخوت میں منسلک کرنے کے لئے ارشاد فرماتے گئے:۔

"اب تم بھائی بھائی ہو۔"

اور واقعی انصار اور مہاجر ہر اعتبار سے بھائی بھائی ہو گئے۔ مواخاۃ کو انہوں نے اس والہانہ وابستگی سے قبول کیا کہ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے اپنے گھر

لے گئے۔ اور کہا۔ اس گھر، یا کاروبار میں جو بھی سامان ہے وہ آج سے آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہے۔"

اس رشتہ اخوت میں منسلک ہو کر بھائی بھائی بن جانے والے چند مہاجرین اور انصار کے نام درج ذیل ہیں۔ مدینہ منورہ مواخاۃ کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

مہاجرینِ مدینہ	انصار مدینہ
حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ	حضرت خارجہؓ بن زید
حضرت سیدنا عمرؓ بن خطاب	حضرت عتبانؓ بن مالک
حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت
حضرت ابو عبیدہؓ بن جراحؓ	حضرت سعدؓ بن معاذ
حضرت زبیرؓ بن عوام	حضرت سلامہؓ بن دلش
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابو ایوبؓ انصاری
حضرت عمارؓ بن یاسر	حضرت حذیفہؓ بن یمان
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذرؓ بن عمرو
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابو درداؓ
حضرت بلالؓ بن رباح	حضرت ابو رویحہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ	حضرت عبادؓ بن بشر
حضرت سعیدؓ بن زید	حضرت ابی کعبؓ
حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف	سعدؓ بن الربیع

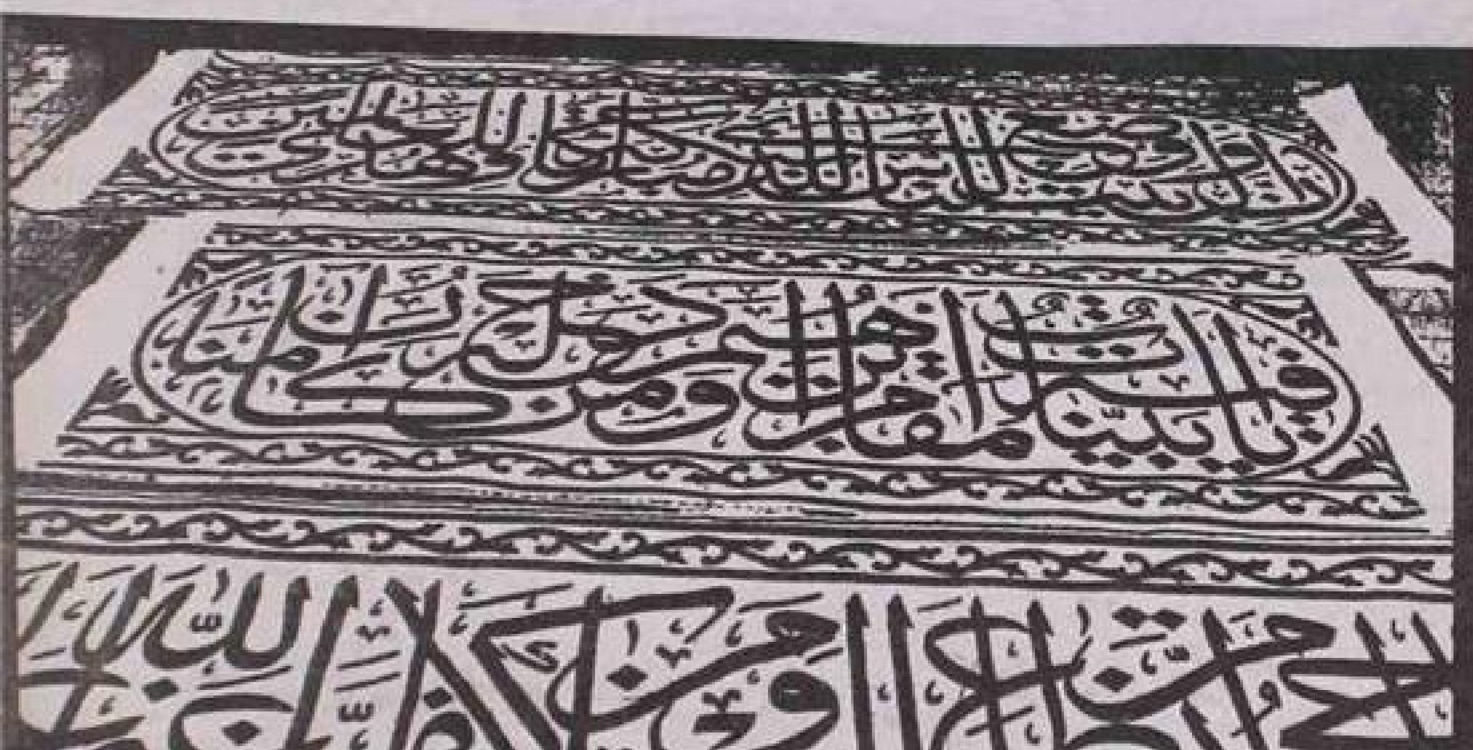
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ○

(سورۃ الانفال ۷۴)

ارشادِ ربانی، اسلام کی راہ میں گھر بار چھوڑنے (ہجرت کرنے والوں)، کی صداقت ایمانی اور ان کے مددگاروں کے لئے" (اور جو لوگ ایمان لائے، اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں، اور جن لوگوں نے جگہ دی، اور مدد کی۔ وہی ہیں تحقیق مسلمان۔ ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی۔)

* * *



خانۂ کعبہ کا دلکش ترین اور جمال آفریں غلاف جسے لاکھوں ملین سعودی ریال خرچ کر کے بیش بہا طلائی نقاشی سے تیار کیا گیا۔ اس تصویر میں نظر آنے والی قرآنی آیات: حج بیت اللہ کی استطاعت ہدایت افادیت، اور مقاماتِ مقدسہ کی ترجمانی کر رہی ہیں۔

اُمہّاتُ المومنینؓ (ہماری مقدّس مائیں)

ارشاد ربانی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

مفہوم (یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے ان کی جان سے اولی اور اُس (یعنی نبیؐ) کی بیویاں، ان کی مائیں ہیں) (سورۃ احزاب آیت ٦)

اللہ رب العزت نے آقائے دوجہاں، فخرِ موجودات سید الانبیاء، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو انسانی رشتوں میں سب سے مقدس رشتہ ماؤں کا رشتہ، اور بلند ترین مرتبہ، ماں کا مرتبہ عطا فرمایا۔ ماں کی محبت اور ماں کی آغوشِ شفقت اور ماں کے واجب احترام ہونے میں کسی شک، کسی تردد، کسی ابہام اور کسی بحث و تشریح کی گنجائش تاریخ کے کسی معلوم یا نامعلوم دور میں نہیں رہی۔ ماں تو کسی بھی فردِ نسلِ انسانی، کسی بھی بیٹے یا بیٹی کے لئے اپنی والہانہ محبت، بے اختیار لگاؤ اور رشتۂ باہمی کے تقدس کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں رہی۔ حتیٰ کہ ماں ہی دردمندانہ اور غیر اختیاری اُلفت کی پھلواری کا وہ سایہ ہے کہ سعادتمند اور فرمانبردار اولاد کے علاوہ نافرمان اولاد بھی اپنی بدبختی اور کج روی کے باوجود اس سایہ میں پناہ لینے کے لئے سمٹ آتی ہے۔

باپ کی محبت اولاد سے کم نہیں ہوتی، اپنے بیٹے اور بیٹیاں مشفق باپ کو بھی جان سے پیارے ہوتے ہیں۔ لیکن بالعموم باپ کا اظہارِ محبت کم آمیز ہوتا ہے۔ خال خال محدود ہوتا ہے اور بعض اوقات شفقت پدری کی ظاہری کیفیت اور اظہار احوال میں قدرے کمی محسوس ہوتی ہے۔ بہ مقابلہ مادرانہ اُلفت کے۔ تو رب کائنات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اُمت کی مائیں قرار دے کر ہم سب کے

نہ صرف احترام و عقیدت کا لافانی درس دیا بلکہ ازواجِ مطہرہؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو امہات المومنینؓ قرار دے کر اُمتِ محمدیہ پر ایک اور احسانِ عظیم فرمایا۔ کیونکہ یہ اُمت کی وہ مائیں ہیں، جن کو نہ صرف خود رحمتِ مجسم، محسنِ انسانیت اور رہبرِ دین و دنیا کی رفیقۂ حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، بلکہ براہِ راست اپنے جامع الصفات اور لائقِ افتخار شوہر نامدار کی سیرتِ مطہرہ کے مشاہدے کی نعمت ملی اور کتاب و سنت کی تعلیم کا فیضانِ رحمت عام کرنے کا ایک ذریعہ یہ اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی بن گئیں۔ روح کی تازگی، احساسِ صداقت کی بالیدگی، فقر و غنا میں جذبات کی آسودگی اور افکارِ پریشاں کے غلبے میں استقامتِ ایمانی کی وہ کون سی روشنی، اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو اِن اُمہات المومنین مع الاکرام کی زندگیوں میں نہیں ملتی!

اگر ہم بصد عجز و نیاز سب مل کر یہ کہیں کہ ہماری ہزار جانیں بھی ہوں، تو اِن عفت مآب، مُقدس و محترم، مہربان و مُربی، مُتقی و مُعلم ماؤں کے نام پر، اپنے آقا نبی پاکؐ کی رفیقانِ حیات پر قربان کر دیں اور اپنی ہر پیاری اور محبوب متاع ان کے مقدس اور بلند و رفیع اسمائے گرامی پر نچھاور کر دیں تو بھی یہ جذبہ ایثار و عقیدت کافی نہ ہوگا۔ اور ہمارے قلب یہی صدا دیں گے۔ کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تاریخ و سیرت کے آئمہ کرام میں خاصی بڑی تعداد ایسی ہے کہ جنھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ناموں، خاندانی نسبتوں، اور ان کے اوصافِ حمیدہ، حتیٰ کہ تعداد ازواجِ مطہرہ رضؓ کا تذکرہ اپنی تحریر و تحقیق میں منضبط کیا ہے۔ اِبنِ کثیر، اِبنِ اثیر، اِبن سعد، اِبن عساکر، اِبنِ جریر، اِبنِ اسحاق، یعقوبی، امام نووی، طبری، وغیرہ

متقدمین میں چند بڑے نام ہیں جبکہ گزشتہ ایک صدی میں اعلیٰ پایہ کی محققانہ کتابیں مرتب کرنے والوں میں مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوری، علامہ شبلی نعمانی رح، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا غلام رسول مہر، علامہ راشد الخیری، مولانا عبدالعلیم صدیقی، مولانا ماہرالقادری، مولوی سید نواب علی، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا اشرف علی تھانوی، ڈاکٹر حمید اللہ، حکیم محمد اسمٰعیل ظفر آبادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے چند اسمائے گرامی یہاں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

امہات المومنین رض کی بدولت سیرتِ نبیؐ پاک کی جو روشنی ہمارے دلوں کو حاصل ہوئی اُس کی ایک مثال سیدہ عائشہ صدیقہ رض کا وہ جواب ہے جو انھوں نے نبی پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل سے متعلق ایک سوال پر دیا۔ اُمّ المومنین رض نے اخلاقِ نبویؐ کی تشریح ناطق کے لئے فرمایا۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن

(آپ کا اخلاق قرآن تھا)

اور اس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں کہ ربِ کائنات نے صاف صاف فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

(بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحبِ اخلاق ہیں)

اور کسی فرد عاجز وعاصی میں یہ تاب وتوانائی فہم وبصیرت کی لامتناہی کہاں کہ خالقِ کائنات اور معبودِ حقیقی سے سوا، یا اس کے مانند ومساوی حضور سید المرسلین حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رفعت اور مرتبہ مُعلّٰی کو جانے اور پہچانے اور اس رمز شناسی کا داعی ومختار بنے۔ ہم سب تو اللہ جل شانہٗ کے فضل وکرم اور رحمٰن ورحیم کی نگہ رحمت کے لئے دن رات کی نمازوں میں دست بہ دعا ہوتے ہیں۔

ہمہ وقت ہمہ تن اپنا دامانِ طلب پھیلائے ہوتے ہیں اور اُدھر کرمِ خاص کی شان یہ ہے کہ خود ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

(آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے)

عارف باللہ مولانا محمد عبد الحیؒ اسوۂ رسولِ اکرمؐ میں قاضی عیاض کی کتاب الشفا' کا حوالہ دینے کے بعد عوارف المعارف کی عبارت یوں نقل کرتے ہیں۔

" اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد یہ تھی کہ قرآنِ کریم ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہذب اخلاق تھا۔ یعنی کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن کے یہی معنی و مطلب ہیں"

ہم تعداد ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض دیگر نکاتِ تحقیقی کی بحث اور تفصیل میں جائے بغیر امہات المومنینؓ کے بالاختصار لیکن جامع تعارف پر اکتفا کریں گے۔ کیونکہ عہدِ رسالتؐ کی جاں نثار خواتین صحابیات کرامؓ اور وہ بھی بلند مرتبہ ازواج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کرنا ان محدود اوراق میں ممکن ہی نہیں۔

تذکرہ اُمہات المومنینؓ کی یہاں اصل غایت یہ ہے کہ سرورِ عالم شفیع المذنبینؐ کی جملہ ازواجِ مطہرہ میں سوائے اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوسری تمام ازواج النبی نبیٔ اکرمؐ، فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہیں، بلکہ آقائے دوجہاں کی قائم کردہ اسی عظیم الشان مسجد نبویؐ کے متصل انتہائی سادگی سے بنائے ہوئے مختصر حجروں میں انھوں نے شہنشاہِ دو عالم کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے اپنی پوری زندگی بسر کر دی۔

اگرچہ مسجدِ نبویؐ کی جدید ترین تعمیرات خصوصاً ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء کی توسیعات نے حرمِ نبویؐ کا پورا نقشہ بڑی حد تک تبدیل کردیا ہے اور تمام ازواجِ مطہراتؓ کے علیحدہ علیحدہ حجروں کی نشان دہی ممکن نہیں رہی۔ تاہم اس میں ذرہ برابر شبہ، نہیں کہ مسجدِ نبویؐ کی اصل عمارت کو پیشِ نظر رکھ کر حجروں کے مقام اور فاصلے کا تعین کیا جاسکتا ہے اور کتبِ تاریخ و سیر کے حوالوں کی بدولت یہ اندازہ بھی باآسانی ہوجاتا ہے کہ اِن حجروں کی سمت اور جہت شرقاً غرباً کیا تھی اور رہائش گاہِ نبویؐ کا مقامِ اتصال تو اتنا قرب لئے ہوئے تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے برآمد ہوتے تھے تو مسجد میں داخل ہوجاتے تھے۔

مسجدِ نبویؐ کی ابتدائی تعمیر ہوچکی تو اُس سے متصل حجرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنوائے۔ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرتِ عائشہؓ صدیقہؓ عقد میں تھیں۔ دونوں حجروں میں وہی اقامت پذیر ہوئیں۔ کچی اینٹوں سے بنے ہوئے اِن حجروں کو بعض کتب میں مکان کہا گیا ہے۔ مکین کی نسبت سے مکان کہنا درست ہے۔ ورنہ یہاں آسائش و راحت کی کیا سُہولت میسّر تھی۔ بہرحال جب مزید ازواجِ مطہراتؓ کے لئے ضرورت پڑتی گئی تو بابِ شامی کی جانب حضرت اُمّ سلمہؓ۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ۔ حضرت زینبؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حجرے بنائے گئے۔ اور ان کے مقابل حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت سودہؓ اور اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کے مکانات تھے اور تمام اُمہات المومنینؓ میں مثالی اتفاق و ربط باہم تھا۔ اس لئے ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ کسی کے ہاں کوئی بہتر سالن پکتا یا ہدیہ کے لائق کوئی چیز ہوتی تو دوسرے حجرے میں ضرور پہنچتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم فرماتے وہ بھی من و عن

ایک دوسرے تک ابلاغ پاتی ۔ قرأت فرماتے تو سب بغور سماعت کرتیں ۔ ہم یہہ بات کسی اور مقام پر لکھ آئے ہیں کہ سیدنا بلالؓ بن رباح اذان دینے کے دوران بالکل واضح طور پر حضور نبی پاکؐ کو حجرۂ مبارک سے مسجد میں تشریف فرما ہوتے ہوئے دیکھ لیتے تھے ۔ گویا صحنِ مسجد، مواجہ شریف اور ریاض الجنۃ کی تو سبحان اللہ بات ہی کیا ہے ۔ آپ بابِ مجیدی سے داخل ہوں یا باب السلام سے یا بابِ نسواں اور بابِ جبرائیل سے، بس یُوں خیال فرمائیں کہ سب وہ مقامات متبرکہ ہیں جو یا تو رہائش گاہ نبویؐ کے ذیل میں آتے ہیں یا گزرگاہِ رسالت پناہؐ رہے ۔ یہی وہ راستے ہیں، جہاں کوئی چپہ اس اہمیت سے خالی نہیں کہ عالم اسلام کی عظیم ترین برگزیدہ ہستیاں، جن میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، عساکر اسلامی کے شہرہ آفاق سپہ سالار اور مجاہد، اصحابِ صُفہؓ سب ہی شامل ہیں ۔ جو یہاں سے نہ گزرے ہوں ۔ صدقات و زکوٰۃ کا مال و اسباب یہاں جمع کر کے مستحقین میں نہ تقسیم کیا گیا ہو ۔ سلاطینِ مشرق و مغرب کے سفارتی امراء، اور دور نزدیک کے دوست اور دشمن وفود کی آمد و رفت نہ رہی ہو ۔ خدام، انصار، مہاجرین رحمۃ للعالمین، پیغمبر صادق اور ہادیٔ دینِ برحق کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لئے جوق در جوق یہاں رواں دواں نہ رہتے ہوں ۔ جب آج کا زائرِ حرم یہ روح پرور منظر دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کا جمِ غفیر ہر چہار طرف سے مسجدِ نبویؐ کی جانب تیز قدم بڑھا چلا آرہا ہے ... تو فرطِ مسرت سے دم بخود رہ جاتا ہے پھر وہ خاصۂ خاصانِ رُسلؐ کے خاص صحابیؓ، خدام، دینِ حق کے مجاہد اور جاں نثار کس شان، کس آن بان، کس سج دھج، کس ذوقِ معرفت سے یہاں آتے ہوں گے کہ جہاں آفتابِ نبوت کی درخشانی اور ماہتابِ صداقت کی ضوفشانی، پیکرِ جسمانی کی صورت میں بنفسِ نفیس اُنھیں میسّر آجاتی تھی، اور وہ یہاں سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دِل کا

سرور جیسی نعمت لے کر واپس جاتے تھے۔

اللہ اللہ! شمعِ رسالت کے اُن پروانوں کی قسمت پر کتنا ناز اور کتنا رشک کیا جائے کہ جو قربتِ نبویؐ کی مہک سے اپنے مشامِ جاں کو معطّر کرنے کے علاوہ کبھی یہاں سے جنّت کی نوید لے کر جاتے تھے اور کبھی منصبِ شہادت پر فائز ہونے کی بشارت سے دامنِ طلب کو مالا مال کر دیا جاتا تھا۔ کامیابی و کامرانی کا یہ کیسا جادہ، کیسی منزلیں تھیں، کہ جس خوش نصیب نے اِن راستوں پر اپنی ذاتی خواہشات، دنیا کی فانی شان و شوکت اور انفرادی منفعت یا انا کو فنا کر دیا۔ وہی دین و دنیا کی فلاح کے حصول میں شادکام اور سرخرو ٹھہرا۔ اور یہودیوں، مشرکوں، مجوسیوں، اور منافقوں کو یہ وحدتِ ملّی اور فکری یگانگت کی ناقابلِ تسخیر قوت' دیکھ کر اپنی ذلّت و ہزیمت کے آثار واضح نظر آجاتے تھے۔

یہ حوالہ ہم شمائل نبویؐ اور جمال مصطفےؐ کے ذکر میں بھی دے رہے ہیں۔ کہ اللہ جلّ شانہٗ کے محبوب پیغمبر، مجسّم اخلاق و مودّت صلی اللہ علیہ وسلم، تو جہاں سے گزرتے وہ راہگزر ہی خوشبوئے رسالتمآب سے مہک جاتی۔

حتیٰ کہ وہاں سے گزرنے والے دوسرے اخیار و اغیار بھی باخبر ہو جاتے کہ شہنشاہِ دو عالم نے وہاں قدم رنجہ فرمایا۔ وہ راستہ اختیار فرمایا۔

بس گئی ہے، فضا میں نکہتِ حسن!
وہ جہاں بھی، جدھر سے گزرے ہیں!

بہرحال ازواج مطہراتؓ میں یہ نام شامل ہیں۔

اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنو قریش کے قبیلے اسد کی معزز، محترم اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ ان کے والد خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ قصی بن کلاب،

بن مرہ ۔ قبیلہ کے سردار اور شہر مکہ کی صاحبِ ثروت شخصیت تھے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ تھا۔ حضرت خدیجہ رضؓ اپنے ذاتی اوصاف کے سبب بعثتِ نبویؐ سے قبل کے دور میں طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا پہلا عقد ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا۔ اُن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام ہند رکھا، دوسرے کا نام حارث ۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عایذ مخزومی سے ہوا۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند رکھا اسی لئے بعد میں اُمّ ہند' کنیت سے یاد کی جانے لگیں۔

آنحضرتؐ اپنے بچپن، اور جوانی میں ہی جناب عبداللہ کے صادق وامین فرزند کی حیثیت سے مشہور ہوگئے، ان کی نیکی، راست بازی اور بے داغ کردار کے سب ہی معترف تھے ۔ حضرت خدیجہ کا تجارتی سامان، دُور ونزدیک قافلوں میں جاتا تھا۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے کردار میں سچائی کی شہرت سن کر اپنے تجارتی سامان کا انتظام انھیں سونپ دیا اور تجربے نے آنحضرتؐ کی صداقت وامانت کو کاملاً ثابت کر دیا اور پھر بعثتِ نبویؐ سے قبل ۵۹۵ء میں خود حضرت خدیجہ رضؓ کے ایما پر اُن کا عقد (جبکہ اُن کی عمر تقریباً ۴۰ برس تھی) جناب عبدالمطلب کے پوتے، اور جناب عبداللہ کے فرزندِ ارجمند محمد ابنِ عبداللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوگیا۔ حضور پاکؐ کے چچا حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب نے اس موقع پر بیس اونٹ مہر میں دیئے۔

خویلد بن اسد کے انتقال کے بعد بطور ترکہ وافر دولت ان کی دختر خدیجۃُ الکبریٰ رضؓ کو ملی تھی ۔ اس سرمائے کو انھوں نے بڑی ذہانت سے تجارت میں لگایا۔ اس طرح جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو کافی آسودہ حال تھیں۔ لیکن دولت سے زیادہ خزینہ انھیں اس نیک سیرت اور راست باز شوہر کی

صورت میں مل گیا، انھوں نے شوہر نامدار کے دل میں اپنی وفا شعاری، محبت اور ضرورت مندوں کے لیئے فراخدلانہ امداد اور جود و سخا سے ایسی جگہ بنالی کہ آخری لمحہ تک سید الانبیاءؐ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی رفاقت کو فراموش نہ کرسکے۔

حضور اکرمؐ جب غارِ حرا میں عبادت کے لئے تشریف لے جانے لگے تو کئی کئی دن کے لئے خوراک اور پانی انھیں پہنچا دیتیں۔ روح الامین پہلی بار تشریف لائے، اور اللہ ربّ العزت کی جانب سے وحی فرمائی۔ تو یہ ساری کیفیت پہلی بار آنحضرتؐ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو بتائی اور صدق و صفا کی پیکر اس خاتون نے نہ صرف اس واقعہ کی صداقت کو تسلیم کیا۔ بلکہ بعثتِ نبویؐ ظہور پذیر ہوتے ہی قبولیت اسلام میں پیش رفت فرمائی۔ مجموعی طور پر اپنی زندگی کے آخری ۲۵ برس انھوں نے اپنے نامور شوہر کی رفاقت میں کمال جذبہ ایثار و تعاون اور اطاعت و وفا کیشی سے ایسے گزارے کہ جب ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی تو اللہ کے رسولِ آخرؐ پر حزن و ملال کی غیر معمولی کیفیت طاری رہی۔ انھیں پہلی مسلم خاتون اور آنحضرتؐ کی پہلی رفیقہ حیات ہونے کا فخر حاصل ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے سید الکونین، فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ اولادیں ہوئیں۔ چار صاحبزادیاں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور دو صاحبزادے۔ قاسم اور طیب، طاہر۔ اور دونوں صاحبزادے صغر سنی میں ہی انتقال کر گئے۔ حضرت صفیہؓ جو آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بھاوج تھیں اور حضرت خدیجہؓ کا سامانِ تجارت شام جایا کرتا تھا۔ اسلام کی خاطر مال و دولت کی انھیں کوئی پروا نہ تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ ابی بکرؓ صدیق کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک بار فرمایا:

"خدیجہؓ کی محبت میرے دل میں رچی ہوئی ہے۔"

پھر یہ ارشادِ رسولؐ بھی عالمِ اسلام کی بلند اور قابلِ رشک ایمانی صداقت کی حامل اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے مرتبہ کا بہترین تعارف ہے۔

"خدیجہؓ اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتا ہے۔ کہ جنت میں تمہارے لئے ایک بہترین محل ہے۔"

واضح رہے کہ آنحضرتؐ کی یہ واحد زوجہ مطہرہ ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں وفات پائیں، اور وہیں جنت المعلیٰ میں تدفین ہوئی۔

سیرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے باب میں ہمارا خامہ مضطرب' سیدہ کے پاکیزہ اخلاق، اور محاسن و کمالات' جس روانی اور تفصیل سے تحریر کرنے کا طالب ہے، وہ طلب؛ وہ آرزو اپنی جگہ، کاش اِن صفحات کا دامن بھی اتنا وسیع ہوتا۔ حضور نبیٔ پاک علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے ارشاد فرمایا اور امام بخاری نے اس حدیث کو ہم تک پہنچایا۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ نِسَاءِ ھَا مَرْیَمُ وَ خَیْرُ نِسَاءِ ھَا خَدِیْجَۃُ ہ

(نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اپنے زمانے کی بہتر عورت مریم تھی۔ اور اس دور کی بہتر عورت خدیجہؓ ہے)

مشکوٰۃ شریف میں حدیثِ نبویؐ ہے۔

خَیْرُ نِسَاءِ ھَا خَدِیْجَۃُ بِنْتِ خُوَیْلَدْ

(اپنے زمانے میں سب سے بہتر عورت خدیجہ بنتِ خویلد تھی۔)

بیویاں تو عام طور پہ عادتاً روایتاً، اس بات کی مشتاق اور منتظر ہوتی ہیں کہ شوہر بہت سی دولت کما کر لائے اور گھر کو اپنی رفیقۂ حیات اور عیال کے لئے راحت و عشرت اور نعمت و مسرت کی پھلواری بنائے۔ بیش بہا زیورات، زرق برق لباس'

کہاں فطرتِ نسوانی کے لئے باعثِ کشش نہیں ہوتے۔ صابر اور قانع بیویاں بھی بہرحال شوہر سے کم یا زیادہ کسی نہ کسی طور کچھ توقعات وابستہ رکھتی ہی ہیں اور یہ پاک دامن اور نیک سیرت بیویاں اپنے آرام، اپنی سہولت یا اپنی راحت کے لئے اگر اپنے شوہر سے جائز توقع نہ رکھیں تو پھر کس سے رکھیں؟ یہ حق بجانب بات ہے۔ لیکن سب گھرانوں میں سب بیویاں سادہ مزاج، اور کفایت شعار نہیں ہوتیں، بلکہ اکثر اوقات گھروں کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں، دوسروں کی دیکھا دیکھی نامحدود فرمائشیں اچھے بھلے شوہروں کو اُن کی بلندیٔ کردار اور اُصول پرستی سے ہٹا دیتی ہیں۔ گرد وپیش کی جھوٹی چمک دمک سطحی شان وشوکت اور حریص بیویوں کی مسلسل ترغیب وتنقید، شوہر کو زندگی کے اُن سچے طور طریقوں پر ثابت قدم نہیں رہنے دیتی۔ جو دنیا اور عقبیٰ دونوں جگہ فلاح اور سرخروئی کے ضامن ہوتے ہیں اور ایسے شوہروں کی بھی کمی نہیں جو اپنی ذات، اپنے دوستوں اور من پسند عادتوں پر تو روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ لیکن گھر کی عزت، خاندان کی ناموس بچوں کی آغوشِ شفقت اور اپنی زندگی بھر کی محرمِ راز، رفیق وغم گسار بیوی کو ادنیٰ ضروریاتِ زندگی کے لئے بھی ترسا دیتے ہیں اور انھیں اُن کا صحیح حق اور درجہ دینے کی بجائے محض ایک مجبور، محکوم بلکہ مقہور عورت سے زیادہ خاطر میں نہیں لاتے۔

قادرِ مطلق، خالقِ کائنات، اللہ رحیم وکریم کے خزانوں میں کسی کے لئے کوئی کمی نہیں یہ ہماری اپنی کوتاہ بینی اور احسان فراموشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم نہیں کرتے۔ اعتدال اور توازن مفقود ہو جائے تو نہ انفرادی زندگی راحت وسکون کا گوشۂ جنت باقی رہتی ہے، نہ معاشرے میں خیر وبرکت، اجتماعی بہبود، شرافتِ انسانی، اور صلۂ رحمی کا وجود باقی رہتا ہے۔ بلکہ اس خمیر سے ایک تباہی پھیلانے والا بد دیانت اور خود غرض فرد پروان چڑھتا ہے اور معاشرہ بھی۔

ہمارے دین اور دنیاوی معاملات کی کسوٹی تقویٰ اور پاکیزگی پر رکھی گئی ہے چونکہ مثبت اور منفی بشری اعمال و تقاضوں کی یہی سب سے بہتر اساس ہے۔ خشتِ اول ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ

مفہوم (پاکیزہ عورتیں، پاکیزہ خاوندوں کے لئے اور پاکیزہ خاوند پاکیزہ عورتوں کے لئے)

تو اس مقصدِ پاکیزگی کو پانے کے لئے، حصولِ شرافت، دیانت اور انصاف کی جس جستجوئے صادق کی ضرورت ہے، وہ دوطرفہ محبت، دوطرفہ جذبۂ ایثار، دوطرفہ وفاشعاری، دوطرفہ شوقِ جاں نثاری اور دوطرفہ ادائیگی حقوق سے حاصل ہونے والا تحفۂ راحت اور سکونِ قلب ہے۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیسے عظیم شوہر کی، کیسی خوش قسمت رفیقۂ حیات ہیں کہ نہ صرف اپنے شوہر کی محبت فراواں اور قدرشناسی سے دامن بھرا ہے، بلکہ حقِ رفاقت اس شان سے ادا کیا کہ خود نامور شوہر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اعتراف فرماتے ہیں کہ ان کی رفیقۂ حیات (سیدہ) خدیجہؓ نے اس انداز سے متواتر ساتھ دیا کہ دنیاوی زندگی کے مشکل مرحلوں میں بلا خوف و خطر قدم ملا کر کھڑی رہیں۔ اپنی بے پایاں اُلفت کے مقابل آنے والی ہر کلفت کو یکسر فراموش کر دیا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ بنتِ ابی بکر صدیق رضؓ کی روایت ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا:-

"جب لوگوں نے میرا انکار کیا (سیدہ خدیجہؓ نے میرا اقرار کیا۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ اس وقت خدیجہؓ نے میری تصدیق کی ــ جب لوگوں نے میری مالی اعانت سے ہاتھ کھینچا تو (خدیجہؓ) نے اپنے مال کے

خزانوں کا مُنہ میرے لئے کھول دیا (جب غارِ حرا میں آنحضرتؐ پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو حضرت خدیجہؓ کو نبی پاکؐ کی زوجیت میں آئے پندرہ برس گزرے تھے اور گھر آکر وحی کا پہلا تجربہ انہی کو سُنایا۔)

"استیعاب" کے حوالے سے "خطبات قاسمی" میں اس کا عربی متن بھی شامل کر کے لکھا گیا ہے کہ یہ دراصل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خدیجہؓ طاہرہ کی اُن خدمات کو سراہا ہے جو انھوں نے نبوّت کے لئے، اسلام کے لئے، دین کے لئے سرانجام دی تھیں۔ اللہ اکبر، سبحان اللہ (صفحہ ۲۲۶)

دینِ حق اسلام دنیاوی و اُخروی فلاح کے لئے پیغامِ انقلاب لے کر آیا تو جس طرح، مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضورِ رسالت پناہؐ کے گہرے دوست ابوبکر صدیق بن قحافہ، بچوں میں چچازاد بھائی حضرت علی المرتضیٰؓ ابنِ ابی طالب اوّل اوّل مُشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح خواتین میں اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سب سے پہلے آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنے شوہر کی مصائب و آلام سے بھرپور زندگی میں ثابت قدمی سے شریکِ حال رہیں۔

شعب ابی طالب میں مشرکینِ مکّہ کی جانب سے مقاطعہ کے بعد حق پرست مسلمانوں نے بھوک پیاس کی جس آزمائش میں اپنے شب و روز گزارے، وہ مصیبت کا ایک ہولناک طوفان تھا۔ سیّدہ خدیجہؓ نے اس صعوبت میں اپنے شوہر کی رفاقت اور اسلام کی محبّت کو سینے سے لگائے ہوئے اپنی جان، جانِ آفریں، خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی اور یہی ایک اثاثہ، ایک دولتِ دنیا، یعنی متاعِ حیات، اُن کے پاس باقی رہتی، جسے اپنے دین پر، اللہ وحدہٗ لاشریک کی توحید اور اُس کے نبی آخرالزماںؐ کی رسالت پر قربان کر دیا۔

انھوں نے اس ازدواجی زندگی کے صرف پہلے پندرہ برس راحت کے گزارے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد کی ساری مدت، مصائب اور اذیت و افتاد کی المناک داستان تھی۔ دشمنوں نے سہولت، آرام اور آسودگی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ طعن و تشنیع کا کوئی زہریلا تیر اپنے ترکش میں باقی نہیں رکھا۔ لیکن وفا شعار بیویاں تو اچھے اور مشکل ہر دور کی یکساں شریک اور غم گسار ہوتی ہیں۔ کبھی دولت اُن کی دہلیز کی غلام تھی۔ اب رفاقتِ رسالت ﷺ میں فقر و فاقہ بھی گوارا ہو گیا۔ صد آفرین۔

یہ فضائل و مناقب ہم جیسے تذکرہ نگار اپنے اپنے اسلوب اور مطالعے کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ لیکن اصل مقام و مرتبہ تو وہ ہے کہ جسے اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی ایک روایت ہے:

قَالَ اَتٰی جِبْرَئِیْلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ خَدِیْجَۃُ قَدْ اَتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیْہِ اِدَامٌ وَّطَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْکَ فَاقْرَأْ عَلَیْھَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّھَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ ۝

مفہوم (جبرئیل ؑ امین نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدیجہ (سیدہ) آپ کی خدمت میں ایک برتن لے کر آ رہی ہے جس میں کھانا اور سالن ہے۔ وہ آئے تو انھیں اللہ تعالیٰ کا اور جبرئیل کا سلام کہنا، اور انھیں جنت کے گھر کی خبر دینا)

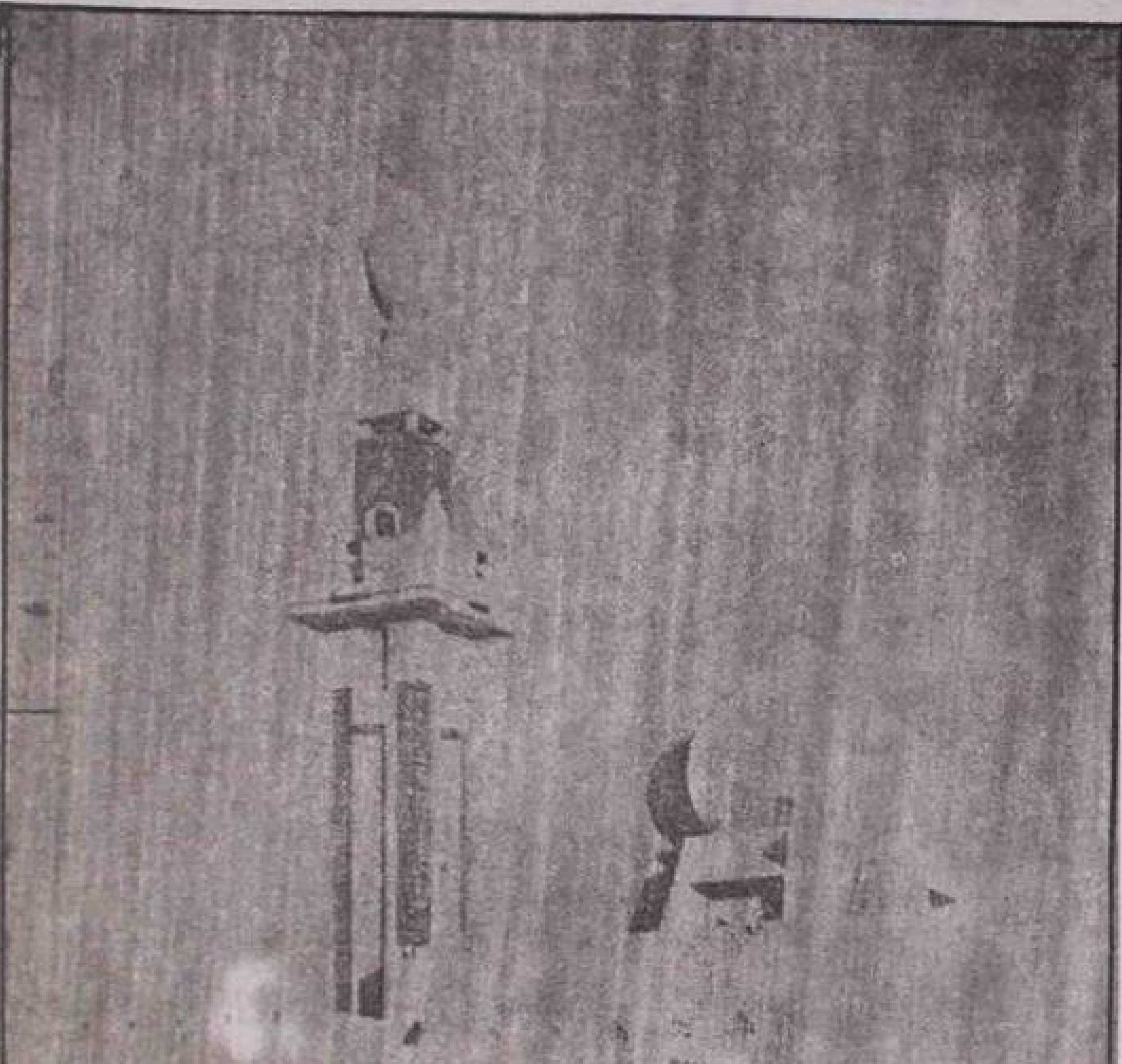
بلاشبہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تاریخ اسلام کی

عظیم المرتبت خواتین میں سے، جنت کی بشارت پانے والوں میں سے، سابقون الاولون میں سے جنھوں نے دینِ حق حاصل کرنے میں سبقت پائی۔ اُن سب میں ایک نمایاں اور قابلِ صد رشک خاتون تھیں۔ اُمت کی ماؤں میں وہ پہلی بزرگ ماں تھیں۔ مثالی صابر بیوی۔ اور کفر کے مقابل دلیر خاتون تھیں۔

جس خاتون کو غربا و مساکین کی مدد کرنا، سخاوت اور فیاضی کرنا۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر شوہر کا حقِ رفاقت ادا کرنا، خدمت، تابعداری، وفاداری اور جاں سپاری کا سبق سیکھنا ہو تو سیرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ بچوں کی صحیح تربیت، دینی و دنیاوی اعتبار سے فکری نشو و نما اور شفقت و محبت کے ساتھ اسلام کا پاکباز اور شجاع مجاہد اور اسلام کی بہادر اور باحمیت بیٹی بنانے کا سلیقہ بھی انھیں سے سیکھنا چاہیئے۔ جیسی تربیت انھوں نے حضور نبی پاکؐ کی چاروں صاجزادیوں، حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ کو عطا کی تھی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ:

اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت کے بعد آنحضرتؐ کو اس پُر خلوص رفاقت کے ختم ہو جانے کا بڑا غم تھا اس کیفیت میں خولہ بنت حکیم اہلیہ حضرت عثمانؓ بن منظعون آنحضرتؐ کے عقد ثانی کا سبب بنیں۔ چنانچہ بعثت نبویؐ کے دسویں برس ۶۲۰ء میں بنو قریش کے قبیلہ تیم کی معزز شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ بن ابی قحافہ کی صاحبزادی عائشہؓ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ یہ حیات اقدس نبویؐ کا ایک نہایت اہم واقعہ تھا ہم اس واقعہ کی تفصیل اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج کے بعض دوسرے حوالوں کے ساتھ آگے چل کر ایک علیحدہ عنوان



مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ مقام تنعیم۔ نزد مکہ مکرمہ

کے تحت بیان کر رہے ہیں اس لئے یہاں صرف اُس خواب پر اکتفا کر رہے ہیں جو حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے والد بزرگوار کو آنحضرت ؐ کی زوجیت میں آنے سے قبل سُنایا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے خواب میں دیکھا۔ کہ!

"تین چاند آسمان سے ٹوٹے اور جناب صدیق اکبر رضؓ کی لاڈلی بیٹی عائشہ رضؓ کی آغوش میں آ گرے"

حضرت صدیق اکبر رضؓ خواب کی تعبیر بیان کرنے کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے انہوں نے متانت سے بیٹی کا یہ خواب سُنا۔ مدینہ میں حجرۂ عائشہ رضؓ اس کی تعبیر ہے۔

حضرت عائشہؓ کا عقد مکہ مکرمہ میں ہوا تھا لیکن رخصتی بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں عمل میں آئی۔ اور آقائے دو جہاں سید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات کے طور پر اصل وقت انہوں نے مدینہ منورہ میں گذارا۔ اور عہد رسالتؐ کے بعد عہد خلافت راشدہ میں بھی مدینہ طیبہ میں ہی دین حق کی تعلیم و تربیت اور ترویج و اشاعت کی عظیم خدمات انجام دیتی رہیں۔

ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ :۔

بعثت نبویؐ کے دسویں برس ہی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سکران بن عمرو کی بیوہ سوداؓ بنت زمعہ سے عقد فرمایا۔ خولہ بنت حکیم ہی اس رشتہ مناکحت کا وسیلہ بنیں۔ نکاح تو حضرت عائشہؓ سے بھی ہو چکا تھا۔ لیکن وہ ابھی اپنے والدین کے گھر میں تھیں۔ رخصتی کا ابھی کوئی مرحلہ قریب نہ تھا۔ آمد اسلام کے بعد بنو قریش کے خاندان عامر قریش کے سکران بن عمرو اور ان کی اہلیہ سودہؓ بنت زمعہ حضور اکرمؐ کے دست حق پرست پر مشرف بہ ایمان ہو چکے تھے۔ شوہر کی زندگی نے وفا نہ کی۔ ایک بیوہ اور یتیم لڑکا عبدالرحمٰن اپنے پیچھے چھوڑا۔ عقد ثانی کے بعد حضرت سودہؓ حضور اکرمؐ کے گھر منتقل ہو گئیں۔ اور اپنے ذاتی محاسن اور اطاعت شعاری سے ازدواجی زندگی کو جلد ہی نہایت پرسکون بنا لیا۔ طبعاً رحم دل، فیاض، اور جسمانی طور پر نہایت توانا اور صحتمند تھیں۔ اخلاق و عادات میں بلند اور روشن خیال تھیں اس لئے دائرہ اسلام میں شامل ہونے میں نہ تذبذب حائل ہوا نہ تاخیر۔ ان کا قلب اس نور ایمانی سے منور ہو چکا تھا۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (الذاریات)

اور نہ بناؤ اللہ کیساتھ کوئی دوسرا معبود میں تمہارے لئے اسکی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں)

ام المومنین سودہؓ بنت زمعہ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور اکرمؐ کا وہ تبلیغی مشن جاری رکھا۔ جو ان کے عظیم اور نامآور شوہر کا مشن تھا۔ انہیں آنحضرتؐ کی تعلیم، ہدایت اور نصیحت کا بے حد خیال رہتا۔ آج بھی متعدد احادیث نبویؐ اُن سے منقول ہیں۔

حجۃ الوداع میں وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کی طرح اُن کے ساتھ تھیں۔ اس کے بعد وہ اگرچہ کئی برس بقید حیات رہیں۔ لیکن پھر حج پر نہ گئیں۔ نہ اونٹ پہ سوار ہو کر کبھی مدینے کے باہر نکلیں۔ وہ فرماتیں :۔ آخری حج کے موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج (مطہرات) کو فرمایا تھا۔ "یہ حج حجۃ الاسلام تھا" اس حدیث نبویؐ کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭاِنَّ

ہمارے پروردگار، بے شبہ تو لوگوں کو ایک دن جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ضرور جمع کرے گا

اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝

بے شبہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

مسجد نبویؐ سے متصل مدینہ شریف میں ازواج مطہرات کے جو دو حجرے شروع شروع بنائے گئے تھے۔ ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے ہی حجرے شامل تھے۔ جب حضور اکرمؐ کا شرف زوجیت حاصل ہوا۔ تو ام المومنین سودہؓ ۳۰ برس کی تھیں۔ لیکن جب مدینہ منورہ میں وفات پا کر جنت البقیع میں دفن ہوئیں تو مورخین کا کہنا ہے کہ ان کی عمر تقریباً ۷۲ برس کی تھی۔

دوسرے صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کی طرح سیدنا عمر فاروقؓ بھی جملہ اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہایت احترام کرتے تھے اور ان کی ضروریات زندگی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ اس ضمن میں خاصا مشہور ہے۔
ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین حضرت سودہؓ بنت

زمعہ کو ایک تھیلی بھیجی۔ حضرت سودہؓ نے دریافت فرمایا: اس تھیلی میں کیا ہے۔

جواب دیا گیا : درہم

ام المومنینؓ نے فرمایا :-

کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ اچھا ان کو کھجوروں ہی کی طرح سب میں تقسیم کر دو۔

بالآخر یہ سارے درہم اُسی وقت ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔
حضرت سودہؓ تحمل مزاج، طویل قامت، مضبوط قویٰ کی حامل اور ایمان پر سختی سے قائم خاتون تھیں۔ انہیں خواتین کی اصلاح فکر، اور ضعیف الاعتقادی دور کرنے کا عمدہ موقع ملا۔ ذاتی راحت و آسائش پر نسوانی حجاب، تقویٰ عبادت اور پرہیزگاری کو ترجیح دیتی تھیں۔

کعب بن لوی حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ بھی تھے اور انہی کے بھائی عامر بن لوی سے حضرت سودہؓ کا نسبی تعلق ملتا ہے۔ تجارت اور ہنرمندی اس خاندان کا ذریعہ معاش تھا۔ اُم المومنین سودہؓ بنت زمعہ آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں دوسرے نمبر پر آتی ہیں کیونکہ سالِ عقد ایک ہی ہونے کے باوجود وہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے پہلے رخصت ہو کر کاشانہ نبوت میں آگئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا عقد تو حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت آنحضرتؐ کو دے چکے تھے۔ لیکن رخصتی ہجرت نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ میں عمل میں آئی، حضرت سودہؓ کو بارہ سال سے کچھ اوپر رفاقت رسولؐ کا شرف حاصل رہا۔ اور اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد آنحضرتؐ کی یہ زوجہ مطہرہ تقریباً گیارہ برس حیات رہیں۔

اُنہیں یہ شرف بھی حاصل رہا کہ اپنے پہلے شوہر السکرانؓ بن عمرو کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حبشہ کی ہجرت اوّل کی اور پھر حضور اکرمؐ کے عقد میں

آنے کے بعد ہجرت مدینہ بھی کی۔ روایات کے مطابق حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے نکاح کے وقت ان کے ایک صاحبزادے عبدالرحمٰن، پہلے شوہر جناب السکران سے تھے۔ اس طرح وہ بھی حضور اکرمؐ کی نگرانی اور سایہ عاطفت میں آ گئے۔ عبدالرحمٰن دائرہ اسلام میں شامل ہو کر دین حق کا زور بازو بنے اور جنگ جلولا میں منصب شہادت حاصل کیا آنحضرتؐ حضرت سودہؓ کی حوصلہ مندی، فیاضی اور دین مبین سے جاں نثاری کا اعتراف کرتے تھے۔ قدرت نے طویل قامت اور مضبوط قویٰ دے کر اُن کی شخصی وجاہت کو مزید وقار عطا کر دیا تھا۔

ابن سعد نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ :-

"سودہؓ کے سوا کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔"

الاصابہ کی روایت ہے کہ طائف میں رہائش کے دوران کھالوں کی دباغت سے جو یافت ہوتی اُسے دریادلی کے ساتھ ضرورت مندوں اور مساکین میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔

اُم المومنین حضرت حفصہؓ :-

والد بزرگوار امام عادل حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ حضرت زینب بن مظعونؓ، قبیلہ عدی قریش، بعثت نبویؐ سے پانچ برس قبل مکہ معظمہ میں ولادت ہوئی۔ حضرت خنیس بن حذافہ سے پہلا نکاح ہوا۔ ہجرت نبویؐ کے وقت عمر ۸ برس تھی۔ شوہر اور بیوی قبول اسلام کے بعد مسلمانوں کو پیش آنے والی صعوبتوں میں شریک ہو چکے تھے۔ مسلمان چھپ کر کسی مکان یا گھاٹی میں نماز پڑھتے اور انہیں برسرِ عام تلاوت قرآن بھی کوئی دشمن نہ کرنے دیتا۔

عام روایت یہ ہے کہ حضرت خنیسؓ بن حذافہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد غزوہ بدر میں زخمی ہو کر شہادت پا گئے۔ لیکن امام ذہبی، ابن حجر، اور ابن البراس پر متفق ہیں کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی کے پہلے شوہر غزوہ اُحد میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اور اس عالم نوجوانی میں بیٹی کے بیوہ ہو جانے کا حضرت عمر فاروقؓ کو گہرا رنج و ملال تھا۔ جسے رحمت دو عالم ہادی کونینؐ نے اپنے مقرب صحابی کی پیشانی پر پڑھا اور اس غم کا مداوا فرماتے ہوئے خود حضرت حفصہؓ سے عقد کا عندیہ ظاہر کیا اسلام کے بازوئے شمشیر زن سیدنا فاروق اعظمؓ جنہوں نے قبول اسلام کے بعد مکہ کے مشرکوں کے طاقت ور ہجوم میں اذان اور نماز کی ادائیگی کو برسر عام کر دیا تھا اپنے آقا کے اس حسن ایماء سے نہایت مسرور ہوئے اور حضرت حفصہؓ جو بیوگی کے سانحہ سے سوگوار تھیں۔ دین حق اسلام کے لئے خدمت و جاں نثاری کا عزم تازہ لئے ماہ شعبان ۳ھ ہجری کو حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ اور کاشانہ رسالتؐ میں ایک اور خاتون مبلغ اِسلام کا اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ یہی تو ان اُمہات المومنین کی اِس قابل رشک ازدواجی زندگی کا عزیز ازجان نصب العین اور اس پُر آزمائش زندگی کا عظیم مشن تھا

چنانچہ آج تک مسلمانوں کی عباداتی اور معاشرتی زندگی میں رہبری و رہنمائی کرنے والی متعدد احادیث حضرت حفصہؓ سے مروی ہیں صحیح مسلم اور بخاری شریف میں ان کی بیان کردہ کم از کم دس احادیث نبویؐ مل جاتی ہیں۔

سیدنا فاروق اعظمؓ جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے ان کی صاحبزادی بھی تعلیم و تربیت کے خاص ماحول سے گزری تھیں، چنانچہ ایک بڑی خوبی اُن کا پڑھا لکھا ہونا تھا۔ فن خطاطی انہوں نے دنیائے عرب کی مشہور خطاط خاتون شفا بنت عبداللہ بن عبد شمس سے سیکھا اور مشق سے مزید مہارت پیدا کی۔ تقویٰ اور نیکی، ذہانت اور امانت داری طبیعت میں شروع سے تھی۔ ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں

تو نماز، روزہ اور یادِ الٰہی کی ریاضت کا غلبہ صاف نظر آنے لگا۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حفصہ رضؓ کے بارے میں کہا کہ

(حفصہ رضؓ) صوامہ اور قوامہ (بہت روزہ رکھنے والی اور بکثرت نماز پڑھنے والی) ہیں۔

اُم المومنین حضرت حفصہ رضؓ نہ صرف عہدِ رسالت میں بلکہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بھی اپنے محبوب شوہر کے محبوب شہر مدینہ منوّرہ میں ہی اقامت پذیر رہیں حافظ ابن البر فرماتے ہیں۔ کہ جب اُم المومنین حضرت حفصہ رضؓ نے جمادی الاوّل ۴۱ھ میں (مدینے میں) وفات پائی۔ تو اس وقت کے والی مدینہ مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن سعد اور ابن حجر کہتے ہیں کہ والی مدینہ نے بنو حزم کے مکان سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک ام المومنین رضؓ کے جنازے کو کندھا دیا۔ اور وہاں سے جنت البقیع تک کندھا دینے والوں میں صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہ رضؓ شامل تھے حضرت حفصہ رضؓ کے بھائیوں حضرت عاصم بن عمر رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے اپنی نامور اور پاک سیرت ہمشیرہ کو قبر میں اتارا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت حفصہ رضؓ سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ کی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کی صاحبزادیاں تھیں جو اپنی غیر معمولی مستعدی، دین کے معاملات میں جاں نثاری اور باہمی طور پر قربت رسول صؐ میں دوش بدوش تھے۔ حتیٰ کہ بعض مسائل اور معاملات میں نقطہ نظر یا حکمت عملی میں اصولی اختلاف کے باوجود دوستی اور احترام کا جذبہ برقرار رہتا تھا تو اس ربط باہم اور رفاقت کے اثرات اہل خانہ پر بھی قدرتی طور پر مترشح تھے۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ بھی زیادہ قربتِ باہم کی کیفیت میں رہیں۔

ابوداؤد کی روایت سے قرآن مجید کے لئے ان کی تاریخ آفریں خدمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضور نبی پاک نے اپنی حیات بابرکت میں ہی حضرت حفصہؓ کو آیاتِ قرآنی کا امین اور نگہبان بنا دیا تھا۔ اس مجموعے کو آنحضرتؐ قیامِ مکہ کے دوران خود اپنے پاس رکھتے تھے لیکن ہجرت کے ابتدائی ایام میں حضور رحمتہ للعالمینؐ نے اس نسخہ کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون کے پاس ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا۔ تاکہ حفاظ اور قاری اس سے صحت لفظی کا استفادہ کرلیں اس لئے مسجد نبویؐ کے اس ستون کا نام عرصے تک اسطوانہ "المصحف" مشہور رہا۔ آنحضرتؐ وصال فرما گئے۔ تو یہ نسخہ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں رہا۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ اور دوسرے خلفائے راشدین نے اس نسخہ کی بدولت قرآن کریم کے نسخوں کی پوری قلمروئے اسلامی میں اشاعت وتقسیم کا اہتمام فرمایا۔

قرآن کریم اُم الکتب، اور جامع ومنضبط دستورِ حیاتِ انسانی کی حیثیت سے مکمل ومحفوظ ہے اور معبودِ حقیقی نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود قبول فرمائی ہے اس لئے اول دور میں ہی بذریعہ وحی ان نازل شدہ آیات مقدسہ کی حفاظت لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً فرما دی گئی اور اس مبارک مقصد کے لئے حضرت حفصہؓ کی صلاحیتِ خواندگی اور تقویٰ سے مرقع شخصیت بروئے کار آئی۔ اللہ جل شانہٗ کے لئے واقعی اپنے کلامِ پاکیزہ اور معجز نما کی حفاظت کا ہمہ اعتبار کافی وشافی اہتمام قطعی آسان اور ممکن تھا۔ چنانچہ وہ ہو گیا اب قیامت تک نہ اس کلامِ ربانی میں کسی کے لئے اس میں ایک نقطہ یا ایک حرف کی تخفیف ممکن ہے نہ اس میں کسی اضافے اور تحریف وتغیر کی توقع رکھنا حق بجانب ہے بلکہ ایسی کسی خبر یا امکان کو قلب میں جگہ دینا، کسی مسلمان اور مومن صادق کے لئے ایمان کامل اور اسلام پہ ثابت قدم رہنے کی نشانی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کفر و باطل کی ایسی تمام فتنہ انگیزیوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ :۔

"ام الکتٰب اول تا آخر قرآن مجید ہے"

تفسیر "روح المعانی" میں ہے کہ :۔

" اس سے مراد لوح محفوظ بھی ہے" (بیشک کلام ربانی محفوظ اور مکمل ہے)

صدق اللہُ العلیّ العظیم ٥ وصدق رسولہ النبیّ الکریم۔

ام المومنین ام سلمہؓ :۔

اصل نام ہند، کنیت ام سلمہؓ، والد کا نام حذیفہ المغیرہ۔ عالم بیوگی میں جب ان کی عمر ۲۹ سال تھی سا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور امہات المومنینؓ میں شامل ہوئیں ان کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا۔ وہ حضرت ام سلمہؓ کے چچا کے بیٹے تھے۔ اور ایک قابل ذکر بات یہ کہ جناب عبداللہ جو بالعموم ابو سلمہؓ کے نام سے معروف ہیں۔ ہادی کونین حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضائی بھائی تھے۔ ام سلمہؓ اور ابو سلمہؓ ایک ساتھ توحید و رسالت کا اسلامی عقیدہ قبول کر کے تاریخ کے ابتدائی مشکل دور میں حق پرستوں کے ہراول دستے میں شامل ہوئے۔

ام سلمہ ہندؓ بنت حذیفہ باحوصلہ خاتون ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لائیں۔ (ان کے سفر ہجرت کا درس آموز واقعہ کتاب کے انہی اوراق میں علیحدہ شامل کیا گیا ہے) ام المومنین ہند بنت حذیفہ کا قبیلہ مخزوم قریش ہے بسلسلہ نسب اس طرح ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ام سلمہؓ کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ ہجرت کے سفر میں بنو مغیرہ نے آپ کے لئے بڑی رکاوٹیں

ڈالیں لیکن آپؓ ثابت قدم رہیں۔ شوال ۳ھ ہجری میں جبل احد پر مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے درمیان جو خون ریز معرکہ ہوا۔ اُس میں عبداللہؓ بن عبدالاسد بھی مسلمان مجاہدین میں شامل تھے۔ اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ یہی وہ جنگ تھی کہ مسلمانوں کی بے سروسامانی دیکھ کر مشرکین نے اپنے بت ہبل کو فضا میں لہرا کر اس کی بلندی کے جے کارے لگائے تھے۔ اور جس کا جواب دیتے ہوئے اپنی گرجدار آواز میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے کہا تھا۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ

(اللہ تعالیٰ ہی سب سے اونچا اور بزرگ تر ہے)

دشمنوں کی جانب سے مسلمان مجاہدین کو پھر طعنہ دیا گیا۔

"ہماری مدد کے لئے ہمارا بت عزیٰ ہے۔ تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔"

سرور عالم ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو اس وقت اسلامی لشکر کے نگران اعلیٰ تھے۔) پھر اپنے جری اور شجاع صحابی عمرؓ بن خطاب کو جواب دینے کی ہدایت کی۔ اور سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے اُسی محکم ایمانی لہجے میں مشرکین کو جواب دیا۔

"اللہ ہمارا والی اور مددگار ہے۔ تمہارا کوئی والی و مدد گار نہیں"

جناب ابو سلمہؓ شہادت پا گئے۔ تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ اور نو تکبیریں کہیں۔

شرکائے جنازہ نے اس کی وجہ جاننا چاہی تو نبی پاکؐ نے فرمایا:۔

"ابو سلمہؓ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔"

۴ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں ان کا عقد ثانی آنحضرتؐ سے ہوا۔ تو اس طرح

رفاقت نبوی کے صرف سات برس انہیں میسّر آئے۔ لیکن قدرت کاملہ نے انہیں طویل عمر عطا فرمائی۔ جسے انہوں نے پوری یکسوئی اور حسن تدبّر سے اپنے خداداد علم و فضل کے ساتھ دین کی خدمت کے لئے صرف کیا۔ اُن کی ذہانت اور فضیلت ایک تاریخی حوالہ بھی بن گئی چنانچہ علوم دینی و دنیاوی میں ان کا ذکر صدیقہ کائنات حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے دوسرے نمبر پر کیا جاتا ہے۔

جناب ام سلمہ رضؓ کے ذاتی اوصاف میں ایک قابل ذکر بات یہ ملتی ہے کہ جب ان کے سابق شوہر ابو سلمہ رضؓ میدان جنگ میں شہید ہو گئے اور ام سلمہ رضؓ بیوہ ہو گئیں۔ تو میعاد عدت گذرنے کے بعد آپ کو نکاح ثانی کے بہت سے پیغامات آئے لیکن آپ رضؓ مسلسل انکار کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نوشتہ تقدیر میں ام المومنین بننا لکھا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ؐ کے پیغام پر وہ بسر و چشم ان کے عقد میں آ گئیں۔ ان کی سیرت کے تذکروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ اور ان ؐ کے آرام کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ وہ ان مثالی بیویوں میں سے تھیں کہ جن کا بس نہیں چلتا کہ اپنے محبوب اور محترم شوہر کو کس طرح زیادہ سے زیادہ راحت پہنچائیں مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت اُم سلمہ رضؓ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں نہایت سنجیدہ اور صائب الرائے خاتون باور کی جاتی تھیں۔

حضرت ام سلمہ رضؓ کے سن وفات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اکثر روایات کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے بعد ۸۰ برس سے بھی زائد عمر میں ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضؓ نے وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ "صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے میں ام سلمہ رضؓ کی مثال پیش نہیں کر سکتی"۔

اُم المومنین زینب رضؓ بنت خزیمہ ان کے والد کا نام خزیمہ بن حارث قیسیہ تھا

خاندان بنو صعصعہ قریش میں ولادت ہوئی۔

شجرہ نسب یہ ہے۔ زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن بلال بن عامر بن صعصعہ پہلے شوہر طفیل بن حارث سے طلاق کے بعد عبداللہ بن جحش کے نکاح میں آئیں۔ جو اکثر روایات کے مطابق غزوہ احد کے مجاھد اور شہید تھے ان کی شہادت کے بعد آپ بے سہارا ہوگئیں۔ لیکن اسلام تو آیا ہی اس لئے تھا کہ بے سہارا لوگوں اور حاجت مندوں کو معاشرے میں ان کا جائز مقام دلایا جائے۔

رمضان ۳ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ سے عقد فرمایا۔ چار سو درہم مہر کے ادا کئے گئے اس وقت ان کی عمر کوئی تیس برس تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو حسن صورت اور حسن سیرت کے علاوہ ایک خوبی یہ بھی عطا کی تھی کہ یتامیٰ اور مساکین کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھیں اور حضور نبی پاکؐ ان کے اس جذبہ اعانت کو نہایت پسند فرماتے۔ اور حوصلہ بڑھاتے۔

ایک روایت کے مطابق رفاقت نبویؐ دو سال تک میسر رہی۔ لیکن دوسری روایات میں یہ عرصہ صرف دو ماہ بتایا گیا ہے۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ ۱۹۸۴ء صفحہ ۹۲۰ پہ یہ عرصہ دو تین ماہ لکھا گیا ہے۔ اُم المومنین حضرت زینبؓ وفات پاگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

قابل صد رشک وہ صاحب ایمان مرد اور خواتین، شہدائے اسلام، ازواج مطہراتؓ، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نیز گلشن رسالت کے مہکتے اور ان کھلے پھول کہ جن کو عہد رسالتؐ میں خود دونوں جہانوں کے لئے رحمت مجسم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں مدینہ طیبہ کی خاک کے سپرد ہونے کا موقع ملا۔

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے ساتھ پاپیادہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف)

ابن سعد کی روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے ساتھ چلتے تو خاموش رہتے۔ اور اپنے دل میں موت کے متعلق گفتگو فرماتے ـــــ جب تک جنازہ کندھوں سے اتارا نہ جاتا نہ بیٹھتے۔ بلکہ ارشاد فرماتے۔

اِذَا اَتَیتُمُ الجنازۃ فلاَ تَجلِسُوا حتّیٰ تُوضَعَ

اور ایک روایت یہ بھی ہے جب تک کہ لحد میں نہ رکھا جائے نہ بیٹھو۔ (مدارج النبوۃ)

کسی مسلمان کے لئے مسلمان کے جنازے اور تجہیز و تدفین میں شریک ہونے کی کیا اہمیت ہے اور کیا اجر ہے۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ نماز جنازہ کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا مستحب ہے۔

زادالمعاد میں اہل سنن کی روایت مذکور ہے کہ جب آپؐ جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے تو پیدل چلتے اور فرماتے میں سوار نہیں ہوتا۔ جب کہ فرشتے پیدل جا رہے ہوں جب آپ (تدفین سے) فارغ ہو جاتے تو کبھی پیدل تشریف لاتے کبھی سوار ہو کر تشریف لاتے۔

سیدنا حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کہ وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد۔ معارف الحدیث)

سبحان اللہ نبی رحمتؐ نے اُمّت کی ہر طرح رہبری فرمائی۔

صلّی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً۔

ام المومنین زینب رضؓ بنت جحش

ام الحکم کنیت، قبیلہ اسد قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن امیمہ بن عبدالمطلب کی بیٹی نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ (۱-۱-ص ۹۲۰)

بعثت نبویؐ کے بعد مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا۔ اور جب پورے خاندان نے ہجرت کی تو یہ بھی مدینہ منورہ چلی آئیں۔ حضور اکرمؐ کے ایماء پر ان کا نکاح رسول اکرمؐ کے آزاد کردہ خادم اور متبنیٰ زیدؓ بن حارثہ سے ہوا۔ نسائی اور طبری کے حوالے سے اسلامی انسائیکلوپیڈیا (ص ۹۲۰) پر لکھا گیا ہے۔ کہ حضرت زینبؓ کے مزاج میں تیزی اور اضطراب تھا۔ یہ صورت حال کچھ اس وقت بھی پیش آئی جب حضرت زیدؓ بن حارثہ سے اُن کے نکاح کی تجویز پیش کی گئی۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ پڑھ کر سنائی۔ تو انہوں نے خوش دلی کا اظہار کر دیا۔ اور حضرت زینب حضرت زید بن حارثہ کے عقد میں آگئیں۔ یہ شادی ۴ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

آنحضرتؐ کے جاں نثار خدام میں زیدؓ بن حارثہ کا مقام سابقون الاولون میں ہونے کے باعث نہایت قابل ذکر رہا ہے۔ مقرب صحابی تھے۔ اُن کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ والد کا نام شراحیل تھا اُن کی والدہ سُعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلہ طے بنی معن سے تھیں۔ کیونکہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب بنت جحش کے عقد کے موقع پر اسلام کے ایک اصولی مسئلہ اور نکتہ مساوات کی تشریح و توضیح کی ضرورت پیش آگئی تھی اور حسب نسب، زبان، زمین، رنگ و نسل کے مقابلے میں معیار افضیلت و برتری محض تقویٰ کو قرار دیا جا چکا تھا۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت پر عمل کرنے

کی ضرورت خود آنحضرتؐ نے یاد دلائی۔

آپ نے ہی حضرت زیدؓ بن حارثہ کا حضرت زینبؓ سے نکاح پڑھایا اور حضرت زیدؓ کی جانب سے دس دینار اور ۶۰ درہم بطور مہر ادا کئے۔ سامان خوراک اور کچھ کپڑے دیئے۔ اپنے سے چھوٹوں اور وسائل نہ رکھنے والوں پر مہربانی اور نوازش بے بہا، صلہ رحمی اور مساوی سلوک وہمدردی کی یہ مثال اُس محسنِ انسانیتؐ نے قائم کی جو بنی نوعِ انسان کے معاشی اور معاشرتی عدل کا حقیقی رہبر ورہنما بن کر آیا تھا اور یہ تھا ہادی کونینؐ کی سیرت اقدس میں قول وعمل کا سچا اظہار حضرت زینبؓ کو طلاق کے بعد حضرت زیدؓ بن حارثہ نے پہلے اُم کلثوم بنت عقبہ سے نکاح کیا جن سے زید اور رقیہؓ پیدا ہوئے پھر دُرّہ بنت ابی لہب اور آنحضرت کی آزاد کردہ خادمہ اُم ایمنؓ یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔ یہی وہ اُم ایمنؓ ہیں جن سے اسلام کو اسامہؓ جیسی نامور شخصیت کا تحفہ ملا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ جب کسی اسلامی لشکر میں وہ شامل ہوتے وہ امیر لشکر ہوتے۔ حتیٰ کہ نو مرتبہ وہ عساکر اسلامی کے سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔ زیدؓ بن حارثہ تاریخ اسلامی میں کئی روشن ابواب کا اضافہ کر کے غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔

حضرت زیدؓ سے طلاق کے بعد جب میعاد عدت گذر گئی تو حضرت زینب بنت جحش نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ چار سو درہم مہر ادا کیا گیا۔ نہایت جامع اور بصیرت افروز تبصرہ اُم المومنین حضرت زینبؓ کی ذات گرامی پر جناب ابی بکر صدیقؓ کی ذہین اور ژرف نگاہ صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا کتب تذکرہ وسیر میں دستیاب ہے۔ جسے ہم یہاں اس کتاب کے قارئین معزز خواتین وحضرات کے لئے پیش کر رہے ہیں :۔

"ازواج میں سے وہی (حضرت زینبؓ) رسول اللہ صلعم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں ۔۔۔ میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دین دار زیادہ پرہیزگار زیادہ راست گفتار، مخیر، اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اتنی سرگرم نہیں دیکھی ۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی ۔ جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی ۔ (مسلم شریف)

آنحضرتؐ نے پیش گوئی کی تھی کہ مجھ سے میری بیویوں میں سب سے پہلے وہ آملے گی ۔ جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر تمام ازواج مطہرات نے فرط شوق و اضطراب میں اپنے اپنے ہاتھ ناپ ڈالے ۔ لیکن اس ارشاد نبویؐ سے مراد فیاضی اور سخاوت تھی ۔ ابن سعد نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ "حضرت زینبؓ اپنے ہاتھوں کی محنت پر اعتقاد رکھتی تھیں ۔ کھالوں کی دباغت اور منکوں موتیوں کے ہار پرونے کی محنت سے جو آمدنی ہوتی اُسے جمع کرنے کی بجائے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بیماروں میں تقسیم کر دیتیں ۔ صدقہ خیرات کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بڑی برکت رکھی ہے ۔ اس طرح سرمایہ ختم نہیں ہوتا نہ نیک کاموں میں خرچ کرنے سے اس میں کمی اور قلت کے آثار پیدا ہوتے ہیں ۔ یقیناً" حضرت زینبؓ کے ایمان کی یہی پختگی بعض ایسے فیصلے کراتی تھی جو عام حالات میں کسی بھی شخص کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا خاتون خاصے مشکل ہوتے ہیں ۔

مثلاً یہ کہ انھوں نے اپنی وفات سے قبل کفن مہیا کر کے اپنے ذاتی سامان میں رکھ لیا تھا اور یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ اگر کوئی دوسرا کفن بھی آجائے تو اُن میں سے

ایک کفن صدقہ کر دیا جائے۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضؓ اپنے پیش رو خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضؓ کی طرح اُمہات المومنینؓ کی ضرورتوں کا بڑا خیال رکھتے تھے انہوں نے حضرت زینب رضؓ کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ جب وظیفہ کی یہ رقم ام المومنین زینب رضؓ کے گھر پہنچائی گئی تو آپ نے اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اور سب کی سب رقم ضرورت مندوں میں خیرات کر دی۔

آپ رضؓ نے ۲۰ہجری میں ۵۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نہایت مغموم ہوئیں اور بے ساختہ فرمایا ـــــ "زینب رضؓ پسندیدہ اخلاق کی مالک تھیں لوگوں کو فائدے پہنچاتی تھیں یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کرتی تھیں۔" انتقال کے موقع پر مدینہ منوّرہ میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضؓ ان کے جنازے کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے ہی حضرت زینب رضؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسرے صحابہ کرام رضؓ کے علاوہ اُسامہ بن زید رضؓ محمد بن عبداللہ بن حجش، عبداللہ بن ابی احمد بن حجش بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے ہی لحد میں اتارا۔

مورخین نے لکھا ہے : جب حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت زینب رضؓ کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو اس طرح اعلان کیا گیا :۔

"لوگو اپنی ماں کی نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔"

یہ خصوصی اعلان ایک طرح سے اُم المومنین حضرت زینب رضؓ کے لئے جو خشوع وخضوع سے عبادت الٰہی کرنے میں نہایت معروف تھیں۔ جمیع مسلمانوں کی طرف سے ان کی نیکی اور تقویٰ کی شہادت تھی۔

طبری نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت زینب رضؓ نے ترکہ میں بس ایک مکان چھوڑا تھا جس کو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد میں پچاس ہزار درہم

میں خرید کر مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا۔

اُم المومنین حضرت زینبؓ کی آخری آرام گاہ بھی جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ

شعبان ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے قبیلہ بنی مصطلق کے سردار، حارث بن ابی ضرار کی دختر برہ، غزدہ بنو مصطلق کے بعد اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کے ہمراہ مدینہ منورہ میں آئیں۔ اور حضرت ثابتؓ بن قیس کی پناہ میں چلی گئیں۔ اس غزدہ میں کثرت سے قیدی مسلمانوں کی نگرانی میں آئے تھے۔ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے پاس آنے کے بعد وہ مکاتبہ بن گئیں۔ انہیں فدیہ کی ادائیگی کے لئے ۱۹ اوقیہ سونا درکار تھا۔ جو قیدی جنگی اصول کے تحت مطلوبہ فدیہ ادا کر سکتے تھے۔ وہ دائرہ مکاتبت سے آزاد ہو جاتے تھے۔

بنی مصطلق کے سردار کی دختر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی کہ:

"میں مسلمان کلمہ گو عورت اور قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں۔ ۱۹ اوقیہ سونے کا سوال کرنے آئی ہوں۔ میرا یہ سوال پورا کر کے مجھے آزادی دلایئے۔"

مصطفٰے جانِ رحمت پر لاکھوں سلام، دربارِ رسالتؐ سے نہ صرف حارث بن ضرار کی بیٹی کا یہ سوال پورا ہوا۔ بلکہ رحمت عالم فخر کونینؐ نے اس خاتون کا نام "برہ" سُن کر اسے بھی تبدیل فرمایا۔ کہ حضور اکرمؐ کو موزوں اور اچھے معانی کے حامل نام رکھنا نہایت پسند تھا۔

اس اہم واقعہ کے بعد دوسرا اہم اور دُور رس نتائج کا حامل یہ واقعہ تھا۔ حضور نبی پاکؐ نے جناب جویریہؓ کو اپنے عقد میں قبول فرما کر اُمہات المومنینؓ میں شامل فرما لیا۔ اس طرح نہ صرف اسلام کی حق پرستی کا دائرہ قبیلہ بنی مصطلق میں خوب پھیل گیا بلکہ مذکورہ غزوہ کے جو قیدی جنگ کرتے ہوئے مسلمانوں کو زندہ ہاتھ آئے تھے اور اب ان کی رہائی اصول جنگ کے مطابق مقررہ فدیہ کی ادائیگی سے مشروط ہو گئی تھی۔ ان کی مکاتبت میں نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ اور دوسرے لوگوں نے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے اسلام کی حقانیت کی روشنی اور تابندگی کا یہ انداز اور مسلمانوں کا یہ صلہ رحمی دیکھا تو از خود دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف خاندانوں اور قبائل میں مسلمانوں کے رشتہ ازدواج کے جس عملِ ترغیب پر عمل پیرا تھے اس کے مفید اور مثبت نتائج برآمد ہوتے چلے گئے۔

جس کی ایک اور واضح مثال، حضرت جویریہؓ کے والد حارث کی مدینہ طیبہ میں آمد، اور حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی تھی۔ اپنے قبیلے کے ایک بارسوخ سردار کی حیثیت سے اپنی بیٹی کے ساتھ اس باوقار سلوک کو اُس نے تکریم اور عقیدت کی نظروں سے دیکھا۔ گویا حضرت جویریہؓ اُم المومنین کہلائیں۔ اور ان کے والد مشرف بہ اسلام ہو کر واجب احترام ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت جابرؓ نے آپ کے حوالے سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ جن کا ذکر بخاری اور مُسلم شریف میں ہے۔

روایات کے مطابق ۶۵ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ والی مدینہ مروان بن حاکم نے حضرت جویریہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

امُ المومنین حضرت اُم حبیبہ رضؓ

قبیلہ بنو قریش شمس، اصل نام رملہ، والد کا نام جناب ابوسفیانؓ جب آنحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو عمر تقریباً ۳۵ برس تھی۔ اور اسلام کی حق پرستی پہ قائم رہنے کی خاطر پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش سے علیحدگی اختیار کر چکی تھیں۔ حضرت اُم حبیبہؓ بعثت نبوی سے سترہ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں حضرت امیر معاویہؓ کی سوتیلی ہمشیرہ تھیں۔ اسلام کا آفتاب درخشاں ہوا۔ تو دونوں میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ لیکن عبیداللہ کا ایمان محکم نہ تھا۔ جو قدم صدق دل سے نہ اُٹھائے جائیں۔ ربِ کائنات کی مدد اور رہنمائی بھی ان کے شامل حال نہیں ہوتی چنانچہ جناب رملہ جن کی کنیت بعد میں اُم حبیبہؓ مشہور ہوئی۔ کے شوہر عبیداللہ بن جحش جب مذہب عیسائیت کی جانب پلٹ گئے تو یہ راستِ باز خاتون اپنی حق شناس نگۂ بلند کے سبب توحید و رسالت کے دینِ مُبین پہ قائم رہیں۔ اور یوں دونوں کا رشتۂ مناکحت منقطع ہو گیا۔ کسی بھی بیوی کے لئے اپنے شوہر سے اختلاف رائے کا یہ نہایت نازک اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن اُن لوگوں کے لئے نہیں جو مومن ہوں اور اللہ تعالیٰ اُنہیں توفیق استقامت فی الدین عطا فرمائے۔ کاش ہم اُنہیں مومنین صادق کی خاک پا ہوں۔

جناب رملہ بنت ابوسفیانؓ کے لئے یہ آزمائش اس لئے اور اہم تھی کہ میاں بیوی ہجرت کر کے مکہ سے حبشہ جا چکے تھے۔ اور وہاں اُن کے شوہر دین حق سے گمراہ ہوئے تو خود اپنے فیصلے کے مطابق غیر مسلم شوہر سے علیحدگی اختیار کر کے دُور دراز مقام پہ تنہا رہ گئیں۔ صرف ایک بیٹی ساتھ تھی۔ جو حبشہ میں ہی پیدا ہوئی اور حبیبہ اُس کا نام تھا یہی نام اُن کی کنیت اُم حبیبہؓ کا سبب بنا۔ بعض روایات میں حبیبہ کی

ولادت مکہ میں بتائی گئی ہے۔ تاہم آپ کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سگی پھوپھی تھیں۔ اور اسلام کی خاطر ہجرت اوّل حبشہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔ اِس لئے پرہیزگاروں اور ایمان والوں میں اُن کا ایک مقام تھا۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"دامن کی پاکیزگی ہی انسان کا اصل حسب (شرف) ہے"

(۱-۱- ص ۹۷)

گویا ذاتی بداعمالی اور گمراہ کن روش زندگی اختیار کرنے والے کو اسلام یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ محض حسب نسب کی بناء پر دوسروں پر اپنی برتری منوائے۔ اور خود کو اعلیٰ اور معزز اور واجب تکریم کہلوائے۔

حبشہ ہی اس طرح جناب اُم سلمہؓ کے بے سہارا رہ جانے کی اطلاع جب حضور نبی اکرمؐ کو پہنچی تو اپنے قاصد عمر بن اُمیہ الضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ حبشہ نے آنحضرتؐ کے پیغام بر کی خوش دلی سے پذیرائی کی۔ اور اپنی کنیز ابرہہ کے ذریعے بلا تاخیر پیغمبر اسلام رحمتِ عالمؐ کا پیغام جناب اُم حبیبہؓ کی خدمت میں پہنچوایا۔

سہارا اور پیغام وہ بھی رحمۃ للعالمینؐ کا، حضرت اُم حبیبہؓ نے اس پیغام کو بجا طور پر اکرام خداوندی تصور کیا اور خندہ پیشانی سے پیغام قبول کر لیا۔ بلکہ اس خوشی میں شاہ نجاشی کی کنیز کو جناب ام سلمہؓ نے دو نقرئی کنگن اور انگوٹھیاں بھی بطور انعام دیں۔ جناب خالد بن سعید، اُم سلمہؓ کے ایما پر ان کے وکیلِ نکاح مقرر ہوئے۔ یہی وہ خالد بن سعید العاص تھے۔ جنہوں نے شدید مخالفت اور ظلم و تشدد کے دور میں مکہ میں اسلام قبول کیا۔ جب رشتہ دار اور اقارب بھی جان کے دشمن ہو گئے۔ تو کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے مجبوراً حبشہ ہجرت کی تو اپنی

اہلیہ اُمیمہ اور بھائی عمر کو ہمراہ لے کر یہ بھی وہاں چلے گئے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر حبشہ سے مدینہ منورہ آگئے۔ حضور اکرم ؐ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے۔ پیغامات اور خطوط آتے تو پڑھ کر سناتے۔ حضور اکرم ؐ کے عہد رسالت میں یمن کے والی مقرر ہوئے آپ کی ایک صاحبزادی اُم خالد آنحضرت ؐ کے مقتدر صحابی حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقد میں رہیں۔ شام کی فتوحات میں شریک جنگ رہے اور وہیں جام شہادت نوش کیا۔

خود حضرت ام حبیبہؓ نے بڑے مصائب و آلام کے دور میں اسلام قبول کیا تھا اور یہ ایمان روز بروز محکم ہوتا چلا گیا بہر حال شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حبشہ میں مقیم چند مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت اُم سلمہؓ کا نکاح پڑھایا حتیٰ کہ آنحضرت ؐ کی جانب سے چار سو دینار بھی بطور مہر ادا کئے۔ حضور اکرم ؐ اپنے رفقاء کے ہمراہ مدینہ طیبہ ہجرت فرما چکے تھے۔ اور اسلام کی فلاحی ریاست معرض وجود میں آنا شروع ہو چکی تھی۔ شاہ حبشہ نے شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ حضرت اُم حبیبہؓ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ کتب تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ نجاشی ہزاروں سال حبشہ کے فرمانرواؤں کا لقب رہا۔ جس نجاشی سے یہ واقعہ منسوب ہے اس کا اصل نام اصمعہ تھا۔ نبوت کے پانچویں برس جب مسلمانوں پر مکہ مکرمہ میں عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اور انہوں نے حبشہ کی ہجرت کی تو اصمعہ نجاشی نے ان مہاجر خاندانوں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول ہے کہ نجاشی کے بارے میں ہم اُس کے انتقال کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ اس حسن سلوک کے حوالے سے باہم گفتگو کیا کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ جناب اُم حبیبہؓ کے نکاح کے بعد شاہی توشہ خانے سے تمام مہمانوں کی ضیافت بھی کی گئی تھی۔ گویا اس خوشی میں خود شاہ نجاشی برابر کا شریک

تھا۔ دین پر استقامت نے حضرت ام سلمہؓ میں زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا ذوقِ فراواں بھی پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ اُمّہات المومنینؓ میں شامل ہونے کے بعد دین کے معاملات میں سخت اور لوگوں کے معاملات کے بارے میں رحم دل ہوتی چلی گئیں۔ یہ واقعہ سیرت اُمِ حبیبہؓ کے اس روشن پہلو کو خوب اجاگر کرتا ہے :۔

"ایک بار حضرت اُمِ حبیبہؓ کے والد ابو سفیانؓ مصالحتی مذاکرات کے لئے مکہ سے مدینے آئے تو اپنی بیٹی سے بھی ملنے کے خواہشمند ہوئے۔ کیونکہ سالہا سال سے دونوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے حضرت اُمِ حبیبہؓ ملاقات پر رضامند ہو گئیں۔ لیکن جب ابو سفیانؓ گھر میں داخل ہو کر آنحضرتؐ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو بیٹی نے دوڑ کر بستر کھینچ لیا اور صاف منع کر دیا۔

(واضح رہے یہ واقعہ قبولیت اسلام سے پہلے کا ہے۔ ابو سفیانؓ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور رحمت عالمؐ نے ان کے گھر میں پناہ لینے والوں کو معاف کرنے کا اعلان عام کیا تھا۔)

سیرت ابن ہشام، زاد المعاد میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے باپ اور بیٹی سے جو برجستہ سوال اور جواب منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ عبرت اور جرأت کا ایک نمونہ ہیں۔ باپ کا احساس برتری اور بیٹی کی خود اعتمادی ان فقروں سے بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے بیٹی کے اس طرز عمل سے دل کو ٹھیس تو بہت لگی لیکن باپ نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"بیٹی! کیا بات ہے! تم سمجھتی ہو کہ یہ پھوس بھرا چمڑے کا ٹکڑا جو تمہارے شوہر کا بستر ہے میرے شایان شان نہیں!"

یہ اندازِ گفتگو ایک عرب سردار کا فخریہ انداز تھا۔

حضرت اُم سلمہؓ نے برجستہ جواب دیا:۔

نہیں: آپ نے غلط سمجھا۔ یہ اللہ کے رسولؐ کا
بستر ہے مجھے پسند نہیں کہ کوئی غیر مسلم قریب بھی آئے

یہ جواب بہت تند و تلخ تھا لیکن شرمساری اور خفت کو مٹانے کے لئے باپ نے بیٹی کو طعنہ دیا:۔

"مجھ سے الگ ہو کر تجھ میں برائی آگئی۔ صابی جو ٹھہری!"

محققین نے لکھا ہے صابی سب سے قدیم موحد فرقہ ہے۔ اس کے کچھ لوگ اب بھی عراق کے شہروں بصرہ اور سوق الشیوخ میں آباد ہیں۔ مشرکین اپنا آبائی عقیدہ چھوڑنے والوں کو صابی کہتے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں کو۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے صابی وہ ہے جو ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے۔ بہرحال باپ کا یہ طعنہ بھی ناکام رہا۔ توفیق الٰہی نے مدد کی تو بیٹی کی طرح بیٹا بھی باپ سے قبل ایمان لے آیا۔ بہرحال حضور اکرمؐ ازواج مطہراتؓ کے توسط سے مسلمان خواتین اور دیگر اہل اسلام کے لئے جو تعلیمات فرماتے۔ ان کو بہت انہماک سے سنتیں۔ اور دوسروں تک پہنچاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کم از کم ۶۵ احادیث نبویؐ آپ کی روایت سے محفوظ ہیں۔ ۷۰ سال کی عمر پائی اس لئے سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ بن خطاب، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی المرتضٰیؓ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت بھی دیکھا۔ اور انہیں کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

زہد و تقویٰ اور صلہ رحمی کی پیکر اس خاتون کے لئے وہ منظر نہایت دل دوز اور جگر سوز تھا۔ جب شہید مظلوم خلیفہ سوم سیّدنا عثمان غنیؓ کی رسد مکمل طور پر بند کر دی گئی۔ اور فرمانروائے ریاست اسلامی بھوک اور پیاس سے نڈھال

تھا۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کو اس صورت حال کا علم ہوگیا تو جامع القرآن عثمان بن عفانؓ کی عظیم المرتبت شخصیت اور ان کے اہل و عیال کی مظلومیت پر مضطرب ہوگئیں پھر پانی کا ایک مشکیزہ لے کر پہنچیں لیکن سرکشوں نے اس مشکیزے کو تیر وں کی بوچھار سے چھلنی کر دیا۔ اور اُمتّ کی ماں سرور کونینؐ کی اہلیہ محترمہ کی موجودگی اور تشریف آوری کا بھی لحاظ نہ کیا۔ اور امتّ کی جان امتّ کی شان اور ملتّ اسلامی کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے والے حضرت عثمانؓ کامل الحیا والایمان اسی عالم بے کسی میں جام شہادت نوش کر گئے۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور سیرت تفصیلی مطالعہ کی مستحق ہے کہ ان کے مشاہدے میں تاریخ اسلام کے کئی اہم ادوار محیط تھے۔ لیکن ان سب پر مستزاد خود ان کا وہ بلند کردار، اپنے عالی مقام شوہر کے لئے جذبہ وفا شعاری اور شعائر اسلامی کی ترویج و تبلیغ کے لئے ایمانی عزیمت کے قابل ذکر مظاہر ہیں۔ اللہ رحمٰن و کریم کے سایہ رحمت میں اُم المومنین اُم حبیبہؓ کی لحد بھی جنت البقیع میں ہی مرجع خلائق ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ اُم المومنین جناب اُم حبیبہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کی بشارت خواب میں ملی تھی۔ ظاہر ہے ایسے خواب سچی تعبیر ہی بن کر آتے ہیں

اَنسَاکُمُ اللہُ تَعَالیٰ وَشَرَّفَکُمُ اللہُ تَعَالیٰ

اُم المومنین حضرت صفیہؓ

قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیّی بن اخطب کی بیٹی، جن کی والدہ کا نام ضرّہ، وہ بھی بنو قریظہ کے ایک رئیس خاندان کی دختر، اصل نام زینب بنت حیّیؓ لیکن اُمہات المومنین میں شامل ہو کر حضرت صفیہؓ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ قبول اسلام سے

پہلے سلام بن مشکم القرصی کے عقد میں آئیں۔ کم عمری میں پہلی شادی ہوئی اور ابن مشکم سے طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کا گھر آباد کیا۔ غزوہ خیبر میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان زبردست معرکہ ہوا تھا۔ یہودی منظم، مضبوط، مسلح اور قلعہ بند ہو کر محفوظ فصیلوں سے حملے کرتے تھے۔ مسلمان مجاہدین کھلے میدان سے ان کے مدِ مقابل تھے۔ لیکن یہودی قبائل کی متواتر معاہدہ شکنی کے باعث مسلمانوں کے لئے خیبر کی جنگ کو فیصلہ کن بنانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ اس لئے برابر ڈٹے رہے۔ اور یہودی بالترتیب زیر ہوتے چلے گئے۔ بالآخر نتیجہ مسلمان مجاہدین کے حق میں برآمد ہوا کنانہ بن ابی الحقیق، جناب صفیہ کے والد اور بھائی سب مارے گئے۔ اور دوسرے جنگی قیدیوں کے ساتھ صفیہ بنت حیی بھی مدینے لائی گئیں۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر میں اسلام کا پیغام عام کرنے اور انہیں عزت و تکریم کا احساس دلانے کے لئے مناسب ہو گا کہ حضورؐ اس رئیس زادی کو اپنے عقد میں قبول فرمالیں حضور رسالت پناہؐ نے عندیہ لینا پسند فرمایا۔ اور حضرت صفیہ سے دریافت کیا۔ "اب خود تم کو اختیار ہے۔ چاہو تو آزاد کر کے تمہارے قبیلے میں واپس بھیج دیا جائے اور چاہو تو اسلام قبول کر لو ——"

حضرت صفیہؓ جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور بعد میں اپنے قبیلے کے ساتھ خیبر کے علاقے میں منتقل ہو گئی تھیں۔ اس بار اسلام کی حقانیت کا رنگ قبول کر چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے قبیلے میں واپس جانے سے انکار کیا اور قبول اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے برملا کہا۔ "مجھے اللہ اور اللہ کے رسولؐ، بخدا زیادہ عزیز ہیں۔ اور میری آرزو یہی ہے کہ مسلمان بن کر رہوں۔"

خیبر دراصل یہودیوں کے ایک دوسرے سے ملحق قلعوں میں سے نہایت

مضبوط گڑھ تھا۔ ان میں سے پہلے قلعہ کا نام ناعم تھا۔ جہاں یہودیوں کا سامان رسد بھی تھا۔ اور مال و دولت بھی کس قدر سوچنے اور درس عبرت لینے کی بات ہے کہ اسی قلعہ پر جناب صفیہؓ کا پہلا شوہر بنی نضیر کا سردار سلام بن مشکم تعینات تھا پورے علاقہ خیبر کے یہودی اُس کی جنگی حکمت عملی پر فخر و غرور کرتے تھے اور اس کی شکست ان کے وہم و قیاس سے باہر تھی۔ واقعی وہ ڈٹ کر مسلمانوں سے لڑا۔ لیکن دو دن قلعہ بند رہ کر جب وہ میدان میں باہر نکلا تو اس کی قضا کا لمحہ آخر مد مقابل آگیا۔ مسلمان مجاہدین سر بکف ہو کر آگے بڑھے، مقابلہ ہوا اور وہ مارا گیا۔ اس کی ہلاکت نے پورے یہودی لشکر کے چھکے چھڑا دیئے اور آخر کار مسلمانوں کا لشکر فاتحانہ انداز سے قموص کے آگے یہودی سپہ سالار مرحب سے جا ٹکرایا یہ قلعہ بھی مضبوط تھا۔ اور وہ بھی پہاڑ میں ــــــ لیکن حضورؐ کی ہدایت پر حضرت علیؓ نے یہ معرکہ سر کیا۔ اور اس کے نتائج دور رس نکلے۔

اللہ تعالیٰ نے سترہ برس کی عمر میں اس پختہ یقین و عقیدے کا شعور حضرت صفیہؓ کو عطا فرمادیا۔ اور انہوں نے توحید الٰہی کا اقرار کر کے خود کو مشرکین اور دشمنان اسلام سے قطعی بے تعلق کر لیا۔ کتب تاریخ و سیر میں ان کے جو کوائف ملتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صفیہؓ میانہ قامت تھیں۔ لیکن حسن و جمال میں قدرت کی فیاضی کی ایک مثال تھیں۔

۷ھ ہجری اور جمادی الآخرہ کا مہینہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ خیبر اور مدینے کے درمیان ایک مقام صہبا پر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا۔ وہیں رسم عروسی ہوئی اور مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا۔ اس سامان خورد و نوش کو یک جا کر کے ولیمہ کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

رفاقت رسولؐ نے انہیں اُم المومنینؓ بنایا اور فیاضی عبادت گذاری پاکیزگی

فکر، غربا و مساکین کی اعانت اور تبلیغ دین کی خوبیوں سے متصف کر دیا۔ مصطفےٰؐ جان رحمت تشریف لاتے تو چشم براہ ہو جاتیں۔ قول و عمل سے محبت کے چشمے اُبل پڑتے گفتگو بھی شیریں، رویہ میں بھی اخلاص و لطافت، چنانچہ ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض وصال میں مبتلا ہوئے اور ازواج مطہرات کو سخت فکر لاحق ہوئی تو ایک روز حضرت صفیہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

"خدا کی قسم : رسول اللہؐ ! میری آرزو ہے کہ آپؐ کی تکلیف
اور مرض مجھے لاحق ہو جائے "

پیغمبر صادقؐ نے جواب دیا " صفیہؓ جو کچھ کہہ رہی ہیں یہی ان کے دل میں ہے"

اگر چہ رفاقت رسولؐ ام المومنین حضرت صفیہؓ کو صرف چار سال ہی حاصل رہی لیکن فیضانِ تربیت میں کوئی کمی نہ تھی۔ حضور کی چاروں صاحبزادیوں میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے حضرت صفیہؓ کا ربط باہم بہت زیادہ تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی ہم عمری بھی ہو۔ مقاصد و تعلیمات اسلامی پر تبلیغ و توجہ مرکوز رکھی۔ چنانچہ آپؓ سے ۷۶ احادیث مروی ہیں۔ حضرت صفیہؓ کی وفات ساٹھ برس کی عمر میں ۵۰ھ ہجری میں ہوئی اس لئے انہوں نے بھی تمام خلفائے راشدین کا زمانہ دیکھا۔

جب مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف باغیوں نے یورش کی۔ اور امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے اس فیصلے کے باعث کہ کچھ ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال کا ہرگز اتلاف نہ کریں گے نہ اپنی ذات کے لئے کسی کا خون بہائیں گے۔ سرکشوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ اور خلیفہ وقت مسجد نبویؐ سے متصل اپنے مکان میں محصور ہو گئے۔ تو اُم المومنین حضرت صفیہؓ نے

ان پریشان کن اور المناک حالات کو درست کرنے کی بار بار جرأتم کوشش کی اور شہید مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ کے صحیح موقف کو باغیوں پر واضح کرنے کے علاوہ امیر المومنین کی ہر طرح مدد بھی کی۔

خیبر سے مدینے آتے ہوئے حضور اکرمؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنے اونٹ پر سواری کا موقع دیا۔ اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ اُم المومنین صفیہؓ کے لئے ایک اعزاز تھا۔ اسی طرح حضرت صفیہؓ کو حضورِ اکرمؐ کی رفاقت میں فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ایام علالت میں حضور اکرمؐ کی خدمت زیادہ سے زیادہ کرنے کی جستجو برقرار رکھی کوئی موقع فروگذاشت نہ کیا۔ جنت البقیع ہی حضرت صفیہؓ کی آخری آرام گاہ ہے۔

اُمّ المومنین حضرت ریحانہؓ

ابنِ سعد نے روایت کی، اور حافظ ابنِ حجر نے اس واقعہ کی تائید کی کہ محرم الحرام ۶ہجری میں حضرت ریحانہؓ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ بارہ اوقیہ بطورِ مہر ادا کئے گئے۔ اُن کے والد کا نام زید بن عمرو بن منافہ تھا۔ مدینے کے بنو نضیر قبیلے سے تعلق تھا۔ ان کی پہلی شادی بنو قریظہ کے ایک بااثر خاندان میں حکم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس لئے نسبت اُن کی ماضی میں اس دوسرے قبیلے سے خیال کی جاتی تھی اس لئے ان کا پورا نام اس طرح لیا جاتا تھا۔ ریحانہ بنت زید نضریہ اور نسبتِ خاندانی بنی نضیر الناظر تھی۔ اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی ابن اخطب کی طرح حضرت ریحانہؓ کی بھی بیت الرسولؐ میں آمد چند اہم واقعات کا سبب تھی۔

یہ کوئی معمولی واقعات نہ تھے کہ جو ستم رسیدہ مسلمان ہجری سالِ اول میں گھر بار چھوڑ کر نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں مدینے آئے تھے۔ اب حالات اتنے بدل چکے تھے کہ اسلام دشمن قبائل کے با اثر اور بڑے دعوے کرنے والے سرداروں کی بیٹیاں مسلمانوں کے گھروں میں اُن کی بیویاں بن کر آ رہی تھیں۔ اور یہودی سرمایہ داروں اور عالموں نے اپنے قبائل کو جس استحصالی شکنجے میں جکڑ رکھا تھا، مُشرک مرد اور خواتین، سب ہی اُس گھٹن اور منفی ماحول سے نکل کر اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہے تھے۔ بلکہ آزاد فضا میں سانس لے رہے تھے۔

جو خواتین اپنے باطل عقائد سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جاتی تھیں، وہ نہ تو مسلمانوں کے نزدیک کسی امتیازی سلوک کی مستحق خیال کی جاتی تھیں، نہ اُنھیں اُن کے ماضی کے مطابق محض عورت ہونے کی بنا پر حقیر و کم تر درجے پر رکھا جاتا تھا۔ غیر مسلم بے حجاب معاشرے میں انھیں محض عشرت کدوں کی زینت سمجھا جاتا رہا۔ لیکن دائرہ اسلام میں آتے ہی خواتین کو نسوانی وقار اور عفت و احترام کا مقام مل جاتا۔ اور انھیں مساوی انسانی حقوق دے دیئے جاتے، یہی وجہ ہے کہ ایک بار جو غیر مُسلم عورتیں خواہ وہ کنیز بن کر آئی ہوں یا جنگی قیدیوں کی حیثیت سے لائی گئی ہوں۔ جب مسلمانوں کا حُسنِ سُلوک اور شرافتِ انسانی دیکھ لیتیں تو نہ صرف اپنی رضا و رغبت سے دینِ حق اسلام قبول کر لیتیں؛ بلکہ، دوبارہ اپنے مُلحدانہ افکار کے حامل قبائل اور خاندانوں میں واپس جانے کو ہرگز تیار نہ ہوتیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ہی رہنے کو ترجیح دیتیں۔

جہاں تک رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا تعلق ہے تو وہاں تو مساویانہ برتاؤ، محبت آفرینی، پاک بازی اور مہر و وفا کا ایسا روشن ماحول تھا کہ اگر کبھی فقر و فاقہ کی لہر بھی آتی تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن خندہ پیشانی، اور،

صبر وقناعت سے اس آزمائشی مرحلے سے گزر جاتیں۔ کوئی مستحق دستِ سوال دراز کرتا تو اپنے سامنے کا کھانا بھی اُسی کو دے کر خوش ہو جاتیں۔

علامہ ابنِ قیّم اپنی کتاب "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ نہایت محبت اور حُسنِ سُلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ نمازِ عصر پڑھ کر آپ کا معمول تھا کہ آپ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے۔"

اس طرح فرامینِ الٰہی کا اعادہ ہو جاتا۔ حضور نبی پاکؐ خواتین کے مسائل پر اپنی تعلیمات اور نصائح سے بھی نوازتے۔۔ ازواج مطہرہؓ کوئی بات دریافت فرماتیں تو اُس کا مناسب جواب دیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی خواہش ہوتی، کہ اُمہات المومنین جو کچھ سیرتِ رسولِ پاکؐ میں اتنے قریب سے دیکھتی ہیں، سنتی ہیں یاد کرتی ہیں ان سب باتوں کو دوسری مومنات تک پہنچائیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان جان نثارانِ رسالتؐ، عالی مرتبہ ازواجِ مطہرہؓ کی دل جوئی فرماتے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے سب سے زیادہ اسی التفات، لُطف وکرم، ربطِ باہمی، دل جوئی اور دل نوازی کی طالب اور آرزو مند ہوتی ہے۔

بنو نضیر کے قبیلہ یہود کے سرکش اور مغرور سردار یا تو اپنے انجام کو پہنچے یا ہتھیار ڈال کر مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو بنی قریظہ کی گرفتار عورتیں بھی مدینے لائی گئیں۔ جنگی قیدیوں کی آزادی کی شرط فدیہ کی ادائیگی تھی۔ اُم منذر سلمیٰؓ جناب ریحانہ کو اپنے گھر لے آئیں، جہاں انھوں نے چند روز سکون و آرام سے گزارے۔ جب وہ آزاد ہو گئیں تو حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حضرت ریحانہؓ نے اس ملاقات کا احوال خود بیان فرمایا ہے:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"ریحانہ! اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند کرو،
تو اللہ کا رسولؐ تم کو اپنی ذات کے لئے پسند کر سکتا ہے"

میں نے جواب میں عرض کیا:

"میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو منتخب کرتی ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد مجھ سے عقد فرما لیا۔ اور حسبِ دستور اپنی دوسری ازواج کی طرح بارہ اوقیہ سونا بطور مہر مجھے دیا۔"

(حضرت ریحانہ نے یہ شادی محرم ۶ھ میں ہونے کی بھی اپنے بیان میں تصدیق کی ہے)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں تقریباً پانچ سال رفاقتِ رسولؐ کا شرف حاصل رہا۔ کیونکہ یہ حضور نبی پاکؐ کی وہ زوجۂ مطہرہ ہیں جو حیات النبیؐ میں ان کے سامنے وفات پا گئیں۔ واقعات میں مذکور ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صاحب التاج والمعراج والبراق، جب حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ریحانہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور اُم المساکین حضرت زینبؓ کے بعد یہ تیسری زوجہ مطہرہ ہیں، جنھوں نے حضور نبی پاکؐ کے سامنے وفات پائی۔ جناب رسالت پناہ، پیغمبر آخرؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں تدفین کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک رہے۔

اُمّ المومنین حضرت ماریہؓ قبطیہ

حضرت ماریہؓ مصری نژاد تھیں۔ اور شہرِ نبویؐ میں، جن اسباب و وجوہ کی بنا پر اتنا دُور دراز سفر طے کر کے پہنچیں، اُسے مشیّت الٰہی کی رضائے خاص کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اُنھیں مصر کے شاہ مقوقس نے اس پیغامِ اسلام کے جواب میں ایک قافلے کی صورت میں دربارِ رسالتؐ میں بھیجا تھا۔ جو سیّد الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوتِ اسلام کے جواب کا ایک خاص انداز تھا۔

تذکرہ نگاروں نے بالائی مدینہ میں نواحِ مدینہ سے تین چار میل کے فاصلے پر نجد کی طرف پھیلی ہوئی آبادی اور چھوٹے سے باغ کی نشان دہی کی ہے۔ جو نخیل کے نام سے معروف تھا۔ یہاں ایک چھوٹا، لیکن قدرے اُونچا سا مکان تھا، جہاں حضرت ماریہ قبطیہؓ اقامت پذیر رہیں۔ یہ جگہ اب بھی "مشربہ اُمّ ابراہیمؑ" کے نام سے باقی ہے۔ یہاں ایک مسجدِ ماریہؓ بھی ہے، جہاں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نمازیں پڑھی ہیں۔ حضرت ماریہؓ بھی اس مسجد میں نماز پڑھتی رہیں۔

حضرت رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شاہِ مصر مقوقس عظیم قبط کے پاس مکتوبِ نبویؐ لے جانے کے لیے شاہانِ حیرا کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک بُردبار شخص جناب حاطبؓ بن ابی بلتعہ لخمی کو منتخب کیا۔ انھوں نے شاہِ مصر کو نہ صرف مکتوبِ نبویؐ بڑے ادب و احترام کے تقاضوں کے ساتھ پہنچایا۔ بلکہ مدلّل اور برمحل گفتگو بھی کی۔ یہ حُسنِ خطاب عزیزِ مصر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی حد تک کامیاب بھی رہا۔

کتاب اعلام السائلین میں مذکور ہے کہ اگرچہ فوری اتباع کا کوئی امکان ظاہر نہیں ہوا لیکن شاہ مقوقس کا طریقِ گفتگو، مہذب آمیز تھا اور مستقبل کے لئے یہ ایک فقرہ خصوصیت ہے:

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہارا ملک ہمارے حلقۂ اثر

سے نکل جائے گا۔ اور اِن علاقوں پر تمہارے آقا کا
غلبہ ہو جائے گا۔"

پھر نامہ مبارک کا جو تحریری جواب دیا اُس میں دو اعلیٰ مرتبہ کی قبطی لڑکیوں، مصری ملبوسات اور سواری کے لئے خچر کی روانگی کا ذکر شامل تھا۔ سرور دو عالمؐ کے قاصدِ خاص جناب حاطبؓ بن ابی بلتعہ نخمی کو ایک سو دینار اور پانچ جوڑے علیحدہ دیئے اور خاطر مدارات خوب کی۔ جناب حاطبؓ ہی کو قافلہ سالار بنایا۔ البتہ اُن کے ساتھ مصر سے جبر القبطی مولیٰ ابی رُہم الغفاری اور دوسرے چند لوگ بھی گئے۔

جناب ماریہؓ قبطیہ کی مدینے کی روانگی کا منظر نہایت دل نشیں تھا۔ یعنی جو ساز و سامان تحفے تحائف اُن کے ہمراہ کئے گئے ان میں سے کچھ نام یہاں مختلف حوالوں سے حاصل شدہ مذکور ہیں۔

حضرت ماریہ کی بہن شیریں کے علاوہ قیصر اور بریرہ نام کی سیاہ نسل کی لڑکیاں تھیں۔ مابور بھی اسی نسل کا غلام تھا۔ جناب ماریہؓ قبطیہ مصری جمال کا پیکر تھیں۔ اُن کا آبائی وطن صعیدِ مصر کا پُر فضا مقام انصنا تھا۔ دریائے نیل کے مشرقی کنارے مناف انصنا کے علاقے کی ایک بستی حفن اُس زمانے میں سرسبزی و شادابی کے دلکش مناظر اور پھل پھول والے اشجار کی بدولت مشہور تھی۔ جناب ماریہؓ کی ذہنی نشو و نما اور طبعی نفاست میں اس ماحول کا یقیناً عمل دخل تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہِ مقوقس نے ان پر صحیح نظرِ انتخاب ڈالی۔ پھر انھیں خالی ہاتھ رخصت کرنا بھی گوارا نہ ہوا، تو یہ تحائف ساتھ کئے۔ تاکہ زر و جواہر اور قیمتی ملبوسات کا نذرانہ ربطِ باہم کو بڑھائے۔

ایک صندوق میں سرمہ، سلائی، آئینہ، کنگھی، تیل کی شیشی، قینچی اور مسواک تھی، ایک مٹکے میں علاقہ بنہا کا عمدہ شہد، ایک ہزار مثقال سونا، بیس تھان قباطی مصر، عود و مُشک اور نفیس عطریات، ایک پیالہ بلّورین، جانوروں میں ایک سُرخ خچر جس کا

نام دُلدل رکھا گیا۔ ایک گھوڑا جس کا نام میمون تھا۔ ایک سُرخ گدھا۔ عفیر یا یعفور تھا۔ جناب ماریہؓ قبطیہ کے ساتھ ماریہ بنتِ شمعون بھی آئی تھیں۔

صبح الاعشیٰ کی روایت ہے کہ یعقوب القبطی حضرت ماریہؓ کے ساتھ دربارِ رسالتؐ میں بطور ایلچی آئے تھے۔ اسد الغابہ کی عبارت یہ ہے :۔ کہ

"صالح القرظی بھی مصر سے مدینے تک حضرت ماریہؓ کے ساتھ آئے تھے۔ حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے قافلے کی وسعت۔ کے پیشِ نظر اِن مسافروں کو پہلے حضرت انس رضؓ کی والدہ اُمِ سلیم کے گھر اتارا۔ ان کی سگی بہن اُم حرام بنتِ ملحان (جو رضاعت کے رشتے سے حضور اکرمؐ کی خالہ ہوتی تھیں۔ حضرت عبادہ رضؓ بن الصامت کی بیوی تھیں۔ جیسا کہ علم میں ہے حضرت عبادہؓ جلیل القدر صحابی اور انصارِ مدینہ کے بڑے سرداروں میں سے تھے، اور حضرت معاذ بنؓ جبل اُبیؓ بن کعب، ابوایوب انصاریؓ اور ابو درداءؓ جیسے اکابر کی صف کے بزرگ تھے۔ تو حضرت ماریہؓ کی پہلی قیام گاہ اگر یہ ٹھہری تو دوسری کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت یہ بھی قابلِ توجہ ہے۔

"حضورؐ نے ماریہؓ کو حارثہ بن النعمان، نقیع بن زید نجاری کے گھر میں اُتارا تھا۔ یہ حارثہؓ وہی ہیں جنھوں نے ہجرت کے وقت ازواج النبیؐ، صحابیوں اور مہاجرین کے لئے اپنی اراضی اور مکانات بلا معاوضہ وقف کر دیئے تھے۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک اور موقع پر فرمایا :۔

ماریہؓ ہماری پڑوسن تھیں اور حضورؐ اُن کے یہاں جایا کرتے تھے۔"

مورخین اس قول سے اندازہ لگاتے ہیں کہ حضرت ماریہؓ قبطیہ اُمہات المومنین میں شامل ہونے کے بعد ازواجِ مطہراتؓ کے ان حجروں میں ہی رہائش پذیر ہوگئی تھیں، جو مسجدِ نبوی سے متصل حضور نبی پاکؐ نے اِن پاک بیبیوں کے لئے بنوائے تھے۔ حضرت عائشہ کا یہ فرمانا حضرت ماریہؓ اور دوسری ازواج کی ہمسائیگی کا واضح ثبوت ہے۔

تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۵ میں صاف صاف لکھا ہے کہ:

"اسلام سے پہلے عربوں کے یہاں شادی بیاہ کے مختلف طریقے رائج تھے۔ جو علاقوں کے اختلافات، اجتماعی احوال اقتصادی تقاضوں کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔"

آمدِ اسلام کے بعد اِن طور طریقوں کو زوجین کے حقوق اور زن و شو کے مابین حقوقِ واجب کے مطابق مربوط و متداول بنایا گیا۔ فریقین کی پسند ناپسند باہمی رضامندی، نکاح کے برملا اظہار، فریقین کو وکیل مقرر کرنے کی اجازت اور عورت کو کامل الحقوق بنانے کے لئے مہر کی لازمی پابندی جیسے شعائرِ دینی نے رشتۂ مناکحت کو افادیت سے معمور کر دیا اور اِن شرائط کو اتنا آسان اور قابلِ عمل رکھا کہ یہ اُصول، قیود و قدغن کے درجے میں نہ آجائیں۔ ہم لوگ آج کے دَور میں اگر مفروضہ اور غیر ضروری رسم و رواج میں مبتلا ہوکر اپنی ذمہ داریوں، مصارفِ بے جا اور پریشانیوں میں خود اضافہ کرلیں تو یہ سراسر ہماری اپنی کوتاہ نظری اور بدبختی ہے۔ مذہبی شعائر تو سراسر اس کی اجازت نہیں دیتے۔

دوسری بات ازواجِ مطہرات کے مابین عدل و انصاف اور مساویانہ سلوک کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کی دل جوئی اور ضرورت کس طرح پوری کی۔ سب باتوں پر مقدم، مساوی توجہ، منصفانہ کفالت اور یکساں سلوک کو رکھا۔

حتیٰ کہ اُمہات المومنینؓ میں یہ معمولات رچ بس گئے۔

طبری جلد چہارم صفحہ ۱۶۳ پر یہ واقعہ مرقوم ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے حضور نبیؐ پاکؐ کی تمام موجود ازواجِ مطہراتؓ کے لئے دس دس ہزار درہم (بطورِ وظیفہ) بھجوائے۔ اُمہات المومنینؓ نے متفقہ طور پر کہا: اللہ کے رسول صلعم ایسی کوئی ترجیح، و فضیلت اپنی تقسیم میں ہم کو نہیں دیتے تھے۔ لہٰذا آپ بھی ہمارے درمیان اسے قائم رکھئے (تو یہ سُن کر) حضرتِ عمر فاروقؓ نے ایسا ہی کیا۔

کتب تاریخ و سیر میں مذکور ہے کہ عزیزِ مصر مقوقس نے جنابِ ماریہ قبطیہ مصری کو مدینہ بھیج کر مصر و عرب کے اُس قدیم رشتے کو تازہ کرنے کی کوشش کی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ (قبطیہ) کی شادی سے قائم ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پسند فرمایا اور قبول کیا۔

بلکہ ایک اور اہم واقعہ حضرت ماریہؓ قبطیہ کی رفیق شیریں کا شاعرِ دربار رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت سے عقد ہونا ہے۔ اس میں حضور اکرمؐ اور حضرت ماریہؓ قبطیہ دونوں کا مشورہ شامل تھا۔ جناب حسانؓ بن ثابت کو اپنے اشعارِ مدحت کی سندِ قبولیت خود بارگاہِ نبوت سے مل چکی تھی۔ اب وہ سرکارِ دو عالمؐ کے اور قریب ہوگئے۔ شیریں بھی حسن و جمال میں کسی سے کم نہ تھیں۔

حضور رسالت پناہؐ کے وصال کے چار پانچ سال بعد حضرت ماریہؓ قبطیہ مدینے میں وفات پاگئیں۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت ماریہؓ قبطیہ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ

اصل نام میمونہؓ بنت حارث، حارث کے والد کا نام ہلالی بن حزن، خاندانؓ عامر صعصعہ ہلالی قریش، مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف میں پیدا ہوئیں۔ ماں کا نام ہند تھا۔

حضرت میمونہؓ کا عقد مدینہ منورہ میں ذیقعدہ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نکاح پڑھایا۔ حضرت میمونہؓ اس وقت بیوہ تھیں اور عمر بعض روایات کے مطابق ۳۶ برس تھی۔ بعض کتب میں ۲۷ سال بتائی گئی ہے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارکؐ اُس وقت ۵۱ برس تھی۔ حضرت میمونہؓ بنتِ حارث زندگی میں رنج و غم اٹھانے کے سبب لائقِ ہمدردی تھیں اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضور اکرمؐ کو حضرت میمونہؓ سے عقد کا مشورہ دیا۔ جو ایک نہایت ہی عابد و زاہد خاتون تھیں۔ اور جب سے مشرف بہ اسلام ہوئیں ضرورت پڑنے پر دینِ حق کی خاطر ہر ایثار و قربانی کے لئے تیار رہتی تھیں۔

مکہ مکرمہ میں پہلی بار اُن کی شادی مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی سے انجام پائی۔ مزاج کی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث میاں بیوی کو ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا پڑا۔ اس کے بعد ابورہم بن عبدالعزیٰ سے عقدِ ثانی ہوا۔ لیکن یہ شوہر کچھ عرصے کے بعد انتقال کر گئے اور میمونہ بنتِ حارث بیوہ ہو گئیں۔

رحمتِ مجسّم کے زیرِ سایہ آنے کے بعد غم کے بادل چھٹ گئے۔ اور دوسری اُمہات المومنین رضؓ میں شامل ہو کر وہ بھی دینِ حق کی تبلیغ او تعلیم میں مصروف ہو گئیں۔ عبادت و ریاضت نے زہد و تقویٰ کی منزلیں طے کرانا شروع کر دیں۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنے اہلِ خاندان کے ظلم اور طعنے بھی سہے تھے، لیکن ایمان پر کبھی حرف آنے نہ دیا۔ شاید اسی صبر و ایثار کا یہ انعام تھا کہ حضور اکرمؐ کی رفاقت نصیب ہوئی۔

حضور رسالت پناہؐ جب اس جہانِ فانی سے پردہ فرمایا تو انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے شفیق و مہربان شوہر کے جنازے کا لرزہ خیز منظر دیکھا اور اس کے بعد بھی مرضیٔ مولیٰ سے کئی سال حیات رہیں۔ بالآخر ۵۱ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ اتفاق سے اُس وقت بھی مقام سرف میں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور

لحد میں اتارا۔

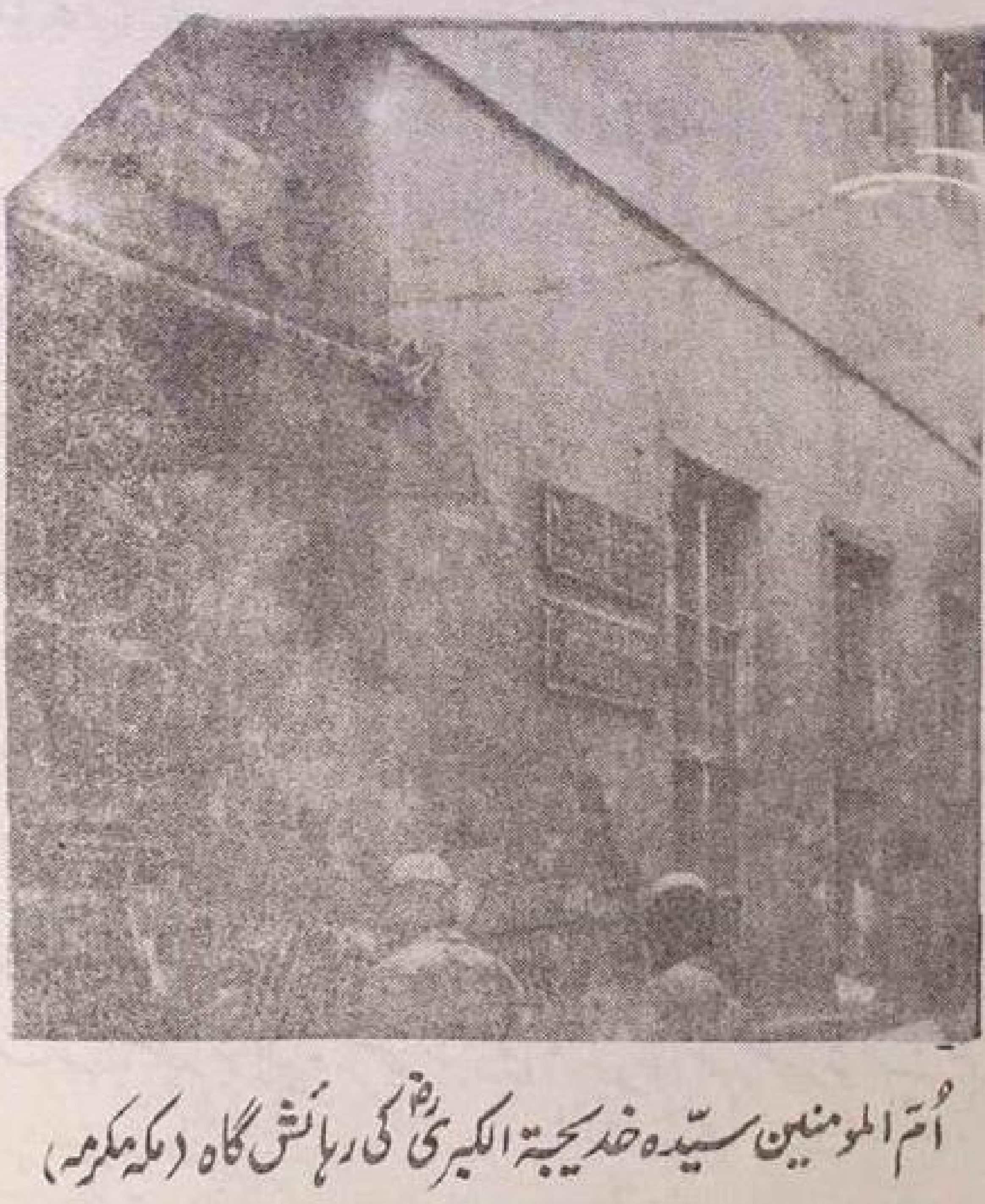
ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ وہ خاتون تھیں جو آقائے دوجہاں، سرورِ دو عالمؐ کے عقد میں سب سے آخر میں آئیں اور اُن کے بعد حضور کی ازواجِ مطہرات میں کوئی اور خاتون شامل نہیں ہوئی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث سے روایت کی ہوئی ۷۶۔ احادیث موجود ہیں۔

حضور اکرمؐ صاحب التاجِ و المعراج والبراق کی ازواجِ مطہراتؓ کا تذکرہ ان صفحات میں شامل کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ مرد حضرات پڑھیں تو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے حقوق زوجین خوفِ خدا کے ساتھ ادا کریں۔ ناانصافی روا رکھی گئی یا جائز حقوق تلف ہوئے تو روزِ حشر ایسی اس کوتاہی اور زیادتی کی جوابدہی مشکل ہو جائے گی۔ وہاں کسی کا عمل کسی دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ اور جہاں زیادتیاں اور ناانصافیاں ہوں اُن گھرانوں سے دل و دماغ کا سکون، رزق و روزی کی فراوانی اور روپے پیسے کی آسودگی بلکہ خیر و برکت مفقود ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو خواتین بہنیں بیٹیاں، مائیں ازواجِ مطہراتؓ کے ان واقعات کو پڑھیں، وہ امت کی اِن عظیم اور لائق احترام ماؤں کے جذبہ صبر و قناعت صلہ رحمی ضرورت مندوں کی دست گیری اور دنیا کے سب سے مصروف ترین اور سب سے اعلیٰ شوہر کی رفاقت، وفاشعاری سے نبھانے کا سبق سیکھیں۔ اگر صرف سونا چاندی زر و جواہر بیش قیمت ملبوسات ہی زندگی کی حقیقی آسودگی اور قلب کے سُکون و راحت کی کلید ہوتے، وسیلہ اوّل و آخر ہوتے، تو دونوں جہان کے آقا سید الانبیا، حضور، اِن ازواجِ مطہرات کے حجروں کو سیم و زر اور لعل و گہر سے بھر دیتے۔ لیکن اِن عظیم ماؤں نے تو فقر و فاقہ میں راحت و مسرت کے خزانے سمیٹ لئے۔ اِن واقعات میں فرد اور معاشرے، دونوں کے لئے روشنی ہی روشنی ہے۔ اور ان کی قبروں کے لئے ٹھنڈک ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْبَقِيْعِ يَا اَهْلَ الْجَنَابِ الرَّفِيْعِ اَنْتُمُ السَّابِقُوْنَ وَنَحْنُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ۝

"سلام ہو تم پر اے اہل البقیع، اے عالی بارگاہ والو! تم، ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے والے ہیں۔"



اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی کی رہائش گاہ (مکہ مکرمہ)

مدینے میں پہلے جمعہ کے سو نمازی

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی "قصوا" پر سوار ہوئے۔ لوگ دائیں جانب اور بائیں جانب آپ کے ہمراہ تھے۔ انصار نے آپ کو اس طرح روکا۔ کہ آپؐ اُن کے کسی گھر پہ نہ گزرتے تھے جو یہ نہ کہتے ہوں کہ یا رسول اللہ! یہاں قوت و ثروت و حفاظت کے سامان ہیں۔ تشریف لائیے۔ آپ اُن سے کلمۂ خیر فرماتے تھے۔ اُن کے لئے دُعا کرتے تھے (جواب میں مخاطب) فرماتے تھے کہ اِس اونٹنی کو منجانب اللہ یہ حکم دے دیا گیا ہے۔

سب نے (حضور رحمتِ عالمؐ) کی اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب آپؐ مسجد بنی سالم میں آئے تو مسلمانوں کو جو آپ کے ہمراہ تھے نماز جمعہ پڑھائی اور وہ سو تھے (طبقاتِ کبیر)

عہدِ نبویؐ کی مساجد

مدینہ منورّہ کو بجا طور پر مساجد کا شہر کہا گیا۔ قبا، قبلتین، مسجدِ شمس، مسجد ذباب، مقام احزاب، کی مساجد کا ذکر اپنے اپنے مقام پر ان اوراق میں آیا ہے۔ یہ ہدایت حضور رسالت مآبؐ نے خود فرمائی کہ شہر کے ہر محلّے اور آبادی میں مساجد قائم کی جائیں۔ ابھی اسلامی ریاست عشرۂ اوّل سے گزر رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ منورّہ میں مسجدِ نبویؐ کے علاوہ یہ مسجدیں تیار ہو گئیں اور ان میں پانچوں وقت کی نماز ادا ہونے لگی مسجد بنو عمرو مسجد بنو ساعدہ۔ مسجد بنو عبیدہ۔ مسجد بنو زریق۔ مسجد بنو اسلم۔ مسجد بنو جہینہ۔ مسجد بنو بیاضہ۔ اور مسجد بنو غفار

کانت عائشہ تفتی فی عہد عمر و عثمان بعدہ
یرسلان الیہا فیسلانہا عن السنن

صدیقہ طاہرہؓ کی علمی فضیلت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم و فضل کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی ہیں۔

خواتین اسلام کے لئے اس میں بڑی ترغیب اور روشنی ہے کہ اس پیکر ایثار و فا، گہوارۂ ایمانی استقامت کی حیات اقدس اور سیرت مبارکہ سے خوشہ چینی کر کے اپنی زندگیوں کو روشن اور سدا بہار بنائیں۔ بلاشبہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے والد بزرگوار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے۔ ان کی والدہ زینب ام رومان تھیں رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہایت معتمد اور رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ دین حق کیلئے اپنی بے لوث خدمات، جاں نثاری اور صداقت و ثابت قدمی کی وجہ سے پوری اسلامی تاریخ میں قابل فخر مقام رکھتے ہیں۔ ان کا اصل نام نامی، عبداللہ، لقب صدیق اکبرؓ، عتیق اور کنیت ابوبکرؓ ہے اور سلسلہ نسب عبداللہ بن ابی قحافہ سے ابن عثمان ابی عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تمیم، بن مرۃ تک جا کر ساتویں پشت میں پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اور ماں کی طرف سے عائشہؓ بنت ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ، بن سبیع، بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے گویا اس لحاظ سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ باپ کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور والدہ کی طرف سے کنانیہ ہیں۔

مصنفین کتب رجال نے آپ کا لقب حمیرا لکھا ہے اور لغات الحدیث مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ "حمرا" اس کی تصریح ملتی ہے البتہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت الصدیق کو ام عبداللہ کنیت سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

مخاطب فرمایا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رض کی اولاد نہ تھی اس لئے کنیت بھی نہ تھی جبکہ عرب میں کنیت کو نمایاں اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ رض نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسرت آمیز لہجہ میں عرض کیا آپ کی ادر ازواج نے تو اپنی سابق اولاد کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے۔ میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر"

چنانچہ اسی دن سے اُمِ عبداللہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی کنیت قرار پائی واضح رہے آپ کے بھانجے عبداللہ آپ کی بہن حضرت اسماء رض کے صاحبزادے تھے جو عوام و خواص میں اپنے والد کی نسبت سے عبداللہ بن زبیر رض کے نام سے مشہور ہیں۔ بلکہ تاریخ اسلام میں ان کے کردار کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رض قریش مکہ میں ایک ممتاز اور صاحب ثروت شخصیت ہونے کے علاوہ کامیاب تاجر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں چار نکاح کئے۔ قتیلہ، ام رومان، اسماء بنت عمیس، اور حبیبہ بن خارجہ انصاری۔ حضرت ام رومان رض عبداللہ ازدی کے انتقال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رض کے نکاح میں آئیں۔ ان سے حضرت ابوبکر صدیق کی دو (۲) اولادیں ہوئیں۔ عبدالرحمٰن اور عائشہ رض، پہلی بیوی سے اسماء اور عبداللہ، تیسری بیوی سے محمد بن ابی بکر اور چوتھی بیوی سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضرت ام رومان رض کی وفات کے بارے میں متعدد مورخین نے ۵ھ یا ۶ھ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن امام بخاری نے تاریخ صغیر میں صراحت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے زمانہ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے بیان کی تائید میں تحقیقی رائے لکھی ہے۔

کاشانۂ صدیقی کی یہ سعادت کسی بحث و تشریح کی محتاج نہیں کہ ام القریٰ مکہ معظمہ کے محلہ مسفلہ کا یہ وہ خوش نصیب گھرانہ تھا کہ آمدِ اسلام کے آغاز میں ہی دین حق کے

ایقان اور پیغام توحید کی خوشبو سے مہک اٹھا تھا اور خود سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے جب اس جہان رنگ و بو میں آنکھ کھولی تو اپنے گھر کو آفتاب اسلام کی نورانی شعاعوں سے منوّر دیکھا۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنا قول ہے کہ "جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔"

اپنے نامور والد بزرگوار کی خوشحالی اور امارت کے باعث حضرت عائشہؓ نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی اور کم سنی سے ہی حسن صورت اور حسن سیرت کا نمونہ تھیں۔ اگر ان کی شخصیت و سیرت کا مطالعہ صحیح العقیدہ سوانح نگاروں اور مستند راویوں اور ثقہ تاریخی حوالوں سے کیا جائے۔ تو قلب آسودہ، آنکھیں روشن اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور صاف پتہ چلتا ہے کہ صدیقہ کائنات ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچپن گلاب دریاسمین کی طرح خوبصورت، عہد شباب چاندنی کی طرح بے داغ اور وقت ضعیفی ارباب صدق و صفا کی طرح پاکیزگی اور تقویٰ کا شفاف آئینہ تھا۔

مکہ معظمہ میں جب حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ۶۵ برس کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی انتہائی مخلص اور غم گسار رفیقہ کی مفارقت نے مغموم کیا تو آنحضرتؐ کے ایک جاں نثار صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون (المتوفی ۲ ہجری) کی اہلیہ خولہؓ بنت حکیم حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ دوسرا نکاح فرمالیں۔ حضور اکرمؐ نے دریافت کیا، کس سے۔ خولہؓ نے کہا سودہ بنت زمعہ تو بیوہ ہیں اور دوسری ابوبکرؓ کی عائشہؓ ہے۔ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے حضرت خولہؓ بنت حکیم نے خانوادہ صدیقی سے سلسلہ جنبانی کی، کیونکہ حضرت عائشہؓ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں لیکن جبیر کا خاندان پہلے ہی اسلام کے پیغام کی روز افزوں مقبولیت سے پریشان تھا اور اب یہ فکر

راضی ہو گئی تھی کہ ابوبکر صدیقؓ بن قحافہ کی لختِ جگر عائشہؓ ان کے پورے خاندان میں توحید و رسالت کا اسلامی عقیدہ پھیلا دے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اخلاقاً جبیر بن مطعم کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کی اور یہ نسبت ختم ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدہ امِ رومانؓ اور والد حضرت ابوبکرؓ نے بہ دل وجان اپنی بیٹی کو حضور اکرمؐ کے عقد میں دینا منظور کر لیا۔ کاروانِ اسلام نے جب رضائے الٰہی کے مطابق مکہ سے مدینے ہجرت کی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن اسماءؓ بنت ابی بکرؓ انتہائی دشوار اور دشمنوں کے خطرات میں گھرے ہوئے راستوں سے گذر کر غارِ ثور میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیقِ کار سیدنا صدیق اکبرؓ کو کھانا اور پانی پہنچانے جاتی تھیں۔ اور دشمن کی نقل وحرکت سے بھی باخبر رکھتی تھیں۔
جب مہاجرین بخیر و عافیت مدینہ منوّرہ پہنچ گئے اور کچھ عرصہ بعد ازواجِ مطہرات مسجد نبویؐ سے ملحق اپنے حجروں میں رہنے لگیں تو حضرت عائشہؓ نے بھی حضور اکرمؐ کی رفاقت میں صبر و قناعت سے زندگی گذارنے کا فیضِ تربیت حاصل کر لیا۔ حضور اکرمؐ تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ یکساں اور منصفانہ سلوک روا رکھتے تھے۔ اور سیّدہ عائشہؓ صدیقہ بھی ایمانی تبلیغ و تدریج فہمِ مسائل، اجتہادِ فکر اور احکامات ومسائل کی یادداشت میں اپنی خداداد ذہانت کے باعث ممتاز تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ "الٰہی جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس میں عدل سے باز نہیں آتا۔ لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے۔ (یعنی عائشہ کی قدر و قیمت،) اس کو معاف فرمانا۔" (بحوالہ ابوداؤد، بابُ القسم بین الزوجات)

زرقانی وغیرہ کتبِ سیر کے حوالے سے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگوں میں یہ خیال پایا گیا کہ شاید حضرت عائشہؓ کی شخصیت میں کشش

کا ایک سبب ان کا حُسن وجمال بھی تھا حالانکہ یہ سوچنا قطعاً غلط ہے۔ ازواج مطہرات میں حضرت زینب رضؓ، حضرت جویریہ رضؓ، اور حضرت صفیہ رضؓ بھی نہایت حسین وجمیل تھیں۔

اس کا حقیقی سبب خود حضرت عائشہ رضؓ کی آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے والہانہ محبت اور ام المومنین عائشہ رضؓ کا باطنی فضل وکمال تھا دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے بعد تفہیم مسائل دین میں دوسرا درجہ حضرت ام سلمہ رضؓ کا ہے۔ جبکہ وہ عمر رسیدہ تھیں اسی طرح سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے لئے حضور اکرمؐ کے دل میں بے حد قدر ومنزلت تھی۔ اور ۶۵ برس کی ہو کر انہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے بعد بھی ان کا ذکر اتنی محبت اور التفات سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی ان پر رشک آتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عہد رسالت اور اس کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں جو عظیم الشان دینی علمی اور فکری خدمات انجام دیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ سیدہ عائشہ رضؓ نے حضورؐ کی رفیقہ حیات ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اسلام کا پیغام فلاحِ انسانیت عام کرنے میں تاریخ ساز کردار انجام دیا۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء ارباب علم ودانش دُور ونزدیک سے آکر ان سے مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں ان کی اخلاقی جرأت کا عالم یہ تھا کہ علامہ جلال الدین سیوطی کی روایت کے مطابق انہوں نے امیر وقت کو ۵۶ھ میں مدینہ منورہ میں منبر نبویؐ پر ایک خاص سیاسی تجزیہ کی تائید وحمایت میں تقریر کرتے ہوئے اپنے حجرے سے بلند آواز سے روک دیا تھا۔ یہ حضور رسالت مآبؐ کے عہد رفاقت کا فیض اور اعجاز تھا۔

حضور اکرمؐ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی ان خوبیوں اور فضیلتوں کا بخوبی علم تھا چنانچہ صحاح میں مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"مردوں میں تو بہت کامل گذرے لیکن مریم بنت

عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا عورتوں میں

کوئی کامل نہ ہوئی۔ اور عائشہ رض کو عورتوں پر اسی طرح

فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر"

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو تمام تر حضرت عائشہ رض کے تربیت یافتہ تھے دریافت کیا کہ کیا ام المومنین عائشہ رض فرائض کا فن جانتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ رض کو ان سے

فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے"

امام زہری کا قول ہے۔

"اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین رض کا علم ایک

جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رض کا علم ان سب سے

وسیع ہوتا"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیگر امہات المومنین دینی شغف میں کسی سے پیچھے تھیں یا توجہ میں کمی تھی بلکہ ابن سعد نے اس ضمن میں محمود بن ولید کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ۔

"ازواج مطہرات بہت سی حدیثیں زبانی یاد رکھتی

تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رض اور حضرت ام سلمہ رض

کے برابر نہیں"

مستدرک حاکم میں عروہ بن زبیر رض کا یہ قول ہے کہ "میں نے حلال و حرام، علم و شاعری اور طب میں ام المومنین عائشہ رض سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رض صدیقہ قریباً ۴۸ سال تک

بقید حیات رہیں۔ لیکن اپنی ذات خاص، شان و شوکت، راحت و آسائش کی خاطر آقائے دو جہاں ؐ کی نہایت مقرب اہلیہ ہونے کے واسطے سے سرکاری یا مالی امداد و مراعات حاصل کرنے کا گمان تک نہیں کیا۔ امیر و کبیر والد کی چہیتی بیٹی ہونے کے باوجود دوسری اُمہات المومنین کی طرح اپنے عظیم اور نامور شوہر کا عہد رفاقت دنیاوی عُسرت و فلاکت میں گذار دیا۔ صرف ایک جوڑا کپڑوں کا ایک وقت میں میسر ہوتا اُسے دھو دھو کر پہنتی رہتیں۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ؐ سے ان کا حجرہ اُس وقت ملحق تھا اور اب اندر واقع ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو باریک لباس مرغوب نہیں تھا۔ موٹے کپڑے کا لباس زیب تن کرتیں۔ البتہ جوڑے کو کبھی ارغوانی اور کبھی دوسرے رنگ میں رنگ لیتیں۔ ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ باریک ڈوپٹہ پہن کر آئیں تو حیا اور پردے کا مقصد اس سے پورا نہیں ہو رہا تھا۔ دیکھ کر بہت خفا ہوئیں موٹے کپڑے کا ڈوپٹہ لاکر سر پہ ڈال دیا اور سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یاد دلائی کہ عورتیں زینت حسن و زیبائش سے باز رہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند روز قبل کا واقعہ ہے کہ انہوں نے طبیعت ناساز ہونے کے بعد دوسری ازواج مطہرات سے حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں قیام کرنے کی رضامندی حاصل کر لی تھی۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو آنحضرت ؐ نے اپنی جگہ مسلمانوں کو نماز کی امامت کرنے کی ہدایت فرمائی حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں ہی آپ کا وصال ہوا۔ اور مدینہ طیبہ میں اسی مقام پہ تدفین عمل میں آئی۔

یہ سعادت و منزلت حضرت عائشہ رضؓ کے حصّہ میں صرف اسی وجہ سے آئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب پیغمبر کے لئے یہی پسند تھا۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

جبرائیلؑ تجھے السلام علیکم کہتا ہے،،۔۔۔ میں نے جواب میں کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ۔۔۔ اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ جو چیز مجھے مستور ہے وہ اس کی نگاہ میں ہے

عمارؓ ابن یاسر کوفے کی مسجد کے منبر پہ خطاب کر رہے تھے کہ ایک موقع پر انہوں نے کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ ہیں،،

علم دین، فضائل و مناقب اور تفقہ میں اپنی لاجواب شخصیت کی بدولت انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی نہایت نازک ادوار اور مشکل مرحلوں میں اسلام کے فروغ اور بالادستی کے لئے کوششیں جاری رکھیں۔ اگر مسلمانوں کے مفاد عامہ کے خلاف کوئی سازش منافق یا مشرک کرتے تو وہ حق بات کہتیں اور حق کو منوانے پر کمربستہ ہو جاتیں۔ سیدنا عثمانؓ بن عفان، امیر المومنین عمر فاروقؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ ، کے سانحہ شہادت کی خبر سُن کر وہ اتنی غمگین اور سوگوار ہوئیں کہ شدّت الم سے نڈھال ہو گئیں۔

اپنے اکابر اسلاف اور متقدمین میں جس طرح ہم مردانِ باصفا پر فخر کر سکتے ہیں اسی طرح خواتین کے فضل و فراست پر جناب موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ "حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح البیان میں نے کسی کو نہیں دیکھا" (زرقانی بر مواہب بحوالہ طبرانی)

احنف بن قیس کے حوالے سے مستدرک حاکم میں یہ قول "کسی مخلوق کے منہ کی بات حسن بیان اور متانت میں حضرت عائشہؓ کے منہ کی بات سے عمدہ اور بہترین نہیں سُنی۔ وہ بلند آواز تھیں ان کی آواز اکثر لوگوں پہ غالب آجاتی تھی گویا کہ وہ ایک پُر جلال خاتون کی آواز تھی۔ (بحوالہ طبری)

حضرت عائشہ نے فرمایا: ایک موقع پر (حضور اکرمؐ) کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ: "حسان جب تک تم اللہ اور رسولؐ کی مدافعت کرتے رہو روح القدس کی امداد تمہارے ساتھ رہے۔"

صحیح مسلم مناقب حسان کے حوالے سے یہ ذکر کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ مزید رقمطراز ہیں: حضرت عائشہ رضؓ کے اس ذوق شاعری اور سخن فہمی کو دیکھ کر شعراء ان کو اپنا کلام سناتے تھے چنانچہ حضرت حسانؓ بن ثابت جو انصار میں مسلّم الثبوت استاد تھے وہ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سُناتے تھے حضرت عائشہؓ ان کی تعریف کرتی تھیں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حوالے سے دربار نبوّت کے جن دوسرے شعراء کے نام سامنے آتے ہیں ان میں حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہ رضؓ بن رواحہ کے نام بھی شامل ہیں۔ محققین نے واقعات کو یکجا کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ اسلام کے مخالف شعراء جو ہرزہ سرائی کرتے تھے اس کے منظوم مدلّل اور لاثانی جوابات ہم تک سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کی خداداد یادداشت اور قوّت حافظہ کی بدولت ہی پہنچے ہیں۔ مسائل و معاملات کو جزئیات کے ساتھ یاد رکھنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو کعب رضؓ بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا۔ اسی طرح حضرت سعدؓ بن معاذ غزوہ خندق میں جو رجز پڑھتے تھے وہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کو ازبر تھے۔ دین حق کی حمایت سرکار دوجہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح و ستائش، اور توحید و رسالت کے پیغام سے عناد رکھنے والوں کی یاوہ گوئی کے جواب اگر غزل کے طور پر اگر کچھ باصلاحیت ماہرین زبان و بیان مسلمان شعراء اپنی برجستہ گوئی کا مظاہرہ

نہ کرتے تو یقیناً آج ہماری کتب تاریخ وسیر میں اس کا ذکر بھی نہ ملتا۔

کوئی ایک شعبہ یا موقع ایسا نہیں۔ کہ سیدہ طاہرہ کی حیات مبارک میں آیا ہو۔ اور انہوں نے اصابت رائے یا جرأت اظہار میں تامل روا رکھا ہو۔ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کی شہادت کے المیہ پر ہم ان کے جذبہ اضطراب اور حزن وملال کا ذکر کر آئے ہیں۔ جب اس سے قبل سیدنا عثمان غنیؓ اس درد انگیز سانحے سے گزرے اور شہر نبویؐ پر امتحان کا وقت آیا تو ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے مصلحت کوشی کے بغیر صاف طور پر کہا ——

"اگر میری قوم کے سردار میرا کہا مانتے تو
میں ان کو اس فریب اور بربادی سے نکال لاتی"

دعوت دین، تشریح مسائل، فقہ، حدیث، تصحیح روایات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ مدینہ منورّہ ۳۲ برس تک رسالت، خلافت اور اسلامی سیاست کا مرکز رہ چکا تھا۔ جب یہ مرکزیت کوفہ اور دمشق کو منتقل ہونے لگی تو ایک مرکز پھر بھی اپنی جگہ قائم رہا مدینہ منورّہ میں تبلیغ وارشاد کا مرکز۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ کے دینی مدارس بدستور موجود تھے لیکن مسجد نبویؐ کے گوشے میں حجرہ نبوی کے قریب زوجہ رسولؐ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی درس گاہ کو مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی۔ سبحان اللہ۔

حضرت عائشہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ ان سے حدیثیں پوچھوا بھیجتے تھے۔

حضور نبی پاکؐ کی صاحبزادیاں

اب اس تذکرۂ محبت آفریں میں آپ دونوں جہاں کے آقا، مصطفےٰؐ جانِ رحمت کی ہونہار اور لاڈلی صاحبزادیوں کا احوال پڑھیں گے۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، اور حضرت اُم کلثومؓ، یہ چاروں معزز ومحترم بہنیں۔ (عموی روایات کے مطابق) اسی ترتیب سے حضور رحمۃ للعالمین کے ہاں اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ چاروں اپنے والدین کی لاڈلی اور پیاری بیٹیاں۔ جن کے والد فخر موجودات، بنائے تخلیق کائنات اور امام الانبیاءؑ، صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی والدہ اپنے عہد کی ہی نہیں پوری تاریخ اسلام کی محترم و برگزیدہ ہستی، تو ان کے نجیب الطرفین ہونے میں مزید کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔

علامہ ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں حضور اکرمؐ کی صاحبزادیوں کی یہ ترتیب بیان کی ہے:-

وکان لہ علیہ السلام
من البنات زینب اکبرھن
وتالیھا رقیۃ وتالیھا
فاطمۃ وتالیھا اُم کلثوم

یعنی آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت

زینبؓ تھیں ان کے بعد حضرت رقیہؓ ان کے بعد
حضرت فاطمہؓ ان کے بعد حضرت اُم کلثومؓ۔

قدرے اختلاف روایات کے باوجود یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ حضور اکرمؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ابن حبیب اپنی کتاب المحبر میں لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔

سیدہ زینبؓ بنت محمدؐ

مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ وہیں اپنے خالہ زاد ابوالعاص بن ربیع بقیط سے شادی ہوئی۔ اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے جذبۂ حقانیت کی طرح یہ بھی ایمان لے آئی تھیں۔ ابوالعاص ابھی اپنے ماحول کے زیر اثر تھے۔ لیکن جب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء سمیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور چند دنوں بعد ام المومنین حضرت سودہ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، اور بنات النبیؐ حضرت رقیہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کے علاوہ حضرت زینبؓ نے بھی مدینۃ الرسولؐ ہجرت کی تو ابوالعاص نے نہ کوئی مزاحمت کی نہ کوئی تعرض کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہجرت نبویؐ کے وقت حضرت زینب طائف میں تھیں۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہوئے تو انہیں رہا کرانے کے لئے فدیہ کے طور پر حضرت زینبؓ نے اپنا وہ ہار بھیجا جو اُم زینبؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر عطا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے حضور اکرمؐ نے اُس ہار کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور حضرت خدیجہؓ کو یاد کر کے چند لمحات کے لئے دلگیر بھی ہو گئے بہرحال ابوالعاص نے اس واقعہ کے بعد حضرت زینبؓ کو حضور اکرمؐ کی خواہش

کے مطابق مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ اور سفر کی سہولت کے لئے اپنے بھائی کنانہ کو ان کے ہمراہ کر دیا۔

ابھی یہ لوگ مکہ سے کچھ دور گئے تھے کہ قریش کے چند افراد نے جو تعاقب میں آرہے تھے مقام ذی طوی پر حضرت زینبؓ پر نیزہ سے وار کر کے نیچے گرا دیا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور جان پر بن گئی۔ کنانہ حضرت زینب کو مکہ واپس لے آئے اور چند روز بعد دشمنوں کی نظر سے چھپ کر رات کی تاریکی میں دوبارہ مدینے روانہ ہوئے۔

زرقانی کی روایت ہے کہ اس موقع پر حضور نبی کریمؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔ کنانہ حضرت زینبؓ کو ان کے حوالے کر کے مکے واپس چلے گئے۔ اور وہ زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مدینے آگئیں۔ جناب ابو العاص نے انہی دنوں میں اسلام قبول کیا۔ اور مدینہ طیبہ کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ یہاں حضرت زینبؓ سے ان کا دوبارہ نکاح ہوا۔

دو بچوں کی ولادت ہوئی لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام امامہ رکھا۔ یہ وہی امامہؓ بنت ابو العاصؓ تھیں جو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کے عقد میں آئیں ان کے بطن سے محمد الاوسطؒ پیدا ہوئے۔ امامہؓ کی پرورش ان کے والد کی وفات کے بعد حضرت زبیرؓ نے کی تھی۔ حضرت علیؓ المرتضیٰ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح مغیرہ بن نوفل سے ہوا۔ حضور اکرمؐ حضرت زینبؓ کو اسلام کے لئے قربانیاں دینے اور شدید مصائب برداشت کرنے پر نگاہ قدر و منزلت سے دیکھا کرتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ دین حق قبول کرنے میں انہوں نے ذرہ بھر تامل سے کام نہیں لیا۔ اپنی ازدواجی زندگی اور دور و نزدیک کی رشتہ داریوں کی ناموافقت اور عرب کے اسلام دشمن معاشرے کی سخت گیری

کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ اور بادِ مخالف کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شروع سے آخر تک اپنے والد بزرگ کے لائے ہوئے پیغامِ حق کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ بڑی بہن ہونے کے سبب اُن کا یہ بلند اور باحوصلہ کردار اپنی چھوٹی بہنوں کے لئے ایک روشن مثال بنا رہا۔

شہ ہجری میں مدینہ منوّرہ میں حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت اُم ایمنؓ اور اُم عطیہؓ نے غسل دیا رسول پاکؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

سیّدہ رقیّہؓ بنت محمدؐ

حضورِ انور، رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی رقیّہؓ صورت وسیرت اور اخلاقِ عالیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اور اسی طرح ہر گھر کی خواتین سیّدنا عثمانؓ بن عفان اور سیّدہ رقیّہؓ کی ازدواجی زندگی کی مثال دیتی تھیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق و محب اور عظیم المرتبت صحابی حضرت عثمان غنیؓ مکّہ کے نہ صرف متموّل اور معزز شخصیت تھے بلکہ وسیع تجارت کے سبب نہایت آسودہ حال تھے اس پر مستزاد ان کے ذاتی اوصاف قابلِ ذکر اور لائقِ تحسین، جناب رقیّہ کم سن ہونے کے باوجود نہایت ذہین، وفاشعار اور خوش طبع تھیں۔ کیونکہ آنحضرت کی صاحبزادیاں بعثت نبویؐ کے فوراً بعد ہی اپنی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے فیضِ تربیت کی بدولت مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ اور اس بات کا انہیں نہ کوئی غم تھا نہ احساسِ فکرمندی کہ جب آنحضرتؐ نے کوہِ صفا پر قریشِ مکّہ کو جمع کر کے تبلیغِ اسلام کی دعوتِ عام دی تو غیر تو غیر اپنے عزیز و اقارب بھی اس گھرانے کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔

مخالفین اسلام قریش سردار اور ان کے ہم نوا، دراصل اللہ وحدہٗ لاشریک اور حضرت محمدؐ ابن عبداللہ کی رسالت پر ایمان لانے کو اپنے آبائی مذہب، پتھر کے بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی توہین سمجھتے تھے حتیٰ کہ دین حق کی مخالفت کے جذبے سے وہ اتنے مغلوب ہو گئے تھے کہ سب رشتے رابطے بالائے طاق رکھ کر مقاطعہ پر اُتر آئے تھے۔

جب رجب ۵ھ نبویؐ میں ہجرت حبشہ کا حکم ہوا تو پہلے مہاجر سیدنا عثمان غنیؓ تھے اور ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔ حبشہ میں ہی حضرت رقیہ کے ہاں ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی۔ عبداللہ نام رکھا۔ اسی لئے ان کی کنیت ابو عبداللہ مشہور ہوئی۔ مورخین کے مطابق بعثت نبویؐ کے گیارہویں سال میں جب حضرت رقیہ کی عمر ۱۸ برس تھی۔ یہ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ اگلے سال مکے واپسی ہوئی تو ہجرت مدینہ کا مرحلہ آ پہنچا۔ شروع میں حضرت عثمان غنیؓ قافلہ ہجرت میں مدینے تشریف لائے اور بعد میں دوسری مسلمان خواتین کے ہمراہ حضرت رقیہؓ مدینہ منورہ آئیں ان کی ازدواجی زندگی قابل رشک تھی۔ دور و نزدیک ہر گھر ہر خاندان میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ :-

ازدواجی جوڑوں میں کوئی جوڑا دیکھنا ہو تو بس عثمانؓ
اور رقیہؓ کا جوڑا دیکھو ــــــ"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بحیثیت باپ یہ بڑی راحت کی بات تھی کہ گیارہ سالہ ازدواجی زندگی میں ان میاں بیوی کے درمیان ایک بھی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اور دوؐ ہجرتوں سے سعادت یاب ہوئے۔ ابن شہاب زہری کے سوا دوسرے مورخین اور اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن عثمان جو حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھے انہوں نے جمادی الاول ۳ھ ہجری میں

وفات پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عثمانؓ کے اس کمسن فرزند) کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں لحد بنائی گئی تھی، اس میں اپنے فرزند کی میت خود حضرت عثمان غنیؓ نے اتر کر رکھی۔

غزوہ بدر، رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں پیش آیا۔ تو مسلمانوں کا مختصر لیکن عزیمت ایمانی سے آراستہ یہ لشکر مدینے سے روانہ ہونے والا تھا کہ حضرت رقیہؓ خسرہ کے مرض میں مبتلا ہو گئیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کو سیدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے چھوڑ گئے۔ اور فرمایا تمہیں اس شخص کے برابر ثواب اور حصہ ملے گا جو بدر میں شریک ہوگا۔"

۱۷ رمضان المبارک کو بدر میں حق و باطل پوری قوت سے ٹکرائے نصرت الہیٰ مسلمان مجاہدین کو ملی۔ یہ خوشخبری لے کر حضرت زید بن حارثہؓ مدینہ منورہ پہنچے تو شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن اسی روز قضائے الہیٰ سے حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نہایت مغموم کیفیت میں جنت البقیع میں اپنی زوجہ رقیہؓ کی قبر پر مٹی ڈال رہے تھے۔

حضرت ام کلثومؓ بنت رسول اللہؐ

سیدہ ام کلثومؓ اپنی بہن حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضور نبی اکرمؐ رحمت مجسم کے جاں نثار صحابی اور عزیز و محب داماد سیدنا عثمانؓ بن عفان کے عقد میں آئیں مصدق نبوت اور ایمان لانے والی خواتین میں سب سے آگے یعنی سید النساء خدیجۃ الکبریٰؓ کی پاک سیرت، پاکدامن بیٹی، جن کے والد عالی مقام دونوں جہانوں کے آقا، عالم انسانیت کے رہبر و رہنما اور ہمہ اعتبار نور و نکہت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تھے۔ توان عزو شرف کے قوسین کا یکے بعد دیگرے جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ میں جمع ہونا سراسر عطیہ خداوندی قرار دیا گیا۔ اور بلا شبہ یہ ایک بڑا تاریخی واقعہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو مخبر صادق اور اپنے مرسل وہادی صلعم کی ذات مجموعہ اوصاف و انوار بھی محبوب تھی۔ اور مشمولاتِ ذات اور وابستگان نبوّت صادقہ بھی، چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ربّانی ہوا۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ احزاب ۵۹)

اے نبی صلعم آپ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے فرما دیجئے ——)

گویا معبود حقیقی مسجود خلائق نے صاحب ایمان خواتین کو تین درجوں میں رکھ کر اپنے رسول آخریں صلعم کو مخاطب فرمایا۔ (اوّل) نبی پاک کی ازواج مطہرات (امہات المومنین) (دوم) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں (دختران رسول صلعم) اور (سوم) مومنین (صاحب ایمان لوگوں) کی عورتیں۔

ثابت ہوا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی مخاطبت نہ صرف مردوں کے لئے وقف تھی۔ نہ صرف خواتین کے لئے اور نہ محض کسی خاص عمر، خاص زمانے اور خاص نسل کے مسلمانوں کے لئے۔ بلکہ باری تعالیٰ اپنے مبعوث کئے ہوئے رسول آخریں صلعم کے ذریعہ ہدایت کا پیغام مسلمان مردوں اور خواتین سب کو یکساں طور پر پہنچاتے رہے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ کا شمار سید الکونین فخر دو عالم صلعم کے معتمد رفقاء، سابقون الاوّلون، عشرہ مبشرہ، اور ان اکابر صحابہ رضؓ میں ہوتا ہے۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں بڑی بڑی ذمہ داریاں سپرد کرتے رہے۔ اور ہمیشہ نہایت خوش اور پُر اعتماد رہے بلکہ ان حضرات شیخین کو فلاح دارین کی بشارت

بھی وقتاً فوقتاً ملتی رہی۔ حضرت عثمانؓ جنت کی بشارت پانے والے نہایت خوش قسمت اور مقرب صحابی رسولؐ ہیں

جب ہجرت مدینہ کے دوسرے ہی برس سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہؐ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تاریخ ساز فتح و نصرت کے بعد شدید علالت کے باعث انتقال فرما گئیں تو حضرت عثمان غنیؓ پر حزن و ملال کی کیفیت غالب رہنے لگی۔ دراصل ایک دوسرے کو صدق دل سے چاہنے والے خوشی اور غم میں یکجائی سے باہمی ربط و رفاقت کا حق ادا کرنے والے دل کی گہرائیوں میں جذبہ الفت جاگزیں رکھنے والے اور اسے ادائیگی حقوق میں راست بازی سے ثابت کرنے والے شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے لئے ایسی راحت و مسرت بن جاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت خاص بھی ہوتی ہے اور ایک کامیاب گھرانے اور عمدہ معاشرے کا تخلیقی عمل بھی۔ میاں بیوی اتفاق و محبت اور پاکیزہ سوچ کی ہم آہنگی سے محروم ہوں تو ہنستے بستے گھر اُجڑ جاتے ہیں اولاد کی تعلیم و تربیت غلط ڈگر پر چلی جاتی ہے۔ اس طرح خاندان اور معاشرے میں محض ابتری اور تباہی پھیلتی ہے۔ روایتی جاہ و حشم اور معقول وسائل دولت کے باوجود ایسے گھر اور ایسے خاندان کا منظر یہ ہوتا ہے کہ موسم بہار روٹھ گیا۔ سرسبز شاخیں سوکھ گئیں اور ساری رونق و خوشی خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اِدھر اُدھر بکھر کر رہ گئی تعلیمات اسلامی نے ایسے انحطاطِ معاشرہ کو روکنے کے لئے مسلمانوں کو زندگی کے معروضی حقائق اور مثبت اقدار سے ہمکنار کیا ہے۔ اور ہم سب اپنی نمازوں میں اسی صراط مستقیم پر چلنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ وادی اُم القریٰ کے بڑے تاجر تھے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی انہوں نے اس اعتماد اور دیانتداری سے کاروبار شروع کیا تو مورخین رقمطراز ہیں کہ مختصر سی مدت میں ان کا اندازِ تجارت مسلمانوں کی مثالی صداقت اور ایمانداری

کا ایک عملی تعارف اور نمونہ بن گیا۔ اس سے قبل پورے یثرب پر یہود و نصاریٰ کے سودی کاروبار کا قبضہ تھا۔ ساری معیشت یہودی ساہوکاروں کے استیصال کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ مٹھی بھر سرمایہ داروں نے وسائل دولت کو دونوں ہاتھوں سے اپنی تجوریوں میں سمیٹ رکھا تھا۔ مسلمانوں نے کم منافع پر زیادہ عمدہ مال تجارت فروخت کرنا شروع کیا۔ پورے وزن کی پابندی، صاف گوئی اور لین دین میں صحیح معاملت اختیار کی تو یہودی تاجر۔ اور سرمایہ داروں نے مدینے کے بازاروں سے اپنا کالا دھندا سمیٹنا شروع کر دیا۔ کم تولنے اور جھوٹ بولنے والی کئی اقوام اس سے قبل بھی نیست و نابود ہو چکی تھیں ——— قرآن کریم نے یہ شواہد بیان کئے ہیں۔

بہر حال اس دیانت اور صداقت کے باوجود ملک التجار عثمان غنیؓ کی خوشحالی قائم تھی اور گھر میں آسودگی موجود لیکن رفیقۂ حیات کی رحلت سے گھریلو زندگی کی راحت مفقود ہو گئی۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقرب صحابیؓ اور داماد کی اس محرومی کا علم ہوا تو آنحضرتؐ نے کمال جذبۂ انسیت سے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثومؓ سیدنا عثمانؓ کے عقد میں دیدیں۔ اور یوں عثمانؓ کامل الحیا والایمان، ہمیشہ کے لئے "ذوالنورین" بھی ہو گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حفصہؓ کے سابق شوہر بھی انہی دنوں انتقال کر گئے تھے۔ اور ان کی بیوگی اُن کے والد بزرگوار کے لئے شاق تھی۔ اُدھر وہ حضرت رقیہؓ کے انتقال پر اپنے ہم عصر سیدنا عثمانؓ کے غم میں شریک تھے۔ اللہ کے رسول آخرؐ نے اس موقع پر کیا خوب ارشاد فرمایا :-

اَلَا اَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰی مَنْ هُوَ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْهَا
وَاَدُلُّهَا عَلٰی مَنْ هُوَ خَیْرٌ لَّهَا مِنْ عُثْمَانَ

"عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر زوجہ ملے گی۔ اور حفصہؓ کو

عثمانؓ سے بہتر شوہر ملے گا۔"

چنانچہ آنے والے وقت نے اس ارشاد نبویؐ کی عملی تعبیر دیکھی کہ حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ امہات المومنینؓ میں شامل ہوئیں اور ام کلثومؓ بنت رسول اللہؐ عقدِ عثمانؓ میں آئیں۔ سبحان اللہ العظیم۔

ابن اثیر نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا:۔

"آپ نے فرمایا اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو
اُنہیں یکے بعد دیگرے عثمانؓ سے بیاہ دیتا۔"

(رواہ ابن عساکر)

حضرت ام کلثومؓ سے متعلق بعض دوسری روایات بھی اسی انداز کی دستیاب ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور رسالت پناہؐ کے نزدیک بحیثیت داماد سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ کا مقام اُنس و محبت کیا تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ کسی نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:۔

وہ ایک ایسے شخص تھے جنہیں ملاءِ اعلیٰ میں "ذوالنورین"
کہہ کر پکارا گیا۔ یہ اس لئے کہ وہ آنحضرتؐ کی دوؓ
بیٹیوں کے خاوند تھے۔"

ان سب امور میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت کاملہ کی گہری دلچسپی کا احوال جاننا ہو تو بعض احادیث کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

ابن ماجہ قزوینی اور حافظ ابوبکر اسماعیل وغیرہما نے روایت کیا۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ مسجد کے

دروازے کے قریب حضرت عثمانؓ سے ملے تو فرمایا اے
عثمانؓ یہ جبرئیلؑ ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں رقیہؓ کے حق مہر پر
ام کلثومؓ (دوسری بیٹی) کی شادی تم سے کر دوں۔"

ارباب تاریخ وسیر احادیث نبویؐ اور دیگر اکابر کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان اور بنتِ رسولؐ اللہ سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح آسمانوں پر خود رضائے الٰہی سے ہوا۔ اور اس خبر کے لئے رسول اللہ پہ وحی فرمائی گئی۔

ابن عساکر کہتے ہیں۔ نبی پاکؐ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا :۔
"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تیرا نکاح ام کلثومؓ سے کر دیا ہے۔ رقیہؓ کے مہر کے برابر مہر پہ اور اسی حسن معاشرت کی مثل پر ——— "

خود حضرت عثمانؓ فرماتے تھے :۔ اسلام قبول کرنے والے چار میں سے چوتھا میں ہوں۔ یعنی مردوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، ان کے بعد حضرت زیدؓ بن حارثہ اور پھر سیدنا عثمان غنیؓ کا مشرف بہ اسلام ہونا۔ (واضح رہے کہ اس قول میں خواتین کا ذکر شامل نہیں ہے۔)

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ بھی ازدواجی زندگی ہر اعتبار سے محبت اور راحتِ قلب کا نمونہ تھی۔ اور پچھلے نسبی رشتوں کو آگے چل کر باہمی الفت و اعتماد دینے اور میاں بیوی کے درمیان باہمی احترام اور ذہنی ہم آہنگی کی مثال قائم کرنے والی تھی۔ حضرت عثمانؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان کی نانی حضرت محمد رسول اللہؐ کی سگی پھوپھی تھیں۔ جن کا نام ام حکیم البیضاءؓ

بنت عبد المطلب تھا اور وہ آقائے دو جہاںؐ کے والد جناب عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا :-

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری
جان ہے اگر میری سوؐ بیٹیاں ہوتیں اور ایک کے بعد
ایک مرجاتی تو میں دوسری تیرے نکاح میں دیتا یہاں
تک سو میں سے ایک بھی باقی نہ رہ جاتی۔"

شرح (مشکوٰۃ)

سیدہ امّ کلثومؓ کے شوہر عثمانؓ دین حق کے جاں نثار، طبعاً فیاض، لکھے پڑھے ہونے کی وجہ سے کاتب وحی، قامت میانہ، چہرہ مائل بہ سرخی یعنی گلاب کی طرح کھلا ہوا، سینہ کشادہ، روشن آنکھیں، نہایت جمیل و شکیل اور پوری شخصیت ہی پُرکشش حُسن صورت و سیرت میں یہی احوال جناب امّ کلثوم بنت رسولؐ اللہ کا تھا۔ سیدہ ممدوحہ مستحقین کی مدد، مسلمانوں کی ملّی ضروریات اور غزوات نبویؐ کے موقع پر شوہر کی سخاوت اور فیاضی میں بہترین معاون بن جاتیں اطاعت اور وفا کیشی نے اس گھر میں چاہت اور اپنایت کی خوشبو بکھیر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ ظہورِ اسلام سے قبل بھی ہمہ قسم فواحش سے دور رہے۔ دامن بے داغ ہو تو شخصیت اسی طرح نکھرتی ہے پھر حضور اکرمؐ کا فیض محبت قلب کو صیقل کر گیا۔ شرم و حیا رگ و پے میں رچی بسی تھی۔

اپنی قوم میں شروع سے ہر دلعزیز تھے۔ کوئی کسی سے محبت کا اظہار کرتا تو اپنی محبت کی سچائی کیلئے اس معاشرے میں مشہور یہی مثال دیتا۔

"میں خدا کی قسم تم سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی محبت

قریش کو عثمانؓ کے ساتھ ہے۔"

اُحِبُّكَ وَالرَّحْمٰنِ حُبَّ قُرَيْشٍ عثمانَ

گویا عثمانؓ خداداد اوصاف حسنہ کے شخص تھے آقائے دو جہاں کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے زوجیت میں دے کر اللہ رحمٰن و رحیم نے بھی اپنے انعام و اکرام کی بارش کر دی اس نکتہ کی مزید صراحت اور سند کے طور پہ زرقانی کا یہ حوالہ درج کیا جاتا ہے:-

عَنْ اَبِی سعید الخذریؓ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِي وَلَا زَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِي اِلَّا وَحْيٌ جَاءَنِي بِهٖ جبرائیل عَنْ رَبِّي۔

یعنی حضرت ابی سعید حذری رضی اللہ عنہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ " میں نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے یا اپنی کسی بیٹی کا رشتہ کیا ہے وہ سب اللہ کے حکم سے کئے ہیں۔"

گویا یہ وہ معاملات اسرار و معانی ہیں کہ ذات باری تعالیٰ خود وکیل، شاھد اور حکم مطلق ہے۔ میاں بیوی میں باہمی قدر و منزلت تو اس کا صرف ایک روشن معاشرتی پہلو ہے۔

حضور اکرمؐ کے وصال سے تقریباً دو سال قبل شعبان ۹ھ ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی اہلیہ اُم کلثوم کا بھی انتقال ہو گیا اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

ہمارے پروردگار ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ

سیدہ فاطمۃ الزہرا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فخرِ موجودات، ہادیٔ کونین، نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی صاحبزادی، سیدہ فاطمہؓ کا نام نامی خواتین اسلام میں ایک مرتبۂ خاص کا حامل ہے۔ اپنے والدِ مشفق و مہربان کی محبت میں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ سیرت نگاروں نے جتنا اِس باب میں لکھا، سچ تو یہ ہے کہ کم لکھا، اور جتنے واقعات باپ اور بیٹی کی اشد محبت سے متعلق بیان کئے، وہ یقیناً سب کے سب نہ بیان کئے جاسکے ہوں گے، مگر اس حقیقت کے سوا کہ تاریخ وِ سیر کی کُتب میں دستیاب حقائق سے ہمیں اِس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری باقی نہ رہی۔

مدارج النبوۃ میں مرقوم ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بیٹی فاطمہؓ کو اپنے یہاں آتے ہوئے دیکھتے تو آپؐ فرطِ اُلفت سے) کھڑے ہوجاتے، اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے، جبینِ مُبارک پر بوسہ دیتے اور جہاں خود تشریف فرما ہوتے، وہیں اُنھیں بٹھاتے۔ اِسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو بیٹی باپؐ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہوجاتیں، اور شفیق باپ کا دستِ مُبارک پکڑ کر اپنی جگہ بٹھاتیں۔

بیٹی کو مسرور دیکھ کر بے پایاں مسرت سے آپؐ کا چہرہ انور کھل اُٹھتا، سنجیدہ اور فکرمند پاتے تو خود بھی کبیدہ خاطر بلکہ مضطرب ہوجاتے۔ کیونکہ والدِ محترم کی بے پناہ شفقت کو یہ گوارا ہی نہ تھا کہ چہیتی بیٹی فاطمہؓ کو ہنستے مسکراتے اور مطمئن و مسرور نہ دیکھیں۔

امام ابنِ جوزی کی روایت کے مطابق بعثتِ نبویؐ سے پانچ برس قبل مکۂ مکرمہ میں اپنی عالی مرتبت والدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ مسلمانوں پر جو دَورِ ابتلاء وادی اُمّ القریٰ میں ظہورِ اسلام کے بعد گزرا، اُسے اپنے بچپن اور آغازِ شباب میں بچشمِ خود دیکھ چکی تھیں اپنے خاندان اور دیگر اہلِ حق کی اُن گراں بہا قربانیوں کا اندازہ

اُنھیں تھا جو دینِ مُبین اسلام کے لئے باحوصلہ مُسلمان دیتے آئے تھے۔

ان روایات میں اگرچہ کچھ اختلاف موجود ہے کہ آقائے دوجہاں کے ہاں حضرت خدیجۃ الکُبریٰ رضؓ کے بطن سے جو چار لڑکیاں سیّدہ رقیہؓ اہلیہ حضرت عثمان غنی رضؓ، سیّدہ اُمّ کلثوم رضؓ اہلیہ حضرت عثمان غنی رضؓ، سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضؓ اہلیہ حضرت علی مُرتضیٰ رضؓ، اور سیّدہ زینب رضؓ اہلیہ حضرت ابو العاص رضؓ پیدا ہوئیں۔ اِن میں حضرت فاطمہ رضؓ منجھلی بیٹی تھیں۔ یا سب سے چھوٹی تھیں تاہم وہ نجیب الطرفین تھیں۔ عِفت و صداقت کا پیکر تھیں۔ اللہ جلِ شانہ، نے صورت و سیرت کے جمال و کمال سے فیاضی سے نوازا تھا بتُول، زاکیہ، راضیہ، اور سیّدۃ النّساء، آپ کے القاب ہیں۔ واجب احترام، اور برگزیدہ ترین والدین کی اِس نسبتِ شرف کو علامہ اقبال رحؒ نے سیّدۃ النّساء رضؓ سے اس طرح منسوب کیا۔

نورِ چشمِ رحمۃً لِلعالمینؐ — آں امامِ اوّلیں و آخرینؐ
مادرِ رضؓ آں قافلہ سالارِ عشق — مادرِ رضؓ آں رضؓ مرکزِ پرکارِ عشق

ہم یہ بات اُمّہات المومنین کے تذکرے میں لکھ آئے ہیں کہ اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکُبریٰ جب تک حیات رہیں، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا اور دونوں فرزندوں کے کم سِنی میں انتقال کے بعد یہی چاروں بیٹیاں نبیؐ پاک کی توجہ اور شفقت کا مرکز تھیں۔ بلکہ بنات النبیؐ میں حضرت زینب رضؓ اور حضرت رقیہ رضؓ۔ دو بڑی صاحبزادیوں کے عقدِ اول بھی ابتدائی دور میں مکہ میں ہو گئے تھے۔

تاریخ الخمیس کے مورخ حضرتِ فاطمہ رضؓ بنت رسولؐ اللہ کو عمر میں سیّدہ عائشہ رضؓ سے پانچ برس بڑی بتاتے ہیں۔ مشہور مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرتِ فاطمہ رضؓ کی ولادت، آنحضرتؐ پر نزولِ وحی کے بعد ہوئی۔ اکثر

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی (چھوٹی) صاحبزادی کی ولادت اس سال کے قریب ہوئی جب خانۂ کعبہ کی از سرِنو تعمیر کا کام مکمّل ہو رہا تھا۔ طبقات ابنِ سعد میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بھائیوں کے نام دیئے گئے ہیں، جو کم سنی ہی میں فوت ہو گئے۔ (۱) حضرت قاسمؓ (۲) حضرت عبداللہ ——— حضرت عبداللہ کو طاہر اور طیب بھی کہا گیا۔ (حضرت قاسم حضرت خدیجہؓ کے بطن سے وہی صاحبزادے ہیں۔ جن پر آنحضرتؐ نے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ حضور اکرمؐ کے ایک اور فرزند ابراہیم تھے وہ بھی کم عمری میں انتقال کر گئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی دوسری صاحبزادیوں کے ہاں یا تو اولاد ہوئی نہیں، یا اوائلِ عمری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب کی اولادِ نرینہ سے، جن کی تعداد مورخین نے ۱۸۔ بتائی ہے اور وہ اٹھارہ صاحبزادیاں، جو روایات کے مطابق ازواجِ علیؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ اس خانوادہ علیؓ کو آگے بڑھانے کا سبب بنیں۔ حضورِ اکرمؐ کے صاحبزادے صغر سنی میں وفات پا گئے تھے غالباً یہ بھی ایک سبب تھا کہ حضورؐ اپنی صاحبزادیوں سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، اور ان کی قربت کا شدید احساس رہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ محض محبت اور الفت تک محدود نہ تھا بلکہ دین کی تبلیغ اور تعلیماتِ اسلامی کی ترویج جس طرح باہر تھی، اسی طرح تمام ازواج اور تمام اہلِ بیت کے لئے تھی۔ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضؓ بھی تعلیمات اور تربیتِ نبویؐ کا ایسا ہی نمونہ تھیں۔ یعنی اخلاق و طہارت، شرم و حیا کی تصویر، حسن مروّت اور پاکیزگی کردار کی روشن مثال — خود بھی تعلیماتِ نبویؐ پر عمل کرتیں، اور پوری یکسوئی اور خوشدلی سے دوسروں کو بھی دینِ حق کا صحیح مفہوم سمجھاتیں۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کی روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مصر کے بنے ہوئے باریک لباس آئے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک دحیہ کلبیؓ کو بھی عنایت

فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ اس کپڑے کے دو ٹکڑے کر لینا۔ ایک کی خود قمیص بنا لینا۔ دوسرا اپنی بیوی کو دیدینا۔ کہ وہ اس کا دوپٹہ بنالے۔ جب وہ جانے لگے تو فرمایا۔ اپنی بیوی سے کہنا کہ اس کے نیچے کوئی موٹا کپڑا جوڑ لے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ عرب کے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں عام طور پر دوپٹے سر دن پر ڈال کر اُن کے دونوں پلو سمیٹ کر کمر پہ باندھ لیتی تھیں۔ گریبان ویسے ہی کھُلے ہوتے تھے۔ سینے پر دوپٹہ کا بل نہ آنے کی وجہ سے حجاب کا مقصد فوت ہو جاتا تھا۔ سورۂ نور نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو پردہ و حجاب کی حرمت سمجھائی، اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت موصول ہونے کے بعد، سب ہی ازواج اور بنات النبیؐ نے پردہ کا مطلوبہ اہتمام فرمایا۔ مکہ سے مدینہ منورہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد جب مسلم خواتین کو بھی مدینے بلوالیا گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ سے امن و سلامتی کے معاہدوں مہاجر مسلمانوں کی بحالی اور امت کے دوسرے معاملات میں بے حد مصروف ہو گئے۔ پھر غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آگیا۔ بہرحال مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے آقائے دوجہاں کو توجہ دلائی کہ اب وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی رخصتی کے خواہشمند ہیں۔ جناب ابوبکر صدیق رضؓ کی صاحبِ علم و دانش صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کی رخصتی عمل میں آئی۔ مسجدِ نبویؐ کی ابتدائی تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔ اُسی سے ملحق اپنے حجرے میں حضرت عائشہ وداع ہو کر ام المومنین کی حیثیت سے اپنے شوہرِ نامدار آقائے دوجہاںؐ کے گھر آگئیں۔

طبقات ابنِ سعد کے مطابق ہجرتِ مدینہ کے بعد تقریباً ایک سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشہور صحابی حضرت ایوب انصاری رضؓ کے گھر مقیم رہے۔ ہجرتِ نبویؐ کے کوئی پانچ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضؓ کا نکاح سیدنا علیؓ ابن ابی طالب سے ہو چکا تھا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد حضرت فاطمہ رضؓ کی رخصتی کا مرحلہ آیا۔ ایک اور روایت میں یوں مذکور ہے کہ جب سیدنا علی المرتضیٰؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے عقد کی خواہش ظاہر کی تو،

آپؐ نے فرمایا۔ مرحبا واہلاً۔ بعد ازاں حضرت فاطمہؓ سے اس پیغام کا ذکر فرمایا، بتول بنتِ رسول اللہؐ حجاب فطری کے ساتھ خاموش ہو رہیں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا: "تمہارے پاس کچھ ہے؟" انھوں نے کہا، ہاں گھوڑا اور زرہ ہے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا۔ گھوڑا جہاد کے لئے ضروری ہے، زرہ فروخت کر دو۔ حضرت عثمان غنیؓ نے یہ زرہ ۴۸۰ درہم کے عوض خریدی اور رقم ادا کرنے کے بعد زرہ بھی واپس کر دی۔ آنحضرتؐ نے یہ درہم لے کر اپنے پاس رکھے اور مٹھی بھر درہم حضرتِ بلالؓ کو دیئے کہ جاؤ اس کی خوشبو لے آؤ۔ باقی رقم سے ارشاد کیا کہ فاطمہؓ کا سامان تیار کر د۔ چارسو مثقال چاندی مہر قرار دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا کہ ایک مکمل مخطط اور ایک مشکیزہ اور تکیہ چرمی بھی جہیز میں تھا۔ علاوہ ازیں اس موقع پر، ایک چارپائی، ایک توشک چمڑے کی خرمے کے پوست سے بھری ہوئی تیار کی گئی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ سیرتِ عائشہؓ میں بخاری تفصیل ابنِ ماجہ باب الولیمہ، اور کتاب خلاصۃ الوفا فصلِ رابع میں آقائے دو جہاںؐ کی راست باز دختر اطہر کی شادی کا احوال نہایت دلنشیں انداز میں لکھتے ہیں:

"حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہؓ، گو کنواری تھیں۔ لیکن ان کے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں غالباً ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم، دونوں ماں بیٹی، ایک ساتھ رہی ہوں گی۔ ۲ھ کے بیچ میں وہ حضرت مرتضیٰؓ سے بیاہ دی گئیں۔ شادی کے لئے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا۔ اُن میں عائشہؓ بھی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر انھوں نے خاص

طور پر اس کا اہتمام کیا۔ مکان لیپا۔ بستر لگایا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیئے بنائے۔ چھوہارے، اور مُنقے دعوت میں پیش گئے۔ لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔

(حضرت عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ:-

"فاطمہؓ کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا۔

(بخاری تفصیل ابنِ ماجہ)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسجدِ نبویؐ سے متصل شادی کے بعد حضرت فاطمہؓ جس گھر میں گئیں۔ اُس میں اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا۔ درمیان میں ایک دریچہ تھا۔ جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہو جاتی تھی۔ (خلاصۃ الوفا)

روایاتِ صحیحہ میں آیا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ جس مکان میں رہائش پذیر تھے وہ کچھ فاصلے پر تھا۔

جناب حارثہؓ بن نعمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اپنی بیٹی کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں اور حضرت علیؓ جناب حارثہؓ سے اس بارے میں کچھ کہنے میں حجاب رکھتے ہیں تو حضرت حارثہؓ از خود بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بنی نجار کے گھروں میں سے یہ اچھے گھر ہیں۔ آپؐ کی خوشنودی میرے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ آپؐ پسند کا مکان لے لیں، تو صاحب قاب قوسین نبیٔ مرسلؐ کی مُراد بر آئی۔ جناب حارثہؓ کے اخلاص کی ستائش کی اور اپنے قریب ہی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے لئے مکان حاصل کر لیا۔ اس طرح سرکارؐ کی بیٹی اور داماد قریب ہی رہنے لگے۔

صحیح بخاری باب "من ناجی بین یدی الناس" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ ایک دن ہم سب ازواج آپ کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمہؓ سامنے سے آئیں،

بالکل وہی انداز قدم رکھنے کا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپؐ نے تپاک سے پاس بٹھالیا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بیٹی کے کان میں کچھ کہا: وہ رونے لگیں۔ اُن کی بیقراری دیکھ کر آپؐ نے پھر اُن کے کان میں کچھ کہا: وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: "فاطمہؓ! تمام بیویوں کو چھوڑ کر صرف تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راز کی بات کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔"

آپؐ جب اُٹھ گئے تو میں نے واقعہ دریافت کیا۔ فاطمہؓ کہنے لگیں:

"میں باپؐ کا راز فاش نہیں کروں گی۔"

لیکن آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے یہ بات صریحاً بیان فرمادی کہ رونے کا سبب یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی جلد وفات کی خبر دی تھی۔ اور خوش ہونے کا سبب یہ تھا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ "تم مجھ سے سب سے پہلے ملوگی۔" اور واقعی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی بھی جلد وفات ہوگئی۔ اس واقعہ میں کتنی اصابتِ فکر ہے کہ ایک تابعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟"

حضرت عائشہؓ نے برجستہ فرمایا: "فاطمہؓ۔"

بنتِ ابی بکر صدیقؓ اُن کی سوتیلی ماں تھیں (رشتے کے اعتبار سے) لیکن اس کے باوجود صدق دلی سے محبت کا یہ عالم تھا کہ (اپنی بیٹی) فاطمہؓ کی تعریف میں کہتیں:

"میں نے فاطمہؓ سے ان کے باپؐ کے سوا کوئی اور بہتر
انسان نہیں دیکھا۔"

(زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی علی شرط الشیخین)

صحیح مسلم باب الفضائل میں وہ خاص حدیث جس میں حضرت فاطمہؓ کے نسبی تعلق گلشنِ رسالتؐ کا ذکر ہے۔ وہ بھی اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعے سے مروی ہے۔

بلاشبہ عفت و حیا کی زینت سے سجی ہوئی بنتِ رسولؐ فاطمۃ الزہراؓ کی شخصیت اس لئے اور بھی نمایاں ہے کہ مسلمان خواتین کے لیے سیدۃ النساء اپنی عادات و خصائل میں کئی اعتبار سے ایک مثال تھیں۔ اور یہ بات بعید از قیاس ہوگی کہ پاکیزہ اطوار اور اخلاقِ حمیدہ کی حامل بنات النبیؐ اور عالی ظرف، وسیع النظر اور کشادہ قلب، امہات المومنین کے مابین ربط باہم، شدید احساسِ الفت اور جذبۂ مفاہمت میں کسی شائبہ اور شمہ برابر بھی کمی ہو۔ سیدہ بتولؓ بیٹی، ماں، اور بیوی ہر رنگ میں پیکرِ نورِ ایمانی تھیں۔ اسی لئے کہا گیا:

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرے بگیری

مدینہ منورہ میں عالمِ اسلام کی ان مشاہیر خواتینِ معظم کے یہ واقعات و حالات اِس شہرِ محبت کی اہمیت کو دوبالا کرتے رہے ہیں۔ پھر ہم کیوں اِن احوال سے غافل و محروم رہیں۔

خلاصۃ الوفاء فصل (۱۴) میں منقول ہے کہ یحییٰ نے اپنی مسند میں عیسیٰ بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ اُم المومنین حضرتِ عائشہؓ کے حجرے سے (جہاں اب حضور نبیٔ پاکؐ شفیع الامم کا روضۂ مبارک ہے) حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک دریچہ کھلتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرتِ عائشہؓ کے ہاں تشریف فرما ہوتے تو عموماً ایسا ہوتا کہ اُسی دریچے سے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کی خیر و عافیت دریافت فرمالیا کرتے تھے۔

عظیم باپؐ کی مطیع و فرمانبردار بیٹی، شوہر عالی وقار کی خدمت اور اطاعت شعاری میں بھی دوسری خواتین کے لئے ایک نمونہ تھیں۔ ان کے شوہر سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نے اعتراف فرمایا۔ کہ باوجود عبادت و ریاضت اور دوسری مصروفیات کے فاطمہؓ نے میری ضرورت، اطاعت اور آرام کا ہمیشہ پورا خیال رکھا۔ واقعی یہ وفاشعاری اور باہمی رفاقت میں خلوص و محبت کا اعجاز تھا کہ عسرت، فقر و فاقہ اور محنت و مشقت کے باوجود وہ متوکل اور صابر نظر آتی تھیں۔

اکثر مورخین اور سیرت نگاروں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ چکّی پیستے پیستے سیدہ فاطمہ رضؓ کے ہاتھوں میں گٹّے، اور مشکیزہ سے پانی بھرتے بھرتے شانوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ لیکن گھر کے کسی کام کو اپنے ہاتھ سے انجام دینے میں نہ کبھی تامّل ہوا، نہ تساہل، نہ شکوہ نہ گلہ۔ آج کے معاشرے میں ہمارے گھر طرح طرح کی آرائش، آسائش اور سہولتوں کا گہوارہ بن گئے ہیں۔ اُمراء اور صاحبِ ثروت افراد نے ملازم رکھے ہوئے ہیں۔ آسودہ حال گھرانوں میں خواتین امورِ خانہ داری کو اپنا نہیں، خادموں، خادماؤں کا کام سمجھتی ہیں۔۔۔۔ بہت سے کام خودکار مشینوں سے گھنٹوں کی بجائے لمحوں میں ہو جاتے ہیں۔ اور اُدھر، دونوں جہانوں کے آقا، انبیاء علیہ السلام کے سردار، بادشاہوں کے بادشاہ، اُمّتِ مسلمہ کے رہبر و رہنما، دین و دنیا کے گنج ہائے گرانمایہ کے کلید بردار کی لاڈلی بیٹی، اشجع الناس سیدنا علیؓ المرتضیٰ کی محبوب و مطہر اہلیہ، حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حُرمت مآب والدہ معظمہ جناب فاطمۃ الزہراؓ اپنے سادہ گھر کا پورا کام اپنے دست ہائے مبارک سے انجام دیتی تھیں۔ اور اپنے عالی وقار شوہر کی خدمت، خور و نوش حتیٰ کہ بچّوں کی نگہداشت خود فرماتی تھیں۔ عبادت گزاری میں بھی کوئی فرق نہ آتا تھا۔

امام ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کی عُمر حضرت علیؓ سے نکاح کے وقت پندرہ برس پانچ مہینے تھی۔

حضرت فاطمہؓ دُلہن بن کر حضرت علیؓ کے گھر مدینے منورہ میں آئیں اور یہیں اللہ تعالیٰ نے بیٹوں اور بیٹیوں پر مشتمل نعمتِ اولاد سے نوازا۔ تین صاحبزادوں میں سیدنا حسنؓ سیدنا حُسینؓ تاریخ اسلام کے درخشاں باب ہیں، ایک اور صاحبزادے محسن بن علیؓ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ صاحبزادیوں میں رقیّہ بنتِ علیؓ، اُمّ کلثوم بنتِ علیؓ اور زینب بنتِ علیؓ۔ اوراقِ تاریخ و سیر میں اپنے حالاتِ زندگی کے ساتھ محفوظ ہیں۔۔ بڑے صاحبزادے جناب حسنؓ کو ان کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے کھانے میں زہر دیدیا تھا،

۲۸ صفر ۴۹ ہجری کو جاں بحق ہوئے۔

آنحضرتؐ کے یہ نواسے مدینے میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ اطلاع ملتے ہی آقائے دو جہاںؐ تشریف لائے نواسے کو دیکھا۔ حسن نام تجویز کیا۔ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ اتنی محبت تھی کہ اپنے نواسے کو دیکھنے روز تشریف لاتے تھے۔ آٹھ سال کا سن تھا کہ نانا کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ تقریباً ۴۸ سال کی زندگی میں نازک مرحلوں اور تاریخ کے حساس ترین ادوار سے گزرے۔ صورت و سیرت میں آنحضرتؐ سے اتنی مشابہت تھی کہ پہلی نظر میں ہی محسوس ہو جاتا تھا۔ بے پناہ تحمل اور بردباری کے ساتھ اُن کی شہرت عرب کے اخطب الخطباء کے طور پر رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت، مسلمانوں کے درمیان خونریزی سے گریز اور خلافت سے دستبرداری کے بعد مستقلاً مدینۃ النبیؐ واپس تشریف لے آئے تھے۔ اولاد میں آٹھ لڑکے دو لڑکیاں تھیں۔

حضور رسالت پناہؐ نے ایک مرتبہ فرمایا "حسن کو میرا حلم اور میری صورت ملی ہے"۔ زندگی کے آخری لمحے تک مدینۂ طیبہ میں سکونت پذیر رہے۔ اور شہادت کے بعد جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

حضرت حسین بن علیؓ، سیدہ فاطمہؓ کے دوسرے فرزند ۳ شعبان ۴ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کان میں اذان کہی۔ حسین نام تجویز کیا۔ جن کی کنیت بعد میں ابو عبداللہ مشہور رہوئی۔ سات برس کی عمر میں نانا کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ گویا، جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد از وصالِ نبویؐ مسلمانوں کا بارِ خلافت سنبھالا تو سیدنا حسین ابنِ علیؓ سات آٹھ برس کے تھے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے کوفے کو دارالحکومت بنایا تو حسینؓ عالی مقام بھی مدینے سے کوفے چلے گئے۔ ۲۵ حج کئے۔ قیام اللیل تھے۔ بکثرت نوافل پڑھنا، اکثر روزہ رکھنا، آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ کربلا کے سانحہ کے بعد شہیدِ کربلا کے نام سے مشہور رہوئے۔

ارادت مندوں کے دعوتی خطوط پہ مدینے سے کوفے کے لئے کوچ فرمایا۔ وہیں شہادت ہوئی اور کربلا میں سپردِ خاک کئے گئے۔

آپ کی ازواج میں شہر بانو، لیلےٰ، حباب، حرار، سکینہ، اور غزالہ تھیں، بیٹوں میں صرف حضرت زین العابدین زندہ بچے تھے۔ صاحبزادیوں میں سکینہ۔ فاطمہؓ اور زینب تھیں۔ خاندانِ حسینی کے یہ معزز افراد بعد میں مدینے شریف ہی آکر مستقلاً سکونت پذیر رہے۔

اکثر روایات کے مطابق سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے بعمر ۲۸ برس مدینہ منوّرہ میں ۳ رمضان ۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ اُن کے عظیم المرتبت شوہر سیّدنا علیؓ تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے۔ جنّت البقیع سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ ہے۔

کمسن فرزند رسولؐ حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ سیّد الکونین، شافعِ محشر، ساقیٔ کوثر، سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرزند، ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ ذی الحجہ میں اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ حضرتِ ابراہیمؑ جب پیدا ہوئے تو حضرتِ جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

السّلامُ علیکَ یا اَبا ابراہیمؑ (اے ابراہیمؑ کے والد السّلام علیک!)

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حرم سے) باہر نکلے تو فرمایا "آج شب کو میرے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ابراہیمؑ رکھا ہے۔"

عبداللہ ابنِ عبدالرحمٰن ابنِ ابی صعصعہ کا بیان ہے کہ ابراہیم جب پیدا ہوئے

تو انصاری عورتوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کو میں ہی دودھ پلاؤں۔ مگر آنحضرتؐ نے حضرت ابراہیمؑ کو دودھ پلانے کے لئے اُم بردہؓ کے سپرد فرمایا۔ اُم بردہؓ منذر ابنِ زید بن لبید کی صاحبزادی اور حضرت براءؓ کی بیوی تھیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو اُم بردہ نے دودھ پلایا۔ (فرزندِ رسولؐ) حضرت ابراہیمؑ اُمّ بردہؓ کے گھر محلہ بنی النجار میں رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُمّ بردہؓ کے گھر (اکثر) چلے آتے تھے۔ دوپہر میں وہیں قیلولہ فرماتے۔ حضرت ابراہیمؑ کو آپؐ اپنے پاس بُلاتے اور اُن کو گود میں لیتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت ابراہیمؑ کو اُمّ سیف کے حوالے فرما دیا۔ جو مدینہ منوّرہ کے ایک آہن گر کی بیوی تھیں۔ اس آہن گر کا نام ابوسیف تھا۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شیرخوار فرزند حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنے کے لئے تشریف لے چلے۔ حضرت انسؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ آپ سے پہلے میں ابویوسف کے ہاں پہنچا تو ابویوسف دھونکنی میں دھونک رہے تھے اور سارے گھر میں دھواں بھرا ہوا تھا۔ میں نے ابویوسف کو .....

بتایا۔ آنحضرتؐ تشریف لا رہے ہیں۔ دھونکنی بند کر دو۔ چنانچہ ابوسیف نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرتؐ اسی دھوئیں میں اندر تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو بلوایا سینے سے لگایا۔ اور جو اللہ نے چاہا فرمایا۔ ابوسیف عوالی مدینہ میں رہتے تھے۔ جو مدینہ منوّرہ سے فاصلے پہ ایک بستی تھی وہاں آپ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راس بھیڑ بکریاں ابراہیمؑ کے لئے مخصوص کر دی تھیں اور ایک اونٹنی کا دودھ بھی ان کے لئے خاص کر دیا تھا۔

جب حضرت ابراہیم ایک سال چھ ماہ کے ہونے کو تھے تو اللہ تعالیٰ نے گلشن رسالتؐ کو عطا کردہ یہ پھول واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ قضائے الٰہی کی آمد ہوئی تو اس سے ذرا قبل جناب ابراہیمؑ پر نزع کا عالم طاری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہمراہ اندر تشریف لائے۔ حضرت ابراہیمؑ انتقال فرما گئے تو آنحضرتؐ آبدیدہ ہو گئے اور کمسن ابراہیمؑ سے خطاب کر کے فرمایا۔

" اے ابراہیمؑ اگر موت کا معاملہ حق نہ ہوتا۔ اگر یہ ایسا راستہ نہ ہوتا جس پر سب ہی کو چلنا ہے تو ہم تم پر اس سے کہیں زیادہ رنج کا اظہار کرتے۔"

(ماخوذ طبقات کبیرؒ از محمد بن سعد ولادت بصرہ ۱۶۸ھ وفات بغداد ۲۳۰ھ)

یہ پیاری پیاری بیٹیاں:

• ۔ جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں (اپنے دست مبارک کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) میں اور وہ اس طرح اکٹھے جنت میں داخل ہوں گے۔ (ارشادِ رسولؐ، مسلم و ترمذی)

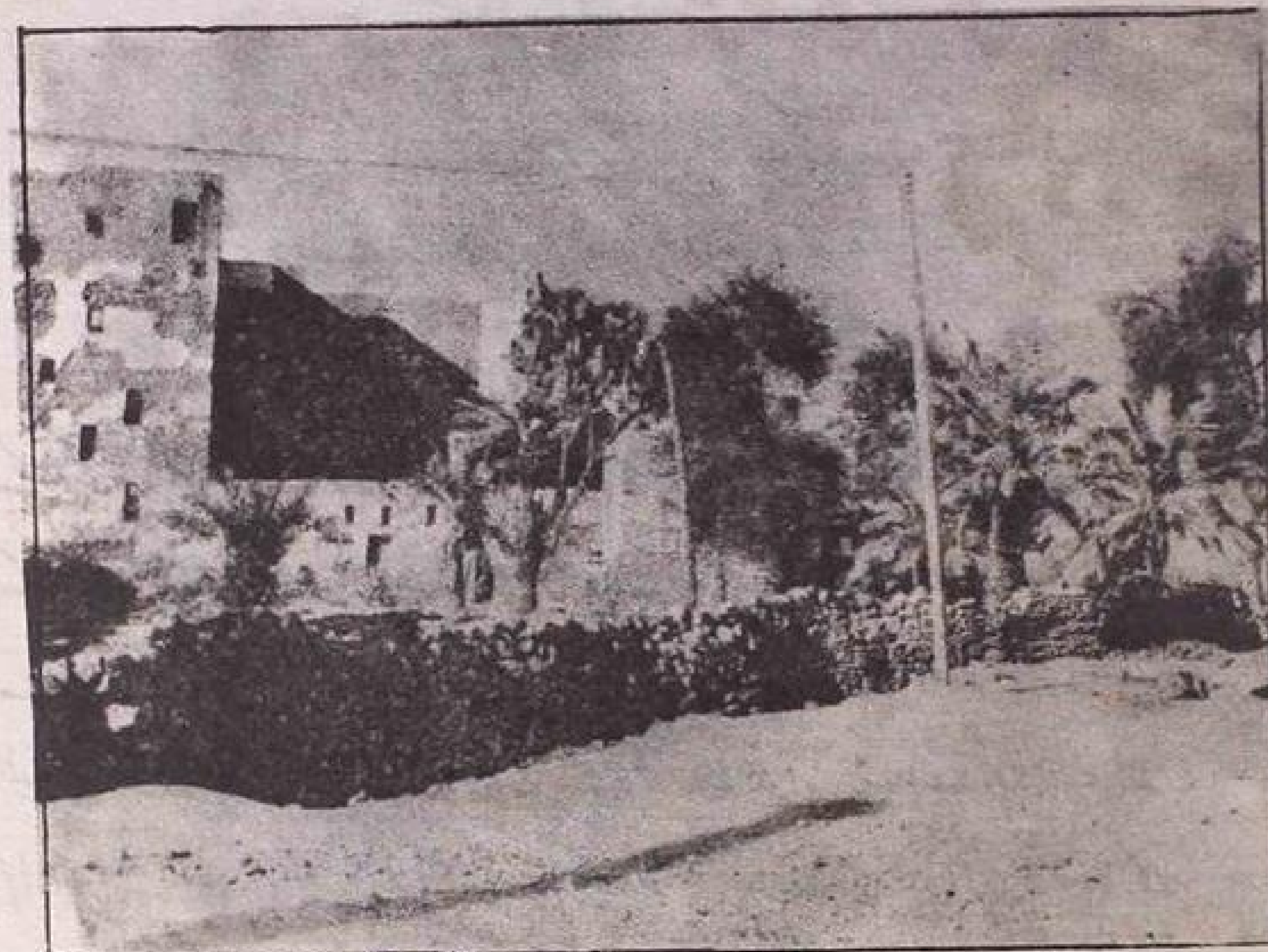
• ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی۔ انہیں تعلیم دی (سلیقہ) سکھایا۔ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور پھر ان کی شادی کر دی وہ جنت کا (مستحق) ہو گیا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

• ۔ اگر کسی شخص کے ہاں لڑکی (پیدا) ہو اور وہ زندہ نہ گاڑے نہ اسے ذلیل (حقیر) خیال کرے اور نہ اولاد نرینہ سے اُسے (کم تر) حقیر جانے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔" (ابوداؤد)

• ۔ حضورؐ اکرم نے اولاد کی تعلیم و تربیت والدین کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے بیٹیوں کے بارے میں بھی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لئے اس عطیہ سے بڑھ کر نہیں کہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے۔ مزید فرمایا کہ بیٹے کی تعلیم صدقے اور خیرات سے بہتر ہے۔ (ترمذی شریف)

مدینہ طیبہ کا ایک تاریخی مقام

ثقیفہ بنو ساعدہ جہاں اسلامی تاریخ کا اہم فیصلہ ہوا اور مہاجرین و انصار نے متحد رہ کر اسلام کی فلاحی ریاست کی سالمیت اور ترقی کا سفینہ رواں دواں رکھنے کا عہد کیا



ثقیفہ بنو ساعدہ: اذر رسالتمآبؐ کے کنویں (بیر بضاعہ) والی رہگذر پر مدینہ منورہ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر اس بستی کی نشان دہی کی جاتی ہے کہ یہ وہی مقام ثقیفہ بنو ساعدہ ہے۔ جہاں آقائے دو جہاںؐ کے وصال کے بعد مہاجرین اور انصار کے ایک اجتماع میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے خلیفۃ الرسولؐ ہونے پر اتفاق رائے ہوا۔ اور بیعت کی گئی۔ یہ تصویر ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کے اس تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے

خَلیفَۃُ الرّسُول

سیّدنا صدّیقِ اکبرؓ

عکسِ جمالِ دلبرِ خوش تر

اور جو لایا سچی بات، اور سچ مانا اس کو، وہی لوگ ہیں
ڈر والے (تقویٰ والے) سُورۃُ الزُّمَرِ آیت ۳۳

زندگی میں جنت کی بیش بہا بشارت پانے والے عشرہ مبشرہ کی ضیا بار کہکشاں کے جگمگاتے ستارے طور رسالت ؐ کے کلیم اول، فخر کونین رحمت مجسمؐ کے سفر و حضر کے رفیق خاص، افضل البشر بعد الانبیاء، صدیق الصدّیقین پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محبوب و محترم آقا کے محبوب شہر مدینہ طیبہؓ میں روضہ اطہر نبی پاکؐ کی آخری آرام گاہ کے ساتھ اتنے قریب اتنے کم فاصلے پر محو استراحت ہیں۔ کہ گویا اپنے آقا کے حضور رہ کر، بعد از وفات بھی حضوریؐ بارگاہ کا اس کیف و سرور میں لطف اٹھا رہے ہیں کہ آقا مخاطب فرمائیں کوئی حکم صادر فرمائیں تو ہمیشہ کی طرح آج بھی ارشاد کی تعمیل بجالانے میں لمحہ بھر کا توقف حائل نہ ہو۔ ایک محب صادق جب روضہ اطہر کی فلک نشان آن بان شان کے سائے میں آقائے دو جہاں کے ان دونوں مقرب و معتمد صحابیوں اور وزرائے دربار رسالت سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ) کو پہلو بہ پہلو اپنی اپنی لحد میں مہکتا ہوا پاتا ہے۔ تو بے اختیار کہتا ہے کہ سارے فاصلے ان قربتوں پہ قربان اور جاں نثاری کے سارے جذبے آقا کی دلبری پہ نثار ہو گئے ہیں۔ اور اس وجد آفریں موقع کی مناسبت سے بے اختیار بول لب کشا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ محبت اور احترام مل کر ایک ایسے جذبے کا

امتزاج بن جاتے ہیں جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا یہ الفاظ اس جذبہ غالب و وارفتگی کا عکس جمیل ہی ہوتے ہیں او ران سے قلب بے تاب بھی تسکین پاتا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَنَا اَبَا بَکْرِ الصِّدِّیْقِؓ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِؓ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِؓ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ اَنْفَقَ مَالَہٗ کُلَّہٗ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ وَحُبِّ رَسُوْلِہٖ

(سلام ہو آپ پر اے ہمارے سردار ابو بکر صدیقؓ سلام ہو آپ پر اے ساتھی رسول اللہؐ کے دوسرے دو میں کے جب کہ وہ غار میں تھے! سلام ہو آپ پر اے وہ ہستی کہ جس نے خرچ کیا اپنا مال سارا اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت میں!)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے " ہر نبی کے دو وزیر آسمان کے فرشتوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں سے میرے دو وزیر جبرائیلؑ اور میکائیلؑ ہیں۔ پھر فرمایا:۔

وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ

اور اہل زمین سے میرے دو وزیر ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔

(ترمذی شریف)

ترمذی میں ہی ایک مشہور حدیث اس واقعہ سے منسوب ہے کہ ثبیر نامی پہاڑ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ کہ پہاڑ لرزنے لگا۔ حضور اکرمؐ نے پہاڑ پر

زور سے قدم مبارک رکھا اور فرمایا :-

اُسکن ثَبیرُ فَاِنَّمَا عَلَیکَ نَبِیٌّ وَ
صِدِّیقٌ وَشَہِیدَانِ -

اے پہاڑ ٹھہر جا - اس وقت تجھ پر نبیؐ صدیق - دو شہید
(عمرؓ و عثمانؓ) ہیں۔ (ترمذی)

حضرت صدیق اکبرؓ وادی القرای کے نہایت خوشحال تاجر خانوادے میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنا پیشہ تجارت مکہ کی طرح، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی جاری رکھا - حتیٰ کہ وفات نبویؐ کے بعد بھی انہوں نے خلیفۃ المسلمین مقرر ہونے کے بعد اپنے افراد خانہ کی کفالت کے لئے کپڑے کی تجارت جاری رکھنا چاہی - اور جب عام مسلمانوں اور قریبی رفقاء نے مجبور کیا تو بیت المال سے ایک محدود رقم معمولی گذر اوقات کے لئے لینا قبول کی جسے اپنی وفات سے قبل سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کر کے بیت المال کو واپس کر دیا۔

صدیق اکبرؓ کا اصل نام عبداللہ، لقب صدیق و عتیق اور کنیت ابو بکرؓ تھی، حاکم اور ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے انہیں (عتیق) یعنی دوزخ کی آگ سے محفوظ قرار دیا - قول و امانت میں صدق عمل شروع سے ان کا خاصہ تھا - لیکن جب ربّ کائنات نے نبی رحمتؐ کو عرش معلیٰ کا سفر کرایا آسمانوں کی سیر کرائی - جنت اور دوزخ دکھائے - انبیاء کرام سے ملاقات کے علاوہ معبود حقیقی سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تو تصدیق رسالتؐ فرمانے والے صحابی اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کا ایک سعادت اور انتظار کر رہی تھی - سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں جناب ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے واپسی پر مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو آپ نے حضرت جبرائیلؑ سے اپنی قوم کے تردد کی جانب اشارہ فرمایا - حضرت

جبرائیلؑ نے جواب میں فرمایا:۔

"ابوبکرؓ تصدیق کر گئے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔"

اور جب قریش مکہ میں اللہ کے نبی صادقؐ کے معراج عرش معلیٰ کی خبر پھیلی اور خود مسلمان ان سرگوشیوں پر کچھ حیران اور کچھ پریشان نظر آئے تو حاکم و مستدرک کی روایت کے مطابق یہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہی تھے کہ آگے بڑھے نہ کوئی تامل نہ کوئی تردد، برملا اور واشگاف الفاظ میں فرمایا:۔

لَقَدْ صَدَقَ وَاِنِّی لَاُصَدِّقُہٗ

"حضورؐ نے سچ فرمایا اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ نے مکہ کی اذیت کوشی میں بھی رسول اللہؐ کا پورا ساتھ دیا ہجرت مدینہ کے سفر پرخطر میں ہر مشکل مرحلے اور مقام پر حبیب اللہ کے نبیؐ کو قتل کرنے کا ناپاک ارادہ رکھنے والے تعاقب میں تھے اور قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے برابر چلے آرہے تھے وہ اپنے آقا رحمت مجسمؐ کے ہم سفر رہے۔ مدینے آکر دین کے دشمنوں کے مقابل شمشیر بکف رہے۔ غزوات نبویؐ میں سیدنا صدیق اکبرؓ کی ایمان پر ثابت قدمی کے مجاہدانہ کارنامے ملتے ہیں۔ پھر اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی جانے لگی تو اپنی بھرپور صلاحیت بھی استعمال کی اور فلاحی ریاست چلانے کی تربیت فیضان نبوت سے براہِ راست حاصل کی اور جہاں فخر دو عالم سید الانبیاءؐ نے اقامت اور ابدی استراحت پسند فرمائی وہیں کے شمع رسالت کے یہ پروانے بھی ہو رہے۔

صاحب زہد و ورع پیکر وفا سیدنا ابوبکر صدیقؓ جو آقائے دوجہاں کے عظیم المرتبت صحابی بھی ہیں اور خسر بھی، جانشین ریاست اسلامی بھی ہیں۔ اور زہد و عبادت میں امام العارفین بھی ان کے فضائل و مناقب یہاں اختصار سے بیان کرنے کی مجبوری ہے

دین حق اسلام کے لئے جانی و مالی ایثار اور سید المرسلین ؐ کے لئے بے پناہ جاں نثاری کی بدولت انہوں نے یہ سند پائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابروایت حضرت ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

"کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا، ور ہم نے اس کا بدلہ
اسے دے دیا، سوائے ابوبکرؓ کے، اس کے احسانات
کا بدلہ قیامت کے دن اُسے اللہ تعالیٰ دے گا۔ کسی
کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا۔ جتنا نفع مجھے ابوبکرؓ کے
مال نے دیا ہے۔ اگر میں نے کسی کو خلیل بنایا ہوتا تو
ابُوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار تمہارا نبی کریمؐ اللہ تعالیٰ
کا خلیل ہے۔"

ایک موقع پر حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا :-

"اے ابوبکرؓ ! تو حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہو گا
اور غار میں بھی تو میرے ساتھ تھا۔"

مفسرین مورخین اور محدثین نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی سیاسی و عسکری ذہانت متعدد علوم میں خداداد مہارت خوش تدبیری، رحم دلی، شرافت نفسی اور ایمانی عزیمت و استقامت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسلامی ریاست میں فتنہ انکار زکواۃ اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو انہوں نے اولوالعزمی اور فولادی عزم و استقامت سے کچل دیا۔ ان کے مضبوط حکومتی نظم و نسق میں آج کے مسلمان حکمرانوں کے لئے بڑا سبق موجود ہے۔ ان کے زہد و تقویٰ اور امارت میں سادگی کی مثال دیکھنی ہو تو ——— مدینے سے اُسامہؓ بن زید کی قیادت میں جانے والے اسلامی لشکر کی روانگی کا منظر ——— اس روانگی کا حکم آقائے دوجہاںؐ نے خود دیا تھا اس لئے

جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روکنے سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق نے اس لشکر کو روکا نہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل دوسری سب باتوں پر مقدم ہے
آفتاب اپنی تمازت کا آغاز کر چکا ہے، خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر گاہ میں انتظامات کو قطعی صورت دینے کے لئے بنفسِ نفیس موجود ہیں حضرت اُسامہ امیر لشکر اپنے گھوڑے پر سوار کھلے راستے پہ نکلتے ہیں۔ ان کے ساتھ خود تشریف لا رہے ہیں اسلامی ریاست کے امیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ـــ!
لوگ یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ جناب اُسامہ رضی اللہ عنہ کو شدت سے احساس ہوتا ہے مخاطب کرتے ہیں :- لہجے میں احترام کا جذبہ مترشح ہے۔

یا خلیفۃ رسول اللّٰہ لترکبن او لانزلن۔

"اے جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں
یا پھر میں گھوڑے سے اُترتا ہوں۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"بخدا، نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ میرے
لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
راستے میں میرے قدم بھی غبار آلود ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے والد پہ ایسے مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر آتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔"

اللہ اکبر! لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو ریاست اسلامی کو کفار، منافق اور جھوٹے نبیوں کے نرغے سے صاف نکال لائے۔ اور سفینۂ اسلام رواں دواں رہا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تین سال چھوٹے

تھے ۱۳ھ ہجری ماہ صفر میں بعارضہ بخار صاحب فراش ہوئے اسلامی ریاست کے چھوٹے بڑے امور میں مشورہ دینا اور اہم فیصلے صادر کرنا چونکہ منصب خلافت کی ذمہ داری بھی تھی اور دین کی امانت بھی اس لئے جب تک ممکن ہوا عالم علالت ونقاہت میں بھی ریاست کے معاملات میں کوئی کمزوری کوئی خامی پیدا نہ ہونے دی۔ بالآخر مسقط، عمان، حضرموت، بصرہ، یرموک، فلسطین، حمص اور دمشق سے عساکر اسلامی کی فتح ونصرت کی اطلاعات خلیفہ رسول، رمز شناس نبوت، سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی جدوجہد سے بھرپور زندگی میں خود اپنے کانوں سے سن لیں اور دین حق کے دفاع میں زبردست کارنامے انجام دے کر ایک کامیاب اور سرخ رو جانشین ریاست اسلامی کی حیثیت سے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ ہجری کو ۶۳ برس کی عمر میں بروز دوشنبہ (یہی دن حضور سیدالکونین کی وفات کا تھا) خالق حقیقی سے جا ملے عہد خلافت مجموعی طور پر دو سال تین ماہ ۲۶ روز پر مشتمل تھا لیکن ایسے تباہ کن فتنوں اور خطرناک سرکشوں کی مکمل سرکوبی کی کہ اسلامی ریاست نہ صرف مستحکم ہوئی بلکہ خلافت کے اس منصب پر فائز ہونے والوں کے لئے کامیابیوں اور فلاحی ریاست کی مزید وسعت پذیری کے لئے دروازے کھل گئے مدینہ کے اسی مرکز خلافت میں اس مرد مجاہد کی درویشانہ رہائش گاہ تھی یہیں وفات پائی صدیق اکبرؓ کی اہلیہ اسماءؓ بنت عمیس نے غسل دیا حضرت عمرؓ بن خطاب نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینے میں موجود نامور صحابہ کرامؓ اور عمائدین شہر کی بڑی تعداد کی موجودگی میں روضہ اطہر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضور رسالتمآبؐ کیلئے سیدنا صدیق اکبرؓ کے جذبات عقیدت

لَمَّا رَاَیْتُ نَبِیَّنَا مُتَجَدِّلًا
جب میں نے دیکھا کہ ہمارے نبی نے وفات پائی

ضَاقَتْ عَلَیَّ بِعَرْضِهِنَّ الدُّوْرُ
اپنی وسعتوں کے باوجود بستیاں میرے لئے تنگ ہوگئیں

وَارْتَعْتُ رَوْعَةَ مُسْتَهَامٍ وَالِهٍ
ایک عاشق زار کی حیثیت سے میں لرز گیا

وَالْعَظْمُ مِنِّیْ وَاهِنٌ مَکْسُوْرٌ
اور میری ہڈیاں کمزور اور چور چور ہوگئیں

السلام علیک یا عمرؓ بن الخطاب

السلام علیک یا ناطقاً بالعدلِ والصواب

خلیفہ راشد فاروق اعظمؓ

اسمِ گرامی عمرؓ والد کا نام خطاب، قبیلہ قریش بنی عدی، والدہ کا نام ختمہ بنت ہشام ۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلہ مخزوم سے تھا۔ جناب عمرؓ ابنِ الخطاب کی کُنیت ابوالحفص (ابوالاسد) اور لقب فاروقؓ تھا۔ تاریخِ اسلام کی اتنی دلولہ انگیز شخصیت کہ ان محدود صفحات میں جناب فاروق اعظمؓ کی سیرت، اوصاف، کردار، خُداداد شجاعت فلک شگاف حوصلے، یگانۂ روزگار فراست اور منفرد سراپا۔ کوئی بھی عمومی یا خصوصی پہلو کاملاً بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ اپنی اس بے بضاعتی کے علی الرغم ہم کچھ عرض کریں گے اور آپ اسی سیر چشمی اور فیاضِ طبعی کے ساتھ پڑھیں گے۔ گویا سمندر کے چند قطروں پر انحصار کرنا ہوگا۔

امامِ عادل فاروق اعظمؓ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد اور فخرِ موجودات سیّدالانبیاء کی آرزوئے صادق ہیں۔ فرش اور عرش، کہاں اُن کی پسندیدگی اور مدحت کے پرچم نہیں لہرائے۔ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ گویا، اُن لائق صد رشک رفیع الشان، دس جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کہ جن کو مولائے کائنات، ربِ ذوالجلال کی رضا پاکر احمد مختار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارگہ حیات میں ہی جنّت کی بشارت عطا فرمادی تھی ——————— آبائی نسبت سے ذی اثر اور ذی حشم تھے۔ لیکن ستاروں سے سمت مقرر کرکے لق ودق صحرا میں

سفر کرنا اور اونٹوں کا چرانا تو عربوں کے معمولاتِ زندگی میں شامل تھا۔ قبل از اسلام بہت سے تنازعات کا حل عربوں نے یہ ڈھونڈا تھا کہ منصب بانٹ لئے تھے۔ معلّم کتاب و حکمت کے اِن مقرّب صحابی کے قبیلے عدی کے پاس سفارت اور بیرونی رابطوں کا منصب تھا۔ جناب عمر فاروق رضؓ کو اُن کے والد خطاب بن نفیل نے پڑھنا لکھنا بچپن میں ہی سکھا دیا تھا۔ لڑکپن میں شہسواری اور پہلوانی کا شوق از خود ہو گیا۔ جسمانی طور پر طاقت ور اور تنومند اور قد آدم نکلے تو زور آور بھی خوب ہو گئے۔ چوڑے چکلے، جسیم شحیم۔ گویا کسی ہجوم کے درمیان کھڑے ہوتے یا گفتگو کرتے ہوئے کئی افراد کے درمیان گزر رہے ہوتے تو صاف نظر آ جاتے وہ خطّاب کے جسیم فرزند عمرؓ آ رہے ہیں۔ آواز بھی گرج دار، لہجہ بھی پاٹ دار، غیظ و غضب کی لہر میں اُن کی شخصیت گویا اور شعلہ فشاں بن جاتی۔

اُن کی ولادت کے بارے میں عام روایت یہ ہے کہ ہجرت نبویؐ سے کوئی چالیس برس قبل قبیلہ عدی کے سپہ سالار کی دُختر ختمہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جناب عبداللہ بن وہب نے مالک کی یہ روایت بیان کی (سیرت عمر رضؓ کا ذوق و شوق مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ روایت حکایتِ لطیف کا درجہ رکھتی ہے)

"ایک رات عمرو بن العاص رضؓ کو خطّاب کے مکان میں
روشنیاں سی نظر آئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا
کہ خطّاب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔"
یہی لڑکا عمر ابن الخطاب رضؓ تھا۔

خطاب کے لختِ جگر کو ربّ ذوالجلال نے کیا یہ توانائی، یہ بلند حوصلہ، یہ ژرف نگاہی یہ بلند آہنگی، دینِ حق کی فصیلیں مضبوط کرنے کے لئے خصوصی طور پر عطا کی تھی۔ اِن سب سوالوں کا جواب ہمیں یکے بعد دیگرے بعثتِ نبویؐ کے بعد شروع ہونے والے عہدِ رسالت سے، جناب عمر رضؓ کے قبولِ اسلام تک، پھر مکہ کے مخالفین کے سامنے عمر رضؓ کے شمشیر بکف

ہونے اور مدینے میں اسلام کی فلاحی ریاست معرضِ وجود میں لانے کے مسائل میں بھرپور شرکت سے مل جاتا ہے۔ عمرؓ ابن الخطاب ننھیال، ددھیال دونوں طرف کے شجرہ ہائے نسب میں حضور اکرمؐ جمیل الشیمؐ کے اپنے قرابت دار ہیں۔ اور جب غم و غصے کی کیفیت میں اپنی ہمشیرہ اور بہنوئی کے گھر قرآن کی تلاوت سُنتے ہیں اور مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ ایمانی سے بہرہ ور ہوتے ہیں، تو اس کے بعد ہر اعتبار سے دینِ حق کا مضبوط قلعہ بن جاتے ہیں۔ اسلام کا بازوئے شمشیرزن ہو جاتے ہیں۔ خانہ کعبہ میں ان کی بدولت کفار اور مشرکین کی نظروں کے سامنے مسلمان برملا نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کسی میں ہمت نہیں ہوتی کہ جو مسلمان کل تک گھروں میں چھپ کر اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے حضور رکوع و سجود کیا کرتے تھے انھیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکا جا سکے یا کوئی سردار یا غلام تعرض کرے۔

اپنے والد کی جانب سے حضرت عمرؓ کا شجرہ یوں چلتا ہے۔ خطّاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی ابنِ کعب، والدہ کی جانب سے ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظ ــ اور یقظ اور کلاب ، مرّہ کے دو بیٹے ہیں۔ مرّہ اور عدی ۔ دونوں کے جد کعب ہیں ــ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اپنا شجرۂ نسب یوں ہے۔ محمد ابنِ عبداللہ ابنِ عبدالمطلب ابنِ ہاشم، ابنِ عبدالمناف ابنِ قصی ابنِ کلاب ابنِ مرہ ابنِ کعب۔

اوپر حضرت عمرؓ کی دو کنیّت بیان کی گئیں۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے سیّد عالم معلّم انسانیت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمرؓ کو ابو الحفص کہہ کر پکارا تھا۔ حفص کے معنی شیر ہیں۔ یعنی شیر کے باپ۔ بعد میں اسد کردگار کے مفہوم میں مسلمان حضرت عمرؓ کو بعض مواقع پر "ابو حفص" کے الفاظ سے مخاطب کرتے اور خوشی محسوس کرتے۔

زرقانی میں مذکور ہے کہ جب سرورِ عالم نبی مُرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کے مُسلمانوں کو ہجرتِ مدینے کی اجازت دیدی۔ تو ابو حفص عمرؓ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ نماز ادا کی۔ پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر (اپنے سفرِ ہجرت کا عزم ظاہر کرتے ہوئے کہا:

"جو کوئی اپنی ماں کو ماتم کناں، اپنے بیٹے کو یتیم، اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہے۔ وہ فلاں وادی میں مجھ سے دو۔ دو ہاتھ کر لے۔ (کوئی شخص بھی ہمت کر کے مقابلے کے لئے نہ آیا۔")

سیدنا عمرؓ ابنِ خطاب ہی کا قول ہے کہ:۔

"مکہ سے مدینے کے سفر پہ میرے ساتھ
دوسرے مسلمان رفیق عیاشؓ بن ربیعہ نکلے تھے"

دوسری جانب مدینے پہنچنے والے مہاجرین کے بارے میں یہ احوال قابلِ ذکر ہے۔ ابنِ اسحاق براءؓ بن عازبؓ کے ذریعے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں مُصعب بن عمیرؓ اور ابنِ مکتومؓ سب سے پہلے مدینے پہنچے، ان کے بعد حضرت بلالؓ بن رباح۔ حضرت سعدؓ اور عمارؓ بن یاسر شہر میں داخل ہوئے، پھر بیس مہاجرین کا ایک چھوٹا سا قافلہ حضرت عمر فاروقؓ کی رہنمائی میں مدینۃ النبی پہنچ گیا۔

عمرؓ اور اسلام کے مابین صدق و محبت، دینِ حق کی خاطر باطل قوتوں کے کوہِ گراں سے ٹکرا جانے کے عزمِ آہنی اور عشقِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ میں سرشار رہنے کے جو روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اُن کا پس منظر بھی کچھ کم لُطف انگیز اور ایمان افروز نہیں ہے۔ ہم صرف دو واقعات اس گفتگو کے حوالے سے یکجا کر کے پیش کرتے ہیں۔

جناب نافع نے ابنِ عمرؓ سے روایت حاصل کی اور ابنِ عمرؓ حضورِ انور رحمتِ مجسم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ :۔

"پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمرؓ (ابنِ خطاب) کے لئے دُعا مانگی تھی: خداوندا، ابنِ ہشام اور عمرؓ بن الخطاب دونوں میں جسے تو زیادہ عزیز رکھتا ہو، اس کے ذریعے اسلام کی دستگیری فرما!

قریشِ مکّہ ایک جگہ جمع ہو کر ظہورِ اسلام کے نتیجے میں پھیلنے والی توحید و رسالت کی روشنی کو عرب معاشرے میں روکنے کے لئے خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ بعض اسلام دشمنوں کی کیفیت ماہیٔ بے آب جیسی تھی۔ شدّتِ غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر حضور نبیٔ پاکؐ کے قتل کے منصوبے بھی بنائے جانے لگے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب اُدھر آنکلے تو انھیں بھی ان معاندینِ دینِ حق نے اپنے جھوٹے معبودوں اور اسلاف کی روایات کی بے حرمتی کے حوالے سے خوب جوش دلایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی تدبیروں میں مطلق کسی اور کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ حضرت عمرؓ تلوار بکف اپنی بہن اور بہنوئی کے جا نکلے۔ جہاں میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہونے کے باعث تلاوتِ قرآنِ پاک کر رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے۔ لیکن تلاوت کی آواز جناب عمرؓ کے کان میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے اصرار کیا کہ جو کچھ پڑھ رہے تھے میرے سامنے پڑھو۔ آخرِ کار جناب عمر فاروقؓ کے بہنوئی جناب سعیدؓ اور ان کی اہلیہ نے سورۂ طٰہٰ کی آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

طٰهٰ ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۰ اَلرَّحْمٰنُ

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ

مَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ

وَاَخْفٰی ہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ہ

ترجمہ: طٰ۔ ھا۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں، بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے۔ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے، جس نے پیدا کیا۔ زمین اور بلند آسمانوں کو۔ وہ خدائے رحمٰن عرش پر قائم ہے، اس کی ملکیت ہے، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں اور اِن دونوں کے درمیان ہیں ہے اور جو کچھ بھی زمین کے نیچے ہے۔ اور اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ہے۔ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھے اچھے نام اُسی کے ہیں۔

قرآنِ کریم کا حسنِ خطابت، تاثیرِ معانی اور معجز نما اندازِ بیان دل میں اُترتا چلا گیا۔

امام جمال الدین ابنِ جوزی نے حیات فاروق اعظمؓ میں لکھا۔ ہم نے (برادر محترم، ادیب ذی وقار شاہ حسن عطا مرحوم و مغفور کے شاہکار اُردو ترجمے سے استفادہ کیا۔)

● محمد بن سعد نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت

کی تصویر یوں کھینچی ہے۔ آپ سُرخ و سفید رنگت کے طویل القامت کم مو اور مسن انسان تھے۔ اور سلمہؓ بن الاکوع کا یہ قول ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا کام لیتے تھے۔ یعنی انگریزی اصطلاح میں :-

LEFT HANDER تھے۔

● ابو رجا العطاردی کہتے ہیں : دراز قامت، جسیم کم مو، سفید فام آنکھوں میں بے حد سُرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ مونڈھوں میں آگے کی جانب خفیف سا جھکاؤ" بازوؤں پر بالوں کی کثرت، جو سرخی مائل نقاط سے مشخص تھی۔ پُر وقار و متین، ہنسوڑ پن سے مجتنب۔

● جعفر بن محمد کی روایت' اپنے والد سے، حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ انس بن مالکؓ نے ہیں بتایا۔ حضرت عمرؓ خضاب کا بھی استعمال کرتے تھے۔

● کلیب الجری نے کہا: "بخدا حضرت عمرؓ کی آتش قدمی کا یہ حال تھا کہ رفتار میں ان کے قدم زمین پر بھرپور پڑتے تھے۔ آواز الگ گرجدار تھی۔

● محمد بن سعد نے داؤد بن الحصین اور امام زہری، دونوں سے یہ روایت منسوب کی ہے کہ عمرؓ ایمان لائے (تو شوکتِ اسلام میں اضافہ کا غلغلہ عرش تک بلند ہوا۔) حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ مژدہ لے کر آئے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان کے مکینوں کو عمرؓ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا بڑا شدید انتظار تھا۔"

● عبیداللہ بن عمر العمری نے زید بن اسلم سے زید نے اپنے والد سے سن کر بیان کیا کہ حضرت عمرؓ گھوڑے کے ایک کان کو ایک ہاتھ سے اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ سے پکڑتے اور پھر گھوڑے کی پشت پر جھپٹ کر سوار ہو جاتے۔ عمرؓ واقعی دین کیلئے سرمایہ افتخار تھے۔
سبحان اللہ! آج بھی روضۂ اطہر نبی پاکؐ سے سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی لحد متصل ہے۔ امام زہری ابو بکر محمد بن مسلم مشہور محدث اور فقیہہ' جن کا تعلق قریشِ مکہ کے

مشہور قبیلہ بنو زہرہ سے تھا۔ ۵۰ھ ہجری میں اُن کی ولادت ہوئی، اور جناب عمرؒ بن عبدالعزیز رحمہ نے انھیں اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم کہا ہے۔ علم الانساب کے ماہرین میں امام زہری کا شمار ہوتا ہے۔ جناب عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ کا مکان" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا ایک جزو تھا۔"

بہر حال شہرِ طیبہ میں صحابی ذی وقار امام عادل خلیفہ راشد سیدنا عمرؓ بن خطاب کی یگانہ روزگار شخصیت کے جوہر خوب کھلے۔ مسلمان اخوت و مواخات سے گزرے۔ انصار، یہود اور مسلمانوں کے درمیان مشترکہ بنیادی حقوقِ شہریت پر معاہدے ہوئے تو انھیں مرتب کرانے میں پیش پیش رہے۔ مسلمانوں کو ان کے پیغام امن و سلامتی کے برعکس جنگ و جدال میں اُلجھایا گیا، تو سیدنا عمرؓ تمام غزوات میں شامل رہ کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اصابتِ رائے میں نہایت مستحکم شخصیت باور کئے جاتے تھے۔ غزوۂ بدر وہ پہلا تاریخی معرکہ تھا کہ اگر نصرتِ الٰہی کا وعدہ پورا نہ ہوتا تو دشمن اِن مٹھی بھر مکّی، اور مدنی مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے ہی آئے تھے۔ ابھی مسلمانوں نے سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ چار گنا بڑے اور ہر طرح منظم لشکر نے جنگ مسلط کر دی۔

غزوات میں دشمن کی جانب سے لڑنے والے کسی قرابت دار کو بھی شمشیرِ فاروقیؓ نے بخشا نہیں۔ غزوہ تبوک میں اپنا نصف مال پیش کر دیا۔ اسیران بدر کے انجام پر بحث چلی تو فراستِ عمرؓ نے دشمنوں کے خلاف حتمی رائے دیدی۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر، کرتے ہیں خطاب آخر، اُٹھتے ہیں حجاب آخر

حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیمؑ کو مصلےٰ بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہراتؓ کے پردہ و حجاب کی ضرورت پر مومنانہ ذہانت سے اظہار کیا تھا۔

امتناع شراب کے بارے میں اور عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ کے بارے میں ۔ غرضیکہ ایسے کسی مواقع آئے، جہاں ذہانتِ عمرؓ اور اخلاصِ عمرؓ کو تائید باری تعالیٰ حاصل ہوتی رہی اور فاروقی بصیرت، دقّتِ نظری اور عمرؓ کی عبقریت کو ان کے رفقاء تسلیم کرتے رہے۔

بلاشبہ کمال درجے کی جاں نثاری، دین کے لئے والہانہ جذبۂ خدمت و اخلاص، اور اسلام کی شوکت و عظمت کے لئے مضطربانہ جذبات میں سیدنا عمرؓ فاروق کا ایک مقام خاص ہے ۔ چنانچہ مستدرک حاکم جلد ۳ فضائلِ عمرؓ میں مذکور ہے۔

" اِن خدماتِ اسلامی کے باعث بارگاہِ نبویؐ میں جو تقرّب حضرت عمرؓ کو حاصل تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے علاوہ اور کسی صحابی کو نہ تھا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے ۔

" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہوتے ۔" (مستدرک حاکم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اُن کی نسبت محض ادب و احترام اور تعمیل حکم تک محدود نہیں تھی ۔ اگر مقامِ فاروقِ اعظمؓ کو اخلاصِ قلب سے سمجھنا ہو، اگر فاروق اعظمؓ (حق اور باطل میں فرق کرنے والے کے) عشقِ مصطفےٰؐ کا اندازہ لگانا ہو تو سینہ عمرؓ میں حُبِّ مجتبےٰؐ کی تپش محسوس کرنی ہوگی ۔ ان کے عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے جذبات کی آتش نوائی کا پتہ لگانا ہوگا ۔ اگر وصالِ نبویؐ کی اطلاع سُن کر عمرؓ فاروق جیسا قوی الجثہ اور قوی اعصاب شخص نیام سے تلوار کھینچ لیتا ہے تو یہ کم فہمی اور جذبات کی وقتی چنگاری، نہیں تھی بلکہ عشقِ مصطفےٰؐ کے آتش فشاں سے اُبل پڑنے والا محبّت و رفاقت اور ذہنی و فکری وابستگی کا بے اختیار لاوا تھا، جسے اپنے محبوب کی محبّت میں فنا ہوجانے کا جذبہ صادق رکھنے والا، کوئی محبّ صادق ہی سمجھ سکتا ہے ۔ افسوس ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ

کی شخصیت کے اس پہلو پر ہمارے ہاں کم تحقیقی و تصنیفی کام ہوا ہے۔ اسی لئے بہت سے لوگ علم و دانش اور فکر و فلسفہ پر عبور کے بڑے بڑے دعوے کرنے کے باوجود مقامِ عمرؓ، مرتبۂ فاروقیؓ سے حسرت ناک حد تک بے خبر اور لاعلم ہیں۔

آنحضرتؐ ایک موقع پر ارشاد فرما رہے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ فضیلتِ عمرؓ کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ارشادِ نبویؐ ہوا۔

"شیطان اس راستے ہی کو چھوڑ دیتا ہے۔ جس پر عمرؓ گامزن ہوتے ہیں۔"

جناب عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت مدینے کی ایک گلی سے متعلق مشہور ہے۔ جہاں لحیم شحیم پہلوان کے روپ میں شیطان نے سیدنا عمر فاروقؓ کا آمنا سامنا کرنے کی ٹھانی تھی۔ لیکن بالآخر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی روایت میں شیطان کا یہ اعتراف بھی مذکور ہے کہ اگرچہ میں جنات سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوں، لیکن آیۃ الکرسی پڑھ دینے کے بعد آدمی میری گرفت سے نکل جاتا ہے (گویا اللہ کی پناہ میں چلا جاتا ہے)

حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۴ جمادی الثانی ۱۳ھ ہجری کو منصبِ خلافت سنبھالا تو اپنے پیش رو خلیفۃ الرسول حضرت صدیق اکبرؓ کی طرح مدینہ منورہ ہی کو اسلامی ریاست کا صدر مقام رکھا اور تمام امورِ مملکت یہاں بیٹھ کر ہی انجام دیئے۔ عدل و انصاف حفظانِ صحت، تاجروں، ہنرمندوں اور زراعت کاروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ روزگار، خوراک، پانی کی فراہمی، مفت علاج، ڈاک، جانی و مالی تحفظ۔ چوکیداری نظام۔ محاصل، بیت المال، خطوط، اور پیغامات کی روانگی اور وصولیابی کا مربوط طریق کار، مرتب کیا۔ قلیل اشیاء کی باقاعدہ فراہمی، مسافروں کے قیام و طعام کے لئے سرکاری اقامت گاہیں، ہر علاقے میں مساجد اور مکتب اور وہاں مدرسین کی تقرری، غزوات ہوں یا مسجد کی عبادات ہر موقع پر خود پیش پیش۔ امیرِ وقت فرض عبادات میں خود شریک،

بلکہ امامت کے لئے موجود۔ خوراک کی کمی ہوتی تو پہلی بار راشننگ کا کامیاب تجربہ، زکوٰۃ صدقات دینے والوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا گیا کہ سخت گیری کی ضرورت ہی نہ تھی، قومی اور بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی تعلیمات کی پیروی، معاشرے میں حجاب، شرافت، دیانت اور خوفِ خدا کا دور دورہ۔ عہدِ عمرؓ کی خصوصیات تھیں دمشق، مصر، عراق، ...... فسطاط، سیستان، بلوچستان، اردن۔ کوفہ اور بیروت بیت المقدس، فرات سے لے کر قادسیہ اور ایران تک متعدد علاقے دورِ فاروقی میں فتح ہوئے۔ ہر روز داخلی اور بیرونی معاملات کی اہمیت بڑھتی جاتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کبارؓ سے مشورے کرتے تھے۔ اور اسلامی ریاست کے مفاد میں فیصلے صادر کئے جاتے تھے۔

عہدِ فاروقی میں اسلامی ریاست کی حدود بائیس لاکھ مربع میل تک وسیع ہوگئیں۔ خلافت فاروقی ساڑھے دس سال جاری رہی۔ لیکن ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری کو ایک سازش کے تحت مسجدِ نبویؐ میں نماز کی امامت کرتے ہوئے قاتلانہ حملہ ہوا۔ زخم شدید ہونے اور خون زیادہ بہ جانے کے سبب یکم محرم ۲۴ھ ہجری کو جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے حضور اکرمؐ کے ارشاد کے حوالے سے ایمان عمرؓ اور صداقت عمرؓ پر یوں مہرِ تصدیق ثبت کی کہ فرمایا نبی اکرمؐ نے :۔

"اللہ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے، اور جب
وہ بولتے ہیں تو گویا حق بولتا ہے۔"

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جواب کے حوالے سے ایک دوسرے موقع پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ بن یاسر کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

"عمر کی فضائل و مناقب کے لئے عمر نوحؑ بھی ناکافی ہوگی۔"

ابنِ سعد، جناب علی بن الحسین رض کے سوال پہ جناب سعید بن المسیب رض کا جواب بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ روضۂ اطہر اور منبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صحابیٔ رسول صہیب بن سنان رومی نے پڑھائی. (صہیب رض بزرگ صحابی رومیوں میں اسلام قبول کرنے والے پہلے مسلمان اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والوں میں آخری مہاجر تھے۔ حضرتِ عمر رض کی وصیت کے مطابق مجلسِ شوریٰ کا فیصلہ ہونے تک (تین دن تک) مرکزِ خلافت مدینہ کے امیر رہے۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رض کی اجازت سے امیرِ ملتِ اسلامی، مزاج دانِ رسالت، سیدنا عمر رض کو ان کے آقا رحمۃ للعالمین کے پہلو میں دفن کیا گیا اُس وقت اُن کے جسدِ خاکی کو لحد میں لے کر اُترنے والوں میں (حسبِ روایت حضرت جابر رض) حضرت سعید بن زید عمرو رض، حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت ابو یحییٰ صہیب رومی رض، ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان (شہیدِ مظلوم) شامل تھے۔ اور عظیم عمر رض کی وفات پہ دیگر مقتدر صحابہ رض اور اہلِ مدینہ سوگوار اور سراپا حُزن و ملال تھے۔ یہ ایک فطری عمل تھا، ملتِ اسلامی کے ناقابلِ تلافی نقصان پہ۔

ورنہ جناب نافع رض (امیر المومنین عمر ابن خطاب رض کے فرمانبردار خادم) جناب ابنِ عمر رض سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"سیدنا عمر فاروق رض نے اپنے اہل و عیال کو اس بات
سے روک دیا تھا کہ وہ اُن پر گریہ و زاری کریں۔"

ابنِ سعد اور ابنِ سیرین کی روایات سے بھی یہی جذباتِ عمر رض ثابت ہوتے ہیں۔ تو یہ تھا قارئین! حاملِ جذباتِ صادق۔ گلستانِ محبت کے اُس گلِ رعنا کی ابدی مفارقت کا احوال، جسے "عمر دی گریٹ" (OMER THE GREAT) غیر مسلم مورخین اور محققین نے بھی کہا۔

روح الامینؑ کے الفاظ یہ تھے:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں آپ کی خدمت میں
اتنی مدت بھی باریاب رہوں، جتنی مدت حضرت نوح
علیہ السلام اس دنیا میں رہے (یعنی پچاس، کم
ہزار سال) تو بھی میں زیادہ سے زیادہ عمرؓ کے
صرف ایک وصف پر روشنی ڈال سکوں گا۔"

سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ایک روز دُھلا ہوا اور صاف کرتا پہنا، حضور اکرمؐ نے دیکھا تو دُعا دی:

"— تم کو لباس ہائے نو نصیب ہوں۔ اور اچھی زندگی۔
اور شہداء کی موت۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے مطابق اپنے کامیاب عہدِ خلافت کے بعد ادائیگی نماز کے دوران دمسازِ پیغمبر، رفیقِ صادق، جناب عمر فاروقؓ کو اعزازِ شہادت نصیب ہوا۔ عمر مبارک اُس وقت ۶۳ برس تھی۔

انت الذی قال فی حقک سید البشر
لو کان نبیؐ من بعدی لکان عمر بن
الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنک و ارضاک
احسن الرضاء

جن کے حق میں سید البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب
ہوتے۔ راضی ہو اللہ تعالیٰ آپ سے اور راضی کرے
آپ کو بہترین رضا کے ساتھ)

حافظ شیرازی کا ایک حسبِ حال شعر ؎

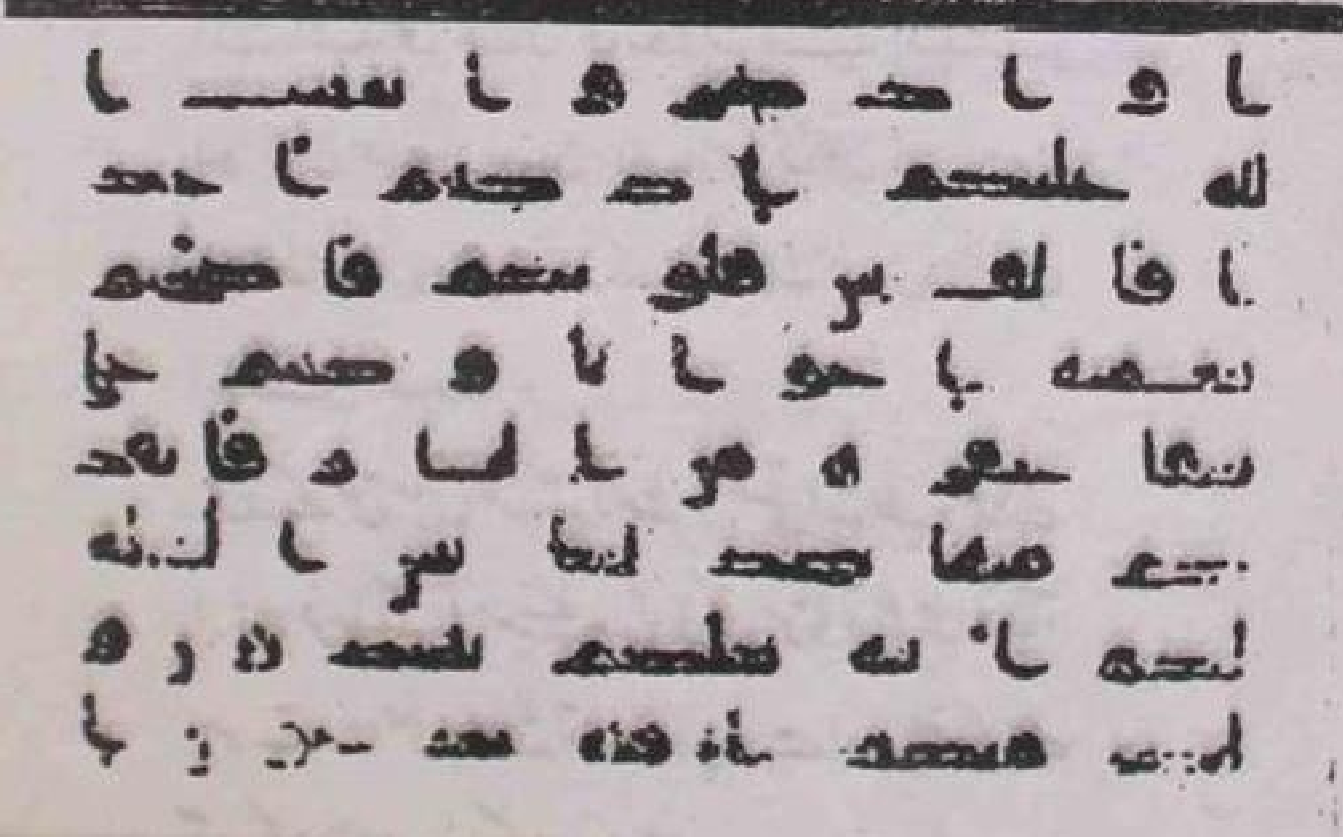
بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
تلوارِ عشق بیں کہ دو کس را یکے کُند

واللہ یہ کس جذب وکیف، سرمستی و سرشاری کا ذکر ہے کہ بقول شاعر اکثر دیکھا گیا ہے کہ تلوار ایک چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لیکن تلوارِ عشق کا تماشہ عجب دیکھئے کہ وہ دو کو ملا کر، ایک کر دیتی ہے۔

یہ تھے عشقِ رسالت ﷺ کے راہ نورد، قافلۂ شجاعت کے سرخیل، فصل باطل کو تیغ حق سے کاٹنے والے، عدل گستری میں سراپا بہار، شجرِ اسلام کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کرنے والے علو مرتبہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابنِ خطاب جن پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر خوب منطبق ہوتا ہے ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

عکس مصحف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم



مصحف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ   قسطنطنیہ

کمالِ الحیآء والایمان

جامع القرآن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عشرۂ مبشرہ میں، جنت کی بشارت پانے والے، افرادِ ملتِ اسلامیہ کو قرآن مجید فرقان حمید کی ایک قراۃ پر جمع کرنے والے، یکے بعد دیگرے آقائے دوجہاں صاحبِ قابَ قوسین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پیاری بیٹیوں کا شوہر بننے کی سعادت حاصل کرنے والے، ذوالنورین اور جماعتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں نہایت مقتدر و معزز درجہ پانے والے سیدنا عثمان بن عفان رضؓ تاریخ اسلامی میں مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ راشد ہوئے۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۱۲ پر یہ ارشادِ رسول بیان کیا گیا ہے:-

"اللّٰھُمَّ عُثْمَانُ رَضِیْتُ عَنْہُ فَارْضَ عَنْہُ"

اے اللہ میں عثمان رضؓ سے راضی ہوں تو بھی اُس سے راضی رہ!

حضرت ابوسعید رضؓ کی روایت ہے کہ اوّل شب سے طلوعِ فجر تک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے لئے دستِ مبارک اُٹھا کر یہ دعا فرماتے رہے رواہ الترمذی اور رواہ ابنِ ماجہ میں حضرت طلحہ رضؓ بن عبیداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کے حوالے سے ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے۔

اُ عَنْ طَلْحَۃ ابن عبید اللّٰہ قال، قال رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَرَفِیْقِی یعنی فی الجنّۃ عثمان رضؓ۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
"ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہے۔"

سیدنا عثمانِ غنیؓ اولاً امیر المہاجرین کی حیثیت سے اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے اور ثانیاً معلّم کتاب و حکمت، محسن انسانیت، داعی اسلام حضور احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور اتباع میں مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اس لئے ذوالہجرتین بھی کہلائے۔ (مصنف کتاب "حیات القلوب" نے مسلمانوں کی ہجرتِ اوّل کے بارے میں صراحت سے لکھا:
"گیارہ مرد اور چار خواتین مکہ سے جانبِ حبشہ روانہ ہوئے۔ اِن میں حضرت عثمانؓ بھی تھے اور (سیدہ) رقیہؓ دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو کہ (حضرت) عثمانؓ کی منکوحہ تھیں"، رسول اللہ کے معتمدِ خاص اور کاتبِ وحی بھی تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی ولادت واقعہ عام الفیل سے چھ سال بعد ۵۷۶ء عیسوی میں طائف میں ہوئی۔ پانچویں پشت میں اُن کا نسب سید المرسلین نبی آخر الزماں سے جا ملتا ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان بن ابو العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف (یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پھر دہرلتے ہیں۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف) گویا عبد شمس اور ہاشم، دونوں کے جد عبد مناف ہیں اور جدِّ اعلیٰ کا نام ہے۔ قصی بن کلاب ــــ حضرت عثمانؓ کی والدہ کا نام اروی تھا۔ یہ خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ سیدنا عثمانؓ کی نانی ام کلیم بیضا بنتِ عبد المطلب اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ جڑواں بہن بھائی تھے۔

قریش کے مشہور خاندان بنو اُمیہ میں حضرت عثمانؓ اپنی ذاتی خوبیوں، عمدہ تعلیم و تربیت، مشاغل لہو و لعب سے گریزاں رہنے اور معزز پیشہ تجارت کے باعث شروع سے ذی مرتبہ،

شخصیت تھے۔ صلاحیت، تجربے اور حُسنِ تدبیر سے کام لے کر کاروبار اتنا وسیع کر لیا کہ ملک التجار کہلانے لگے۔ ضرورت مندوں کی مدد فراخ دلی سے کرنے کے باعث غنی بھی مشہور ہوئے۔ دینِ حق میں سابقون الاولون کا درجہ پا لینے کے بعد اُن کا یہ بے پناہ جذبۂ فیاضی، دینِ اسلام کی مالی خدمت اور ہر آڑے وقت کے لئے ضرب المثل بن گیا۔ قیامِ مکہ کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے مصری محقق رفیق بک العظم نے اپنی تصنیف "عثمانِ غنیؓ" میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"کان عثمان تاجراً بزازاً ٥"

"حضرت عثمانؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔"

تذکرہ نگاروں نے لکھا کہ جب کاروبار وسیع ہوا تو جناب عثمانؓ کی تجارت صرف کپڑے تک محدود نہ رہی۔ بعثتِ نبویؐ کے بعد وہ دارالارقم کی شمع ایمانی بن گئے۔ ہر قدم ہر لحظہ، رحمتِ عالم، صاحبِ جود و سخا کا فیضانِ تربیت جاری و ساری، ادر اور اِدھر، جاں نثارانِ رسالتؐ کا جذبۂ مسابقت، کہ تعمیلِ ارشادِ رسالتمآبؐ میں کون کون پیش پیش رہے۔ ابنِ عساکر کی روایت ہے کہ:۔

"حضرتِ عثمانِ غنیؓ، صاحبِ جود و سخا تھے۔ عاداتِ حسنہ کے مالک تھے۔ اپنی قوم میں محبوب اور ہر دلعزیز تھے۔ قریش میں وہ بڑے امین اور قابلِ احترام تھے۔"

مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد بھی جہاں عثمانؓ دینِ حق کا ستون بنے رہے، وہاں انھوں نے تجارت، اقتصادیات اور معاشی زندگی پر یہودی اجارہ داری، اور سودی کاروبار کا سارا زور خاک میں ملا دیا۔ صاحبِ "رزمِ حق و باطل" لکھتے ہیں "(مدینے کے) بنی قینقاع بڑے مالدار تھے۔ سونے چاندی کا کاروبار تھا۔ بازار کے بازار اُن کے ہاتھ میں تھے۔ معاشی اور سماجی، دونوں حیثیتوں سے اُن کا ہاتھ جس

قبیلے پر ہوتا، اس کی چاندی ہوتی۔"

مسند ابن احمد حنبل جلد اول کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مدینے کے بازار میں کھجوروں کی تجارت شروع کی۔ لیکن بعد کی صورتِ احوال یہ رہی کہ مسلمانوں کی تجارت ہر شعبے میں پھیل گئی۔ قافلوں کی صورت میں بھی اور مدینے میں ہونے والی خرید و فروخت کی صورت میں بھی مسلمان تاجر کم منافع پر عمدہ مال فروخت کرتے۔ جھوٹی قسم نہ کھاتے کسی ذخیرے یا انبار میں کوئی عیب ہوتا تو گاہک کو پہلے آگاہ کرتے۔

مکّے سے ہجرت کے بعد مدینے میں مسلمانوں کو نہ صرف غزوات کے امتحان سے گزرنا پڑا، بلکہ انھیں قدم قدم پر منافقین، مشرکین، اور اقوامِ غیر کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کو مٹاتے ہوئے ایک مثالی حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا چیلنج بھی قبول کرنا تھا۔ اس کے لئے توحید و رسالت آخریں کے عقیدے پر ثابت قدمی، جذبۂ جہاد زندہ رکھنے، اخوت اور مواخاۃ کے طے شدہ قواعد کی حفاظت، معاہدوں کی پابندی، اور ہر دینی اور دنیاوی معاملے میں رضائے الٰہی کو مقدّم رکھنا شامل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرامؓ اور مخلصین و محبّین نے اس معیار پر اپنی وفاشعاری برقرار رکھی۔ چنانچہ دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت جاری رہی۔ اسلام کی فلاحی ریاست کا رقبہ اور اثر و رسوخ وسیع ہوتا گیا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے محبوب پیغمبرؐ کو وقتاً فوقتاً باخبر رکھا اور مسلمانوں کو متواتر یاد دلایا:

> "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ
> کافروں کے حق میں تو سخت ہیں۔ اور آپس میں رحمدل
> تو انھیں دیکھتا ہے کہ خُدا کے آگے جھکے ہوئے سربسجود ہیں۔
> اور خُدا کا فضل اور خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (۲۹)
> (سورۃ الفتح القرآن)

حق تعالیٰ سُبحانہٗ کی جانب سے اُن صحابہ کرام صادقین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی

جاں نثاری پر بڑا انعام ہے کہ انہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی سندِ امتیاز عطا کی گئی۔

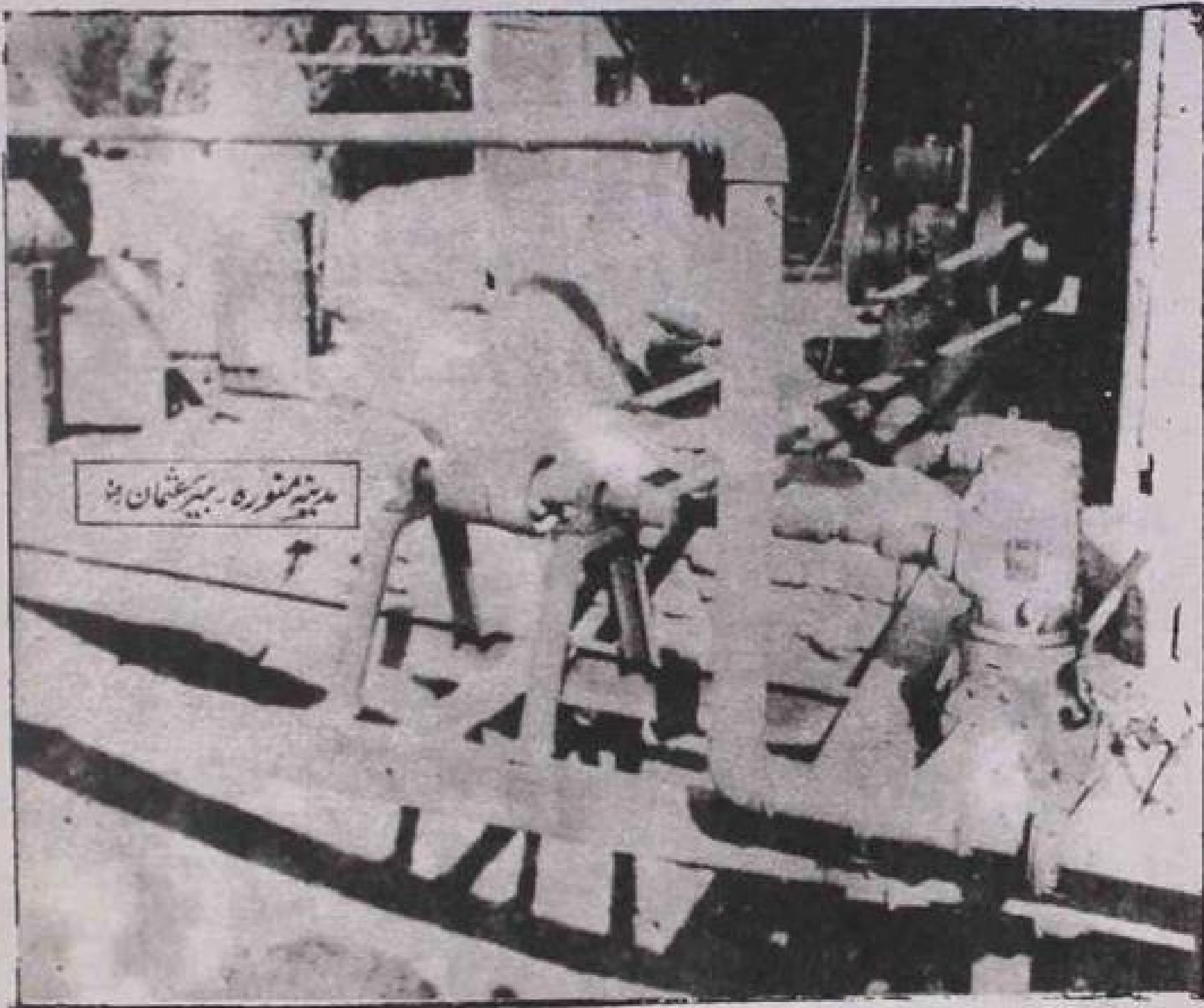
پھر سورہ توبہ میں مزید فرمایا:۔

اور جن لوگوں نے اسلام کو قبول کرنے میں سبقت کی۔
مہاجرین میں سے اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے
نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ خدا ان سے خوش
ہوا اور یہ خدا سے خوش ہیں۔ اور اس نے ان کے لئے
باغات تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں
اور یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔
(فوزُ العظیم) (القرآن)

مدینہ منورہ حضرت عثمان غنیؓ کے لئے اسی طرح شہرِ محبت بنا رہا، جیسا کہ روزِ اوّل تھا۔ حتیٰ کہ آثارِ شہادت قریب آ پہنچے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے لشکر بھیجنے اور خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کو دمشق آجانے کی پیشکش کی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کا مرکزِ خلافت تبدیل کرنا گوارا نہ کیا۔ (طبری حصہ ششم صفحہ ۲۹۹ پر اس واقعہ کا باقاعدہ ذکر موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ امیرِ مظلوم نے آقائے محترم و معظم سید الکونین امام الانبیاء ابوالقاسم محمد بن عبداللہ نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب شہر مدینہ منورہ کو خون خرابے سے مکمل طور پر محفوظ رکھنے کے پیشِ نظر شام سے حفاظتی فوج بھیجنے کی تجویز یکسر نامنظور کر دی اور جناب معاویہؓ والی دمشق، امیر المومنین حضرت عثمان کے جواب سے مایوس ہو کر "حسبی اللہ و نعمہ الوکیل" کہتے ہوئے واپس چلے گئے)

اس طرح مدینہ منورہ بدستور اسلام کی فلاحی ریاست کا صدر مقام بنا رہا اور اس

مدینہ کے مسلمانوں کیلئے میٹھے پانی کا کنواں
بیرِ عثمانؓ



بیرِ عثمان : مدینہ منورہ میں سیدنا عثمانِ غنیؓ کا مسلمانوں کے لئے خریدا ہوا، وہ کنواں جو پہلی صدی ہجری سے آج تک بدستور موجود ہے۔ اب وہاں آب رسانی کیلئے مشین لگی ہوئی ہے اور پھولوں اور پھلوں کی ایک نرسری بھی ہے ۔ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو پینے کے پانی کی قلت محسوس ہوئی ۔ بنی غفار کا ایک شخص جو بیر رومہ کا مالک تھا، ایک مشکیزہ پانی ایک مُد کے عوض فروخت کرتا تھا۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے ایک روایت کے مطابق بیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ۳۵ ہزار درہم میں یہ کنواں خرید کر اس کا میٹھا پانی مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ معاشرتی عدل اور قرآن و سنّت کے قوانین پر مشتمل مدینے کی یہ مثالی ریاست اللہ جل شانہ، کی عطا کردہ نصرت و رہنمائی سے خود اللہ پاک کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی۔

محمد بن یحییٰ بن ابی بکر کی کتاب میں "الشریعتہ" کے حوالے سے حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ روایت ملتی ہے کہ ایک مرتبہ خلافتِ صدیقی کے زمانے میں بارش نہ ہونے کے سبب شہر میں غلّہ کی شدید قلت ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فکرمند لوگوں کو صبر اور اللہ تعالیٰ کی اعانت پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ اسی شام کو حضرت عثمان غنیؓ کے ایک ہزار اونٹ غلّے سے لدے ہوئے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ غلّے کے تاجر بے تابانہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور زیادہ سے زیادہ منافع پر وہ غلّہ خریدنا چاہا۔ مگر حضرت عثمانؓ غنی نے یہ کہہ کر..... کہ "میں سب سے زیادہ منافع کا کاروبار کیوں نہ کروں ــــــ"؟ سارا غلّہ ضرورت مندوں میں فی سبیل اللہ تقسیم کر دیا۔ اور غربا و مساکین اپنی ضرورت کا یہ غلّہ بلا کسی قیمت لے گئے۔ اس طرح سے خدائے رحمٰن و رحیم نے مشکل وقت نکال دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

مدینہ منوّرہ میں مسلمانوں کے لئے میٹھے پانی کا کنواں (بئرِ رومہ) شروع میں بارہ ہزار درہم میں خرید کر حاصل کیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد باقی نصف بھی اٹھارہ ہزار درہم کنوئیں کے یہودی مالک کو ادا کر کے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ زائرین آجکل بھی مدینے کے شمال مغرب میں وادیٔ عقیق و کسریٰ میں، سیلابی وادیوں کے مقامِ اتصال کے قریب واقع حضرت عثمان غنیؓ کے خریدے ہوئے اس کنوئیں کو دیکھنے جاتے ہیں۔ (علامہ سمہودی نے لکھا تھا۔ کہ "بئرِ رومہ" کے قریب پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ایک عظیم عمارت تھی، جو اب گر چکی ہے۔ راقم السطور نے ۱۴۰۰ھ میں اس مقام کو دیکھا۔ یہ اب مسجدِ نبویؐ کے اوقاف کی نگرانی میں ہے اور کنوئیں کے

ساتھ ایک نرسری بنی ہوئی ہے) بہر حال سنہ ہجری میں حضور رسالت مآبؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ نہایت لذیذ اور شیریں پانی کا کنواں خریدنے کی ترغیب دی تو یہ سعادت عثمان غنیؓ نے حاصل کی۔

اس کے علاوہ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے مسلمانوں کے لئے پانی کی فراہمی آسان بنانے کے لئے (جہاں جہاں اُن کی بستیوں میں پانی میسر نہیں تھا) مزید کنویں اپنے ذاتی سرمائے سے کھُدواتے (۱) بئر سائب (۲) بئر عامہ (۳) اور بئر اریس، خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ مدینہ طیبہ کے اِنھیں عثمانی کنوؤں میں قبا کے نزدیک واقع وہ بئر اریس ہے جسے بئر خاتم بھی لکھا اور کہا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ، امیرالمومنین سیدنا عثمانِ غنیؓ ایک مرتبہ اس کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے تھے کہ حضورُ ختمِ رسالت، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مہرِ مبارک جو خلیفہ اول و دوم کے پاس سے ہوتی ہوئی حضرت عثمان غنیؓ کی انگشت تک آئی تھی وہ مبارک انگشتری اِس کنوئیں میں گر گئی تھی،

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر بھی سنہ ہجری میں حضورُ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدر صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے ایک قطعہ زمین کو مسجد میں شامل کرنے والے کو جنّت کی بشارت دی۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے بیس ہزار درہم ادا کر کے یہ زمین مسجد میں شامل کر دی۔ اپنے عہدِ خلافت ۲۹ سنہ ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ازسرِ نو توسیع کی۔ پہلی مرتبہ چونے کا مسالہ اور ستونوں میں لوہا استعمال کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے تعمیر کرائے ہوئے چھ دروازوں میں سے چار دروازے مسجدِ نبوی میں اب تک موجود ہیں۔

غلاموں کو آزاد کرانا، مقروضوں کو قرض سے نجات دلانا، ان کا جذبۂ سخاوت تھا۔ حضورؐ کی دو صاحبزادیوں، رُقیہؓ، اُمِ کلثومؓ کے شوہر حضرت عثمانؓ صاحب الرائے۔ عابد و زاہد، حد درجہ باحیا، خوش کلام، اور خوش رو شخصیت تھے۔ اُدھر زرقانی نے شرح مواہب

اور اصبہانی نے الخمیتس میں لکھا ہے کہ رقیہؓ حضور اکرمؐ کی صاحبزادیوں میں سب سے خوب رو تھیں۔ سیدنا عثمانؓ وعدے کے پکے اور عمل میں کاملاً سچے تھے۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ مبارک جان سے زیادہ عزیز تھا۔ غزوات، ذات الرقاع اور غزوہ بنی غطفان، دونوں مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینے میں انھیں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

جب ایک عجمی سازش کے تحت ایرانی غُلام ابُولُولُو فیروز کے ہاتھوں سیّدنا عمرؓ بن خطاب کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا اور ۲۴ھ ہجری میں حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے تیسرے امیر منتخب ہوئے تو انھوں نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرما دیا۔

"جو گزر گئے، اُن سے عبرت پکڑو اور سعی و کوشش کرو غفلت شعاری اختیار نہ کرو۔ وہ اہلِ دنیا کہاں ہیں جنھوں نے دنیا کو بویا، جوتا اور آباد کیا۔ اور طویل مدت تک اس سے بہرہ ور ہوئے۔"

طبری میں عبداللہ بن عُتبہؓ کی روایت سے وہ خطبہ بھی نقل کیا گیا ہے، جو حضرت عثمانؓ نے منبر نبویؐ پر تشریف فرما ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور انورؐ کی مدح وستائش کے بعد مسلمانوں کی بیعت حاصل ہونے کے بعد دیا تھا۔

"میرے نازک کندھوں پر یہ بار گراں ڈال دیا گیا ہے جسے میں نے قبول کر لیا ہے۔ سُن لیجئے میں کتاب و سُنّت کی اتباع کرنے والا ہوں۔ میں اپنی طرف سے بدعت اور ایجاد کرنے والا نہیں۔ پھر سُن لیجئے! کتاب اللہ و سنّت رسول اللہؐ کے بعد تمہارے مجھ پر تین حق ہیں (۱) حضرات شیخین کی اتباع، جن امور کے

اُمت کا اجماع ہو جائے اور اہل خیر کی سُنت پر
عمل پیرا ہونا (۲) اپنے آپ کو تم سے روکے رکھنا
سوائے ان امور کے جن کو تم خود واجب کر لو۔ سُن لو۔
دنیا بلاشبہ ایک سبز باغ ہے۔ جو لوگوں کے دلوں کو
لبھاتی ہے اور اس کی طرف بہت سے لوگ جُھک جاتے
ہیں۔ جان لو کہ دنیا کسی کو نہیں چھوڑتی۔ سوائے اس
کے جو اسے چھوڑ دے۔" (حصہ سوئم صفحہ ۴۴۶)

۲۴ھ تا ۳۵ھ ہجری خلافتِ عثمانؓ کا دور بارہ سال پر محیط ہے۔ اس دوران فاروقی عہد کی ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل رقبے کی اسلامی ریاست میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ شورشیں فرو کی گئیں۔ عجمی منافقین کی ریشہ دوانیوں پر عساکر اسلامی غالب رہیں۔ ایران پر مکمّل فتح یابی کے علاوہ اسکندریہ، آذربائیجان، آرمینیا، ایشیائے کوچک، کرمان، طبرستان، سجستان، کابل، بلاد غزنہ۔ طرابلس، جزیرہ قبرص اور سواحل شام کے معرکے سر کیے گئے۔ اس طرح مرکز خلافت مدینہ کا حلقہ اثر غیر معمولی وسیع ہوا۔ سرکاری ملازمین اور مستحقین کے وظائف میں بھی معتدبہ اضافے ہوئے۔

دو اور اہم واقعات بھی اسی دوران رونما ہوئے اولاً یہودی النسل عبداللہ بن سبا کی درپردہ منافقانہ سازش کے نتیجے میں مملکت کے متعدد علاقوں میں خلیفۃ المسلمین کے خلاف جھوٹے الزامات اور افواہوں کا نہایت عیّاری سے پھیلایا جانا۔ دوئم۔ باغیوں کا خُفیہ انداز سے حج کے موقع پر مدینے میں جمع ہو جانا اور مدینے میں عام شورش برپا کر کے امیرالمومنین عثمانؓ بن عفان کی قیام گاہ کا محاصرہ کرنا۔ کتب تاریخ میں حضرتِ عثمانؓ کے دو مکانات کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن دونوں ہی مسجدِ نبویؐ کے مشرقی سمت واقع تھے۔ ان میں ایک چھوٹا، دوسرا بڑا۔

مصنفؒ وفاء الوفا کا بیان ہے کہ پہلا مکان وہی ہے جو رباطِ عثمانؓ کے نام سے مشہور رہا۔ حضرت عثمانؓ کے دشمن اسی مکان کی دیوار پھاند کر بڑے مکان میں داخل ہوئے۔ جہاں حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ حضرت نائلہؓ کے ساتھ مقیم تھے۔ اس مکان کی جگہ اب رباطِ اصفہانی (اصفہانی مسافرخانہ) بنا ہوا ہے۔ "آثارِ مدینہ" کے مصنف کے مطابق یہی وہ جگہ ہے جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کے چچا اسد الدین شیر کوہ کی قبر بنی ہوئی ہے۔ نیز اسی کے متصل سلطان صلاح الدین ایوبی کے والدِ بزرگوار دفن ہیں۔ جس مکان کے جنوبی گوشے میں حضرتِ عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی، کہا جاتا ہے کہ وہ چھٹی صدی ہجری تک اصلی حالت میں موجود تھا۔ ابنِ جبیر شہادتِ عثمانؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مکان جو باب جبرئیل کے بالمقابل ہے۔ وہی ہے
جس میں آپ شہید ہوئے تھے۔"

اس طرح سمت اور مکان کے مقام کا تعین تو ہو جاتا ہے لیکن مسجد نبویؐ کے جدید توسیعی منصوبے کے مطابق رہائش گاہِ عثمانؓ کی اصل حالت میں تلاش ممکن نہیں۔ لیکن اس المناک واقعہ کی روح فرسا تفصیلات اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں۔

سیّدنا عثمانؓ کیلئے بیعتِ رضوان

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں حضرتِ عثمانؓ کی رفاقتِ نبویؐ، دین سے اخلاص اور ان کے عظیم المرتبت صحابیٔ رسولؐ ہونے کے تفوق کا انوکھا تجربہ ہوا۔ حضرت رحمتِ عالمؐ نے عمرہ ادا کرنے کا اعلان کر دیا۔ چودہ سو صحابہ کی ایک جماعت تیار ہو کر مدینے سے مکہ روانہ ہو گئی۔ مسلمان قریب پہنچے تو اہلِ مکہ نے اُسے

حملہ کی نشانی سمجھا۔ ایک مسلّح دستہ روانہ کیا جو مسلمانوں کے نرغے میں پھنس گیا۔ بہر حال حضور رحمۃ للعالمین نے صرف عُمرہ کی نیت سے آنے کا پیغام بھیجا۔ مشرکین نے چُپ سادھ لی اور اب مسلمانوں کی سفارت کے لئے قرعہ فال سیدنا عثمان رضؓ غنی کے نام پر نکلا۔ سیدنا عثمان رضؓ تعمیلِ ارشادِ نبوی میں مکّہ چلے گئے۔ جہاں مخالفینِ اسلام نے انھیں روک لیا۔ سارے مکّے میں حتّٰی کہ جہاں مسلمان خیمہ زن تھے۔ قتلِ عثمان رضؓ غنی کی افواہ پھیل گئی۔

مسلمانوں میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ حضور رحمتِ مجسم ؐ نے سُنا تو چہرہ انور شدتِ جذبات سے سُرخ ہوگیا۔ آقائے دوجہاںؐ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور سفیرِ اسلام حضرت عثمان رضؓ کے خُون کا بدلہ لینے تک مکّہ سے واپس نہ جانے کا عہد و پیمان اس طرح باندھا کہ ایک ایک مسلمان مجاہد آتا اور اللہ کے رسول صلعم کے دستِ حق پرست پر اپنا ہاتھ رکھتا اور دوسرا دستِ مبارک رکھ کر پیغمبر اسلامؐ بیعت لیتے اس طرح یہ بیعتِ رضوان اور بیعت الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوئی۔ سُبحان اللہ سیدنا عثمان رضؓ جامع القرآن کی ایک جان کے لئے ۱۴سو ذی قدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔

قریش مکّہ کی جانب سے حضرت عثمان رضؓ کو روک لینا خود اُن کے لئے مستقل ہزیمت کا باعث بن گیا۔ وہ حضرتِ عثمان رضؓ کا بال بیکا نہ کرسکے۔ بلکہ حضرت عثمان رضؓ کو اپنے نبیٔ برحق اور رفقائے قافلہ کے بغیر تنہا طواف کی جو پیش کش کی گئی۔ بندوں کا یہ احسان انھوں نے قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ جب قریش مکّہ کے سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے حضور رسالتمآبؐ سے مسلمانوں کے جوشِ عقیدت کا احوال جاکر سنایا تو امرائے مکّہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ صرف جھوٹے وقار اور انا کا مسئلہ باقی تھا۔ جس کے لئے "صلح حدیبیہ" کا معاہدہ طے پایا۔ وقتی طور پر مسلمانوں کو عمرہ کئے بغیر

واپس جانا پڑا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یہ "صلح حدیبیہ" مسلمانوں کے لئے فتح مبین بن گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے حضور رسالتمآب ﷺ نے جس انداز سے زندگی میں پہلی بار بیعت لی تھی، اُس پر اللہ جل جلالہٗ نے خود مہرِ تصدیق ثبت فرمائی

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

(سورۃ الفتح آیت ۱۸)

عثمانؓ زہد و عبادت میں

"یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوا۔ جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو اس نے جان لیا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا۔ پس ان پر تسکین نازل کی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح دی۔"

صحابیِ رسولؐ حضرت عثمانؓ اخلاقِ حمیدہ کا پیکر، شرم و حیا میں لاثانی، بلند پایہ فقیہہ دین، تہجد گزار، شب بیدار اور حافظِ قرآن تھے۔ زہد و عبادت میں بزرگِ کامل۔ امیر المومنین عثمانؓ کا اپنا موقف حیات یہ تھا کہ:

"بندگی اس کو کہتے ہیں کہ احکامِ الٰہی کی حفاظت کرے اور جو عہد کسی سے کرے اس کو پورا کرے اور جو کچھ مل جائے اُسی پر راضی ہو جائے اور جو نہ ملے اس پر صبر کرے۔"

اِسی لئے سیّدنا عثمانؓ جب قریشِ مکہ میں گھر گئے تو ذرہ بھر ہراساں نہ ہوئے، اور جب مدینے میں اُن پر باغیوں نے یلغار کی تو اپنے اخلاص و ایمان پر ثابت قدم رہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ بیعتِ رضوان کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یہی تھا

"عثمان رضؓ، اللہ اور رسول صؐ کے کام پر گئے ہوئے ہیں۔"

اور اللہ کے رسول صؐ، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے دُعا فرماتے تھے۔

"اے اللہ! یہ بیعت عثمان رضؓ کی طرف سے ہے، جو تیری اور تیرے رسول صؐ کی فرمانبرداری میں مکّہ گئے ہوئے ہیں۔"

اس موقع پر ارشادِ باری تعالیٰ :-

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

"بے شک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔"

(سورہ الفتح۔ القرآن)

حضور سرورِ عالم شفیع المذنبین نے ایک موقع پر حضرتِ عثمان رضؓ کو جنّت میں اپنا رفیق ہونے کی بشارت دی تھی۔ بالآخر اس کے پُورے ہوجانے کا وقت آپہنچا۔ سیّدنا عثمانِ غنی رضؓ کی خلافت کے بارہ سال مکمّل ہونے والے تھے، اور سبائی فتنہ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ کر خلافتِ عظمیٰ کے مرکزِ اعلیٰ کی حُرمت برباد کرتے مدینہ میں داخل ہوچکا تھا افواہوں کا اتنا زور تھا کہ کسی کو حقیقتِ حال دریافت کرنے کی مہلت حاصل نہ تھی۔ دشمن ہتھیار اور حربے دونوں تیز کر کے لایا تھا۔ حرم نبوی صؐ، مسجد نبوی صؐ اور رہائش گاہِ عثمان رضؓ میں قُربت ہی قربت تھی۔ فاصلے نہ تھے۔ باغیوں نے امیرالمومنین عثمان رضؓ بن عفان کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ خوراک اور پانی کی رسد بند کردی گئی۔ مسجد نبوی صؐ کے آخری خطبہ میں حضرتِ عثمان رضؓ نے اہلِ مدینہ کو باخبر کیا کہ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں خوفِ خدا سے بے نیاز ہیں۔ لیکن فتنہ انگیز سبائیوں نے منصوبہ منظم بنایا تھا، صحابہ کبار رضؓ نے مداخلت کر کے

حقیقتِ حال واضح کرنا چاہی، لیکن بے سود۔ اس کے بعد خلیفہ راشد اپنی اہلیہ حضرت نائلہؓ کے ہمراہ گھر میں محصور ہو گئے۔ لیکن انھوں نے صاف طور پر فرما دیا۔

"میں مدینہ طیبہ (دارِ ہجرت) اپنے آقا محمد مصطفےٰؐ کا قُرب اور ہمسائیگی چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

انھوں نے دیارِ نبیؐ میں اپنی خاطر تلوار چلانے کو بھی منع کر دیا۔ "الہدایہ والنہایہ" میں مذکور ہے کہ سیدنا علیؓ کے صاجزادگان جناب حسنؓ، حسینؓ ان کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ مرکزِ خلافت پر تعینات رہ کر حتی الوسع خلیفہ راشد کا دفاع کرتے رہے۔

دن گزرتے رہے۔ محاصرہ جاری رہا۔ تو ایک روز خلیفہ راشد عثمانؓ اپنے مکان کی چھت پر آئے۔ باغیوں سے مخاطب ہوئے۔ تاریخ سیر کی کتابوں میں اس خطاب کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ لیکن اس مدلّل خطاب کی تائید کے باوجود باغیوں نے اپنا منصوبہ مکمّل کیا، اور گھر میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ پر اُس وقت قاتلانہ وار کیا، جب وہ روزے سے تھے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا اجماع ہے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے۔ آپ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا۔

بسم اللہ توکلت علی اللہ اور قرآنِ کریم کی جو آیت
خونِ عثمانؓ سے سُرخ ہو گئی وہ یہ تھی۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ
اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (سورہ البقرۃ)

اللہ تمہارے لئے کافی ہے اور سننے والا اور جاننے والا ہے۔

امام ابنِ کثیر فرماتے ہیں: "متعدد روایات سے ثابت ہے۔ خونِ عثمانؓ کے پہلے قطرے اسی آیت پر گرے" قاتلانِ عثمانؓ نے نہ حرمِ نبویؐ کی پروا کی نہ قرآن کریم کی حرمت کا لحاظ کیا۔ اِس مظلومانہ شہادت کے دوران ایک مرتبہ قاتل کا وار روکتے ہوئے حضرت نائلہؓ کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اور اُنھیں کٹی ہوئی انگلیوں کے ہاتھ میں چراغ تھا۔

اور جنازہ سوئے جنّت البقیع اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کی ہدایت اور ایما کے مطابق۔ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت صہیبؓ جنازے میں شریک تھے۔ حضور اکرمؐ کی دائی حلیمہ سعدیہ کی قبر کے نزدیک میتِ عثمانؓ اتاری گئی۔ اور دفن کی گئی جناب محمد رضا مصری کی تصنیف "سیرت عثمانؓ بن عفان" سے ماخوذ حضرت نائلہؓ اہلیہ شہیدِ مظلوم عثمانؓ غنی کے اس خطاب کے کچھ حصے یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ جو انھوں نے اپنے شوہر خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ پر سنگدلانہ حملے کے وقت قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائے

حضرتِ نائلہؓ بنت الفرافصۃ کا خطاب

"اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ـــ ذو النورین حضرت عثمانؓ تمہارے سامنے مظلومانہ حالت میں قتل ہوئے۔ ان کا قتل معذرت خواہی اور عوام کی مرضی و اعتماد حاصل کر لینے کے باوجود ہوا۔"

"میرے یہاں کھڑے ہونے پر تعجب نہ کرو اور میری باتوں کو بھی فضولیات خیال نہ کرو۔ میں بسمل ہوں، اشک ریز ہوں۔ مجھ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ میں عثمانؓ بن عفان کے جانکاہ صدمے سے دو چار ہوئی۔ وہ عثمانؓ جو رسولؐ کے دور میں صاحبِ فضیلت، مرجع انام اور نبی کریمؐ کی مجلسِ مشاورت میں صاحب الرائے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ رسول اللہ کے تیسرے جانشین تھے۔ وہ پسندیدہ و برگزیدہ شخصیت کے مالک تھے۔"

"مسلمانوں نے اُس وقت اپنی سلطنت و قوت کی نگہداشت اُن کے حوالے کی۔ جب وہ کفر کے تاجداروں سے جنگ آزما تھے۔ عثمانؓ نے ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہوئے رسول اللہ اور اپنے پیش رو خلفاء کے طریق کار کی اقتدار کی اور ـــ شیطانی نظامِ زندگی اور اسلام سے بغاوت و انحراف کو پسپائی ہوئی، سرکشوں کی سرکشی کا قلع قمع کیا۔

"تم نے اُس سے جھگڑے اُٹھائے اُس نے تمہیں ڈھیل دی۔ اور محبت کا اظہار کیا۔ تمہارا یہ "جرأت مندانہ کارنامہ" اور بغاوت ہمیں بھی "تسلیم" ہے۔ اُس نے بھائی بن کر تمہارے حق کی رہنمائی کی اور تم نے اُس کو شیطان بن کر فریب دیا طل میں مبتلا کیا۔ وہ اُن خلفاء کی سیرتوں کے بعد تمہارے سامنے نمودار ہوا تھا۔ جو تمہارے حق میں سخت تھے اور تم اُن کو نہایت سخت و شدید شمار کرتے تھے۔ اس کے متبادل نظام میں تمہارے سامنے یہ ہوا کہ سختی نہ رہی۔"

حضرت نائلہ رضؓ نے فرمایا: تمہارے معاملات حسن و خوبی سے سرانجام پانے لگے۔ مگر تم اس کے ساتھ خیانت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اِن احوال و مصالح کو خوب دیکھ رہا تھا۔ عثمان کا ظرف بھی قابلِ داد تھا کہ اس نے تمہارے کھوٹے ضمیر دیکھے۔ تمہارے ظاہر و باطن کو پرکھا۔ تم نے اس میں جاہ و جلال اور شان و شوکت نہ دیکھی۔ تمہارا یہ خیال تھا، کہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں ہی کو فتح دیتا ہے۔ اس لئے تم نے دشمنوں کا سا سلوک کیا۔ تم نے اس کا خون بہایا۔ اس کے حرم کو بے حُرمت کیا حضرت نائلہ نے خبردار کیا۔ "تمہارے پوشیدہ عزائم تم کو غلامی کے طوق پہنائیں گے۔ تمہارے راستے یکسر پراگندہ ہو کر رہ جائیں گے۔"

"واجب احترام خاتون نائلہ رضؓ نے بے جھجک کہا:" اس کے بعد تم کو عثمان رضؓ یاد آئے گا۔ لیکن عثمان رضؓ تم کو نصیب نہ ہوگا۔ تم اس کے جانے کے بعد اللہ کی ناراضگی برداشت نہ کرسکو گے۔ بُرائیوں کے دانت تیز ہو رہے ہیں۔ باطل کی نگاہیں ہر طرف سے تعاقب میں ہیں۔ ناممکن ہے عثمان رضؓ کے کارناموں کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔"

اگر تم نے خلافتِ عثمانی کو وحشت آلود نگاہوں سے دیکھا تو ابھی اور بھی بہت کچھ وحشت افزا نظروں سے دیکھنا ہوگا۔ مگر اب کوئی ندامت کام نہ آئیگی تمہاری کوئی عُذر خواہی نہ سُنی جائے گی۔"

(اُردو ترجمہ بحوالہ سیدنا عثمان رضؓ ۔ مرتبہ محمد نصیر ہمایوں)

امیر المؤمنین
سیدنا علیؓ المرتضیٰ

نام نامی، اسمِ گرامی، تاریخِ اسلام کا ایک عنوانِ زرّیں، علیؓ ابن ابی طالب، ملتِ اسلامی کے چوتھے خلیفہ راشد، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سلطان الانبیآء والمرسلین رحمۃ للعالمین رسول اللہ، مامور من اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّ زاد اور عزیز داماد، کُنیت ابوالحسن، ابُوتراب لقب، ——— ، مکّہ مکرّمہ میں ولادت ہوئی۔ آپ کے خاندان کو خانہ کعبہ کی تولیت کے باعث عربوں میں درجۂ سیادت حاصل تھا۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت خاصے کمسن تھے۔ اعلانِ نبوّت کے وقت اکثر روایات کے مطابق عمر آٹھ یا دس سال کی تھی۔

فخرِ عارفین و متقین سیّدنا علی المرتضیٰ کا تعلّق نسبی اس طرح ہے:۔ علی ابنِ ابُوطالب ابنِ عبدالمطلب ابنِ ہاشم ابنِ عبد مناف ابنِ قصی بن کلاب۔ جب کہ آپؓ کی والدہ کا نسبی تعلق اس طرح ہے اُمّ علی فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم۔ یہ بزرگ خاتون رسولِ مُعظّم، شافعِ محشر، صلی اللہ علیہ وسلّم کے جدِّ امجد عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں۔ عبدالمطلب کے فرزند عبد مناف کے نکاح میں آئیں۔ جن سے حضرت علی المرتضیٰؓ پیدا ہوئے۔ عبد مناف اپنے بڑے بیٹے طالب کی مناسبت سے ابوطالب کہلائے۔ اس طرح فاطمہ بنتِ اسد سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کی خوشدامن تھیں۔ فاطمہ بنتِ اسد کے مشرف بہ اسلام ہونے اور مدینے ہجرت کرنے کا ذکر کُتب تاریخ و سیر میں ہے۔ حضور نبیُ رحمتؐ کے عہدِ رسالت میں مدینہ منورہ میں ہی وفات پائی۔ اگرچہ آپ کے شوہر ایمان نہیں لائے، لیکن آپ اور آپ کی بعض اولاد نے (خوش دلی سے) اسلام قبول کیا (اسلامی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۱۳۹)

جناب عبدالمطلب نے دو شادیاں کیں۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے نو بیٹے موجود تھے جن میں زُبیر بڑے تھے۔ انھوں نے قریشِ مکّہ کے دستور کے مطابق منصبِ جانشینی سنبھالا۔ طبقاتِ ابنِ سعد کے مطابق زبیر انصاف پرور تھے۔ مظلوموں کی حمایت اور انصاف قائم رکھنے کا جو معاہدہ حلف الفضول ہوا۔ وہ انھیں کی تحریک تھی۔ خاندان ہاشم، اسد، تیم، زہرہ وغیرہ کے مابین ہونے والے اس معاہدے کے موقع پر سیّد الکونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی موجود تھے۔ اُس وقت آپؐ کی عمر تقریباً بیس برس تھی۔ زبیر بن عبدالمطلب کے بعد جناب ابوطالب نے یہ ذمّہ داری سنبھالی۔ لیکن وہ کثیر العیال ہونے کے علاوہ ضعیف العمر اور اُن کے معاشی وسائل محدود تھے۔ اس لئے اپنے کم سن عم زاد علیؓ کی کفالت، تربیت، اور سرپرستی سیّد المرسلین، حضرت آقائے مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم، نے سنبھالی۔

حضور اکرمؐ کے چچا حضرتِ عباسؓ نے اپنے حقیقی بھائی ابوطالب کی ذمہ داری بانٹ لینے کے خیال سے اُن کے ایک بیٹے جعفرؓ کی کفالت کا فرض سنبھال لیا۔

یہ وہی جعفرؓ بن ابی طالب: حضور نبی اکرمؐ کے چچیرے بھائی اور حضرت علیؓ ابن ابوطالب کے سگے بھائی ہیں کہ نہ صرف ابتدائی دور میں اسلام کی حقّانیت قبول کی بلکہ حبشہ جانے والے مسلمانوں کی ہجرت اول میں حضرتِ جعفرؓ بھی اپنی اہلیہ اسماء بنتِ عمیس کے ساتھ وہاں گئے۔ امرائے مکّہ نے اِن مہاجرین کے خلاف شاہ نجاشی کے پاس اپنے سفارت کار بھیجے تو یہی جعفر طیّارؓ مہاجرینِ مکّہ کے وکیل و ترجمان بن کر دربار نجاشی میں پہنچے اور ایسا شاہکار خطبہ دیا کہ شاہِ نجاشی بھی اس انداز خطابت اور تعلیماتِ نبویؐ کی تشریح و وضاحت سُن کر حیران رہ گیا۔ اور اُس نے سفیران قریش کو (جو نہایت قیمتی تحفے لے کر آئے تھے۔) صاف جواب دے دیا۔

"خدا کی قسم! میں اِن مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔"

حضرت جعفرؓ بڑے شجاع، نڈر، اور بلند حوصلہ صحابی تھے۔ موتہ کے مقام پر مسلمانوں کا مقابلہ شرحبیل کی ایک لاکھ فوج سے ہوا۔ ان کی جنگ جوئی کے واقعات نے ہر شخص کو انگشت بدنداں کر دیا۔ دونوں بازو کٹ جانے کے باوجود انھوں نے پرچمِ اسلام سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی میدانِ کارزار میں پوری طاقت سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان کو حضرتِ جعفرؓ کی جستجو اور تلاش ہوئی تو دیکھا، صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے۔ دوسری روایت میں ہے۔ لاش پر نوّے زخموں سے خون بہ رہا تھا۔ لیکن کوئی بھی زخم پشت پر نہیں تھا۔ وہ بہادر بھی تھے، فیاض اور ذوالہجرتین بھی۔

واللہ یہ کیسی داستانِ شجاعت ہے کہ صرف تین ہزار مجاہدین، ایک لاکھ مسلح لشکر کے مقابلے پر، اس شان سے لڑے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق پہلے امیرِ لشکر زیدؓ بن حارثہ شہید ہو گئے تو ان کی جگہ جعفرؓ ابنِ ابی طالب نے لے لی۔ اور جب وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے لشکرِ اسلامی کی قیادت سنبھال لی۔ تا آنکہ دشمن مکمل طور پر زبردست اور درونِ ہزیمت آجائے پرچمِ اسلامی فضا میں بدستور لہراتا رہے۔ یہ ناقابلِ یقین اور تہلکہ خیز کارنامہ شجاعت کا ہے اور اس روداد کا ایک چشم کشا منظر، یہ روایت بھی پیش کرتی ہے کہ حضرت زیدؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ تینوں شہدائے اسلام ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے، گویا جہاد میں بھی ہمقدم اور لحد میں بھی رفیق۔ سبحان اللہ!

یہاں مدینہ منورہ میں برستی ہوئی رحمت کی گھٹاؤں کا ایک اور منظر یاد آتا ہے، جو ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔ ہجرتِ نبویؐ کا چھٹا سال ختم ہو گیا ہے۔ غزوہ خیبر ۷ھ ہجری میں مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش بن کر آیا اور بالآخر مجاہدینِ اسلام نصرتِ الٰہی اور اس کی تائید سے فتح یاب اور فیضیاب ہوئے، ادھر خیبر کی فتح کی خبر سے مدینے میں دھوم مچی ہوئی ہے

اُدھر حضرت جعفرؓ طیار حبشہ کی ہجرت مکمل کر کے مدینے میں سید المرسلین رحمۃ للعالمینؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ مدینے کو اور مدینے کے مجاہدینِ اسلام کو اب ان کی ضرورت ہے۔ حضور رحمتِ عالم، فخرِ کونینؐ حضرتِ جعفرؓ کو دیکھ کر گلے لگا لیتے ہیں اور اُن کی پیشانی کو چوم کر فرماتے ہیں:۔

"میں نہیں جانتا مجھے جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔" (۱-۱-ص ۶۲۳)

ہم گزشتہ سطور میں سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ کی آقائے دو جہاںؐ سے کم سنی میں ہی گہری قربت کا ذکر کر آئے ہیں۔ اُن کے لئے گویا نگہداشت اور رہبری بھی، سید الکونین حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اور فیضانِ تربیت بھی نبی کریمؐ رحمتِ مجسم کا۔ سیرتِ علی المُرتضیٰ رضؓ کو روزِ اول سے ہی دیکھنا اور سمجھنا قرینِ دانش ہے۔ صدق و وفا اور حق پرستی کی فکر و نشوونما کا وقتِ آزمائش جلد ہی آ گیا۔ ابھی علیؓ کمسن تھے۔ بس کوئی آٹھ سال کا لڑکپن کا زمانہ۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے معبوث رسولِ آخریںؐ پر اپنی یہ ہدایت وحی فرما دی۔

کہ اپنے قریبی خاندان والوں کو عذابِ الٰہی سے باخبر کرو،
(پیغامِ ہدایت پہنچاؤ)

تو آپؐ نے افرادِ خاندان کو ایک ضیافت میں جمع کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لئے مبعوث فرمایا ہے، تم میں سے کون ہے جو اس کا اقرار کرے کہ اللہ واحد ہے اور میں (محمدؐ) اس کا رسول ہوں"

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ بنو ہاشم کے سبھی مدعوئین گہری سوچ میں پڑ کر خاموش ہو گئے۔ کہ ایک کم سن لڑکا بڑے اعتماد سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور رسول اللہ مامور من اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین، خاتم المعصومین کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"اگرچہ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں۔ میری ٹانگیں بھی پتلی ہیں اور میں عمر میں چھوٹا ہوں۔ مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دوں گا۔"

اور یہ تھے اسد کردگار، غم گسار، مہرِ منیر، شجاعت و جاں نثاری کی تفسیر، عم زاد سرورِ کائنات ابوالحسنؓ، اشجع الناس، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے بچپن سے لے کر عالمِ شباب تک اور جوانی سے لے کر سن رسیدگی تک اپنے اس قول کو نبھایا۔ گویا معمر خواتین میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ بن قحافہ۔ حضور اکرمؐ کے دستِ حق پر ایمان لاچکے تھے۔ اور بچوں میں حضرت علیؓ ایمان لانے والوں میں سبقت لے گئے۔ فیضِ تربیت براہِ راست رسول اللہؐ کا تھا اس لئے اس امتحان سے گزر کر نوجوان اور حوصلہ مند علیؓ اب دوسرے امتحان کے لئے آمادہ کئے گئے۔ مسلمانوں کی صعوبت نقطۂ عروج کو پہنچ گئی تو حکمِ الٰہی ہجرتِ ثانی کیلئے آگیا مدینہ جانے والوں کی تیاری ہی کیا تھی، گھربار، اثاثہ، سب کچھ، اللہ کی رضا پر قربان کرکے قافلۂ ہجرت کئی حصوں میں آمادہ سفر ہوا۔ حضور نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

وَاَمَرَ علیًا اَنْ یَبِیتَ فی مضجعه تلک اللیلۃ نیات فیہِ علیٌ وتغشّٰی بُردًا اَحمَرَ حضرمیًّا کَانَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بینامُ فِیہِ ۝

اور حکم دیا حضرت علیؓ کو آپ میرے بستر پر رات گزاریں۔ حضرت علیؓ نے حکم کے مطابق وہیں (حضور کی رہائش گاہ میں) رات گزاری اور آپؓ حضرمی سرخ رنگ کی چادر اوڑھ کر

سو گئے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سویا کرتے تھے)

(بحوالہ طبقات کبریٰ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفرِ ہجرت، سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ کے ہمراہ رات کی تاریکی میں نکل گئے۔ اگرچہ دشمنوں نے بیت الرسول کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور مکہ سے باہر جانے والے راستوں پہ پہرے دار تعینات کر رکھے تھے۔ لیکن جب پیغمبر اسلامؐ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ اکبر، اُن کے سامنے سے گزرے تو رب العالمین، حاکم مطلق نے اُنکی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا۔ وہ ان دونوں کو نہ پہچان سکے۔ بس رسول اللہ کی رہائش گاہ کو گھیر کر اپنی خون آشام تلواریں لہراتے رہے اور اِن تلواروں کے سائے میں جناب علی المرتضیٰ رضؓ بسترِ رسولؐ پر وہی چادر اوڑھے سوتے رہے۔"

اُنھیں تو اسی حکم کی تعمیل کرنا تھی اور مکہ والوں کی وہ امانتیں جو امین و صادق محمدؐ بن عبداللہ کے پاس وہ رکھ کر جاتے تھے واپس کر کے مدینہ جانے کی ہدایت ملی تھی۔ محبِّ صادق اسی طرح اپنے محبوب آقا اور ہادی کے لئے جان کی بازی لگایا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دشمن کو ہر مرحلے میں ہزیمت ہوئی اور جب مدینے میں مہاجرینِ مکہ بتدریج سب جمع ہو گئے تو اس اسلامی مرکز ریاست کے قیام اور دفاع کے لئے قربانیاں دینے کا مرحلہ آیا۔ سیدنا علیؓ کسی موقع پر بھی پیچھے نہیں رہے۔ اور اِن صحابہ کرامؓ کے مابین بے پناہ اخلاص و محبت تمام فرزندان اسلام کے لئے ایک مثال بنی رہی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ کے فضائل و مناقب میں سب سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ غزواتِ نبویؐ میں اپنی خداداد شجاعت کی داد سب سے حاصل کی۔ کُفار و مشرکین کے بڑے بڑے خود سر اور مغرور سردار خم ٹھونک کر مقابلے پر آئے اور اپنے انجام کو پہنچے، لیکن بات اتنی ہی نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اصحابِ بدر میں شامل تھے جن کے لئے حضور رسالتمآبؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰہ قد اطلع علیٰ اَھلِ بَدر فقال
اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنۃ

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کو فرما دیا ہے۔ اب جو،
چاہے اعمال کرتے رہو، تمہارے لئے جنّت واجب ہو چکی ہے۔"

حضور اکرمؐ کی ایک دُختر سیّدہ فاطمہؓ سیّدنا علیؓ ابن ابی طالب کے عقد میں آئیں۔ اس طرح حضرت علیؓ عم زاد ہونے کے علاوہ دامادِ رسولؐ بھی ہیں۔

بدر، احد، احزاب، خیبر (غزوہ تبوک کے علاوہ) کوئی ایسا غزوہ یا معرکہ حق و باطل نہیں، جس میں حضرت علیؓ مجاہد اسلام کی حیثیت سے نہ لڑے ہوں۔ عبادت و ریاضت میں مجاہدہ نفس، اس پر مستزاد تھا۔

خلفائے راشدین میں آپ چوتھے نمبر پر شامل ہیں۔ اور انھوں نے اپنے جلیل القدر رفقار کی اصابتِ فکر سے محروم ہو جانے کے بعد مشکل ترین وقت میں یہ منصب سنبھالا۔

عشرہ مبشرہ میں جن صحابہ کرامؓ کو رسول اللہؐ مامور من اللہ نے اسی دنیا میں جنّت کی بشارت پہنچائی اُن میں سیّدنا علیؓ ابنِ ابی طالب بھی شامل ہیں۔ اِن صحابہؓ کو رحمتِ عالمؐ نے نام بنام اہل الجنّۃ فرمایا ہے۔

حضرتِ عثمانؓ کے قتل کی خبر پر جب سرورِ کائناتؐ نے مکہ کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر چودہ سو صحابہ کرامؓ سے (قصاصِ عثمانؓ) کی بیعت لی۔ اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور جنّت کی بشارت دی اُن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔

صلح حدیبیہ کا معاہدہ (جو بعد میں مسلمانوں کے لئے فتح مبین بن گیا۔) آپ ہی کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ کاتبانِ وحی میں بھی آپ کی خدماتِ جلیلہ شامل ہیں۔

عہدِ رسالتؐ ہو یا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرتِ عثمانؓ کا عہدِ خلافت آپ ایک صلح جو، عابد و زاہد، معاملہ فہم، دین کے نفع و نقصان سے باخبر، شخصیت

رہے اور خلفائے راشدین کو صائب مشورے دیتے رہے اپنی ذات اور اپنے خاندان، کے جاہ و حشم کے لئے حکومت سے کبھی کچھ قبول نہیں کیا۔ فقر و فاقہ میں علم و فکر کے اہم مسائل اور تزکیۂ نفس کے رازہائے سربستہ میں جستجوئے حق کی اور دینی افکار کتاب و سنت کے ارفع مقاصد، توحید و رسالتِ آخریں کی اہمیت اور قرآنی دستورِ حیات کی جامعیت اور کاملیت کا ابلاغ اپنے خطبات میں نہایت فصاحت و بلاغت سے کرتے رہے۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ حضرات حسن و حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے والد بزرگوار بھی ہیں۔ جن نونہالوں کی محبت کی کشش بار بار اپنے واجب التعظیم نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی فاطمہؓ کے گھر لاتی تھی۔ مدینہ طیبہ کی مہکتی فضاؤں اور بارونق گلی کوچوں میں گزرنے والا جناب حسنینؓ کا بچپن اور عہدِ شباب، اِس شہرِ محبت کا ایک اور اثاثہ ہے، وہی نسبت جو خوش رنگ پھولوں کو اپنی سرسبز شاخ سے ہوتی ہے۔

معرکۂ خیبر میں مسلمانوں کو فتح یابی کے حتمی مرحلے تک پہنچنے کے لئے قدم قدم پر یہودیوں کی زبردست طاقت اور مدافعت سے واسطہ پڑا۔ طبقات ابنِ سعد نے ۹۶ میل کا فاصلہ بتایا۔ قسطلانیؒ نے مدینے سے خیبر کو چار منزل آٹھ برد پر لکھا۔ شامی میں ہے خیبر مدینے سے تین دن کے راستے پر ہے۔ اکثر مستشرقین نے یہ اندازہ قائم کیا کہ خیبر مدینے سے کوئی دو سو میل دُور۔ یہودیوں کا گڑھ تھا۔ بہر حال یہودیوں سے قبل یہاں عمالقہ آباد تھے۔ یہودیوں نے اسے دفاعی حصار بنا کر بسایا۔ یعقوبی، یاقوت اور بعض دیگر مورخین خیبر کی بستی کو سات قلعوں کا سلسلہ بتاتے ہیں۔ مثلاً (۱) ناعم (۲) قموس (۳) شق (۴) نطاط (۵) سُلالم (۶) وطیح (۷) کتیبہ۔ لفظ خیبر عبرانی زبان سے لیا گیا ہے۔ لغوی اعتبار سے خیبر مترادف ہے قلعہ کا۔ لیکن ایک وجہِ تسمیہ اور معلوم ہوئی کہ خیبر بن قانیہ ایک سردار تھا۔ اُسی کے

نام سے یہودیوں نے اپنے شہری اور فوجی گڑھ کو موسوم کر دیا۔ ہر قلعہ میں مسلح فوج اُن کو جیوں کا ایک نائب سردار، کیونکہ بڑا سردار، قوی الجثّہ یہودی پہلوان مرحب۔ خیبر کے سلسلے کے سب سے مضبوط قلعے، قموص میں اپنے مسلّح لشکر کے ساتھ رہتا تھا۔ زرعی پیداوار، سامانِ راحت و آسائش، تجارت و معیشت کی منصوبہ بندی، بہت سی دولت، اور سامانِ جنگ، اُس پہ ناقابلِ شکست ہونے کا غرور، جنگجو سرداروں کی نخوت، کون سی چیز اِن کے یہاں موجود نہ تھی، اور ہجرت کے ساتویں برس میں مدینے کے انصار و مہاجرین آقائے دو جہاں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں خیبر کی طرف یہودیوں کی مسلسل ریشہ دوانیوں کا فیصلہ کُن جواب دینے کے لئے چلے تو مجاہدینِ اسلام کا پورا لشکر صرف دو سو سواروں اور ۱۴ سو پیادوں پر مشتمل تھا۔ ابنِ ہشام۔ بلاذری۔ طبری، ابنِ قیم اور ابنِ اثیر محرم ۷ھ ہجری کا واقعہ بتاتے ہیں۔

پرچمِ اسلامی لے کر چلنے والوں میں حبابؓ بن منذر اور سعدؓ بن عبادہ عسکر اسلامی کے آگے آگے ہیں (ابنِ اثیر اور ماوردی، مسلمان مجاہدین کی مجموعی تعداد چودہ سو بتاتے ہیں) بہر حال حضور رحمتِ عالمؐ کا معمول اور اصول تھا کہ اگر کسی دشمن کے مقابلے پر رات کو پہنچتے تو حملہ کرنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ تذکار میں ملتا ہے۔ اس طرح سفارتی اور مصالحتی مذاکرات کی سہولت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع بھی مل جاتا چنانچہ یہاں بھی خیبر نظر آجانے کے باوجود عصر کے وقت، سرورِ کونین، رحمتِ مجسّم نے صہبا کے مقام پر لشکرِ اسلامی کو روک دیا۔ مسلمانوں نے صف بند ہو کر یہیں فجر تک کی نمازیں ادا کیں۔ علی الصبح آقائے دو جہاںؐ امیرِ لشکرِ اسلامی کی حیثیت سے حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت انسؓ کو ہمراہ لے کر خیبر کی بستی کے محلِ وقوع کا بخوبی جائزہ لے آئے، تاکہ عسکری حکمتِ عملی میں بہتری ہو،

بہر حال یہودی منظم ہو کر مقابلے پر آئے۔ پہلے روز اسلامی لشکر آگے بڑھا، تو

عامر بن الاکوع اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کرتے ہوئے آگے آگے تھے۔ پہلا قلعہ نایم مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ اس کے بعد دوسرا قلعہ، تیسرا قلعہ، چوتھا قلعہ اور پانچواں قلعہ بھی مجاہدین نے بے جگری اور سرفروشی سے لڑکر فتح کرلیا۔ اور اب باری تھی قلعہ قموص کی جو کہ براہِ راست یہودی سپہ سالار مرحب کی کمان میں تھا۔ اس قلعہ کے دفاع میں یہودیوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مرحب نے طاقت اور سامانِ جنگ سے لیس ہونے کی بناء پر ایک طرح مجاہدینِ اسلام کے جذبۂ حمیت و شجاعت کو کھلا چیلنج دے دیا تھا۔

صاحب "رزمِ حق و باطل" لکھتے ہیں۔

"آنحضرتؐ کو کبھی کبھی آدھے سر کا درد ہو جایا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ دو ایک روز رہتا۔ خیبر میں یہ درد شروع ہوا تو ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فوجوں کی کمان سنبھال لی۔ دوسرے دن حضرت عمر فاروق رضؓ نے۔ مسلمان بے جگری سے لڑتے رہے۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔" شام ہوئی فوجیں خیموں میں واپس آئیں تو جو کچھ رسالت پناہؐ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ تھا کہ "کل میں جو پرچم دوں گا، وہ فتح کا پرچم ہوگا۔"

واقعی یہ جنگ کیا تھی۔ یہودیوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اور حجاز میں سیاسی لحاظ سے بھی اُن کے لئے آخری مورچہ۔ اس لئے انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ مرحب کے ساتھ اُس کا بھائی یاسر بھی مشہور زور آور تھا۔ فیلِ مست کی طرح دونوں بھائی اپنے مسلح لشکر کا حوصلہ بڑھانے کے لئے سامنے رہتے، رسد اور سامانِ جنگ کی اُن کے پاس کمی نہ تھی۔

صبح ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں میں سرگوشی کا عالم تھا کہ سرورِ دو عالمؐ

سیدنا علی المرتضیٰؓ کا فخرِ کونین سے اندازِ محبت

وَكَانَ لَنَا كَالْحِصْنِ مِنْ دُوْنِ أَهْلِهِ لَهُ مَعْقِلٌ حِرْزٌ حَرِيْزٌ مِنَ الرَّدٰى

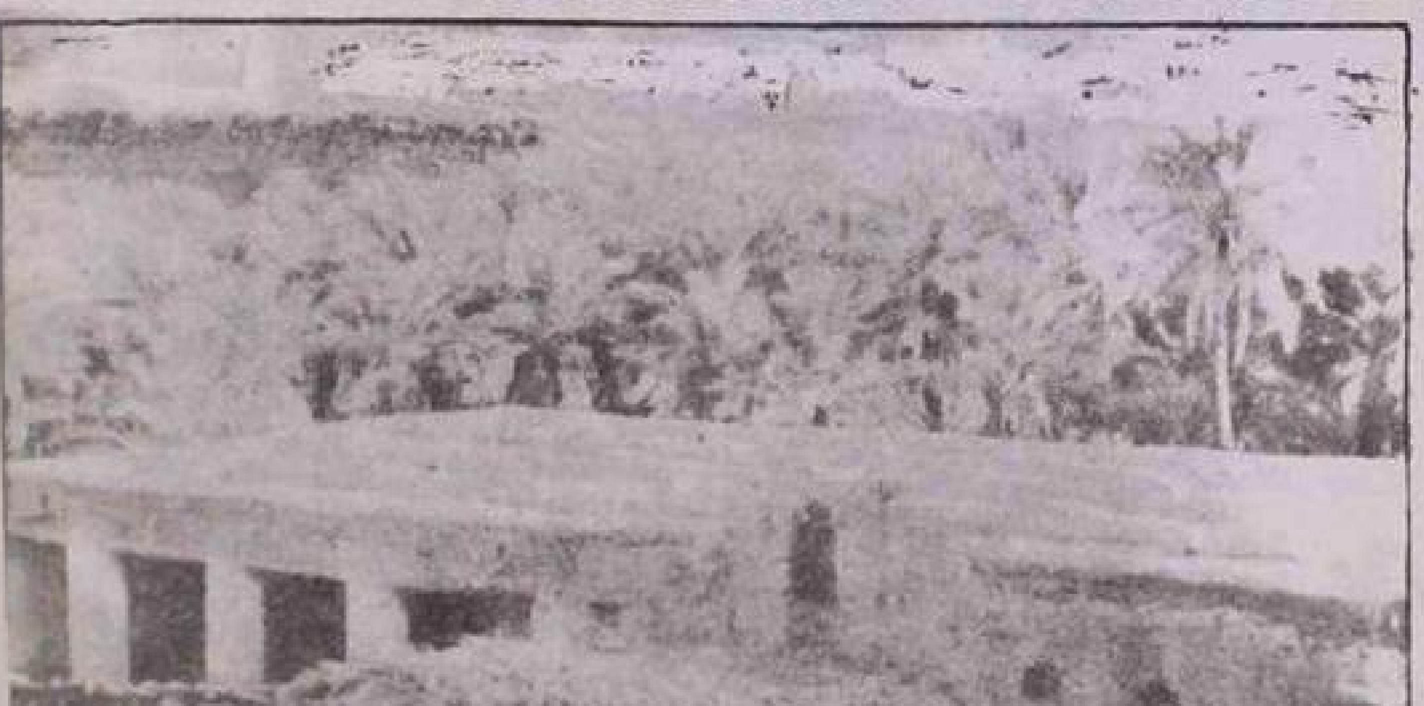
رسول اللہ ہمارے لئے ایک مضبوط قلعہ تھے کہ ہر دشمن سے پناہ اور حفاظت حاصل ہوتی تھی

وَكُنَّا بِمَرْآهُ نَرَى النُّوْرَ وَالْهُدٰى صَبَاحًا مَسَاءً رَاحَ فِيْنَا أَوِ اغْتَدٰى

ہم جب اُن کو دیکھتے تو سراپا نور و ہدایت کو دیکھتے صبح بھی اور شام بھی جب وہ ہم میں چلتے پھرتے یا صبح کو گھر سے نکلتے

رَزَانَا رَسُوْلُ اللهِ فِيْنَا فَلَنْ نَرٰى بِذَاكَ عَدِيْلًا مَا حَيِيْنَا مِنَ الرَّدٰى

رسول اللہ کی موت کی مصیبت ہم پر نازل ہوئی اور اب جب تک ہم خود جی رہے ہیں ان جیسا ہرگز نہیں دیکھیں گے



خیبر کے علاقے میں اُس مقام پر مسجدِ علیؓ جہاں یہودی سپہ سالار مرحب قلعہ کی حفاظت کر رہا تھا اور واصل بہ جہنم ہوا ؎

کسی مجاہد کو پرچم دیتے ہیں۔ شوقِ جہاد میں ہر ایک کی تمنا تھی کہ یہ سعادت اُسے حاصل ہو۔ اسی کشمکش و پیچ میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کو یاد فرما لیا۔ انھیں آشوبِ چشم کی تکلیف تھی۔ حضورؐ نے قریب بلا لیا۔ دونوں آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا، دُعا فرمائی اور قلعہ قموص کی فتح کے لئے پرچم سیّدنا علیؓ کو عطا فرمایا۔ ابنِ سعد کی روایت ہے کہ اس پرچم کا پھریرا سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ رنگ سیاہ تھا اور اسے عقاب کہتے تھے۔

ابنِ ہشام اور ابنِ اثیر کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عساکرِ یہود نے سیّدنا علیؓ المرتضیٰ کو میدانِ جنگ میں پرچم لے کر بڑھتے دیکھا تو کسی نے کہا: آج کون آ رہا ہے؟ کسی نے کہا علیؓ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے برملا کہا:" اے قومِ یہود! آج تیری خیر نہیں نظر آتی —!!"

مگر فخر و غرور کی لہر اُبھر کر یہودی لشکر کو جھوٹی تسلی دیتی ہے۔ ہمارا مرحب تنہا ایک ہزار کے برابر ہے۔ اُس نے بیس روز سے مسلمانوں کو لوہے کے چنے چبوائے ہیں۔ ہمیں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے —؟ لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو آثار یہود کے حق میں نہیں تھے گھمسان کا رن پڑا۔

قموص کا قلعہ واقعی محض پہاڑ تھا۔ دروازہ بھی مضبوط۔ لیکن علی المرتضیٰؓ کا زورِ بازو اس سے زیادہ کوہ شکن نکلا۔ نہ دروازہ باقی رہا نہ قلعہ کے محافظ زیادہ جم سکے۔

قموص فتح ہوا۔ سیّدنا علیؓ اسلامی لشکر سمیت اس قلعہ میں داخل ہو گئے۔ مرحب کا غرور اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا۔ اس سعادت کی پیش گوئی حضور اکرمؐ نے محمد بن مسلمہؓ کے حق میں کر دی تھی، مرحب کا بھائی یاسر حضرت زیدؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دونوں جہنّم رسید ہوئے۔ تو ان پہاڑ جیسی جسامت کے جنگجو سرداروں کی موت نے بچے کھچے یہودیوں کو بالکل دل شکستہ کر دیا۔ اور انھوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ دو قلعوں، وطیح اور

سلام میں یہودیوں کی عورتیں اور بچے تھے۔ اُن کی جان بخشی کے لئے یہودیوں کی درخواست آئی تو مسلمانوں نے پوری کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ پورے غزوہ خیبر میں مجاہدینِ اسلام کے دوش بدوش نبرد آزما رہے۔ لیکن خیبر کے قلعہ قموص کی فتح یابی نے حضرت علیؓ کے ولولۂ شجاعت کو تاریخ میں زندہ جاوید بنا دیا

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو (اصل الفاظ کے ساتھ) یہاں پیش کرنا نہایت ضروری ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قموص کی فتح کے لئے پرچم اسلامی کا دیا جانا حضرت علیؓ کے لئے سعادت ہی نہ تھی، اُن کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے۔

لاعطین ھٰذِہٖ الرّایۃ غدًا، رجلاً
یفتح اللہ علیٰ یدیہ یُحِبُّ اللہ ورسولہٗ
ویُحِبُّہٗ اللہ ورسولہٗ۔

"(کل ہم فوج کی قیادت) کا یہ جھنڈا اس شخص کو دیں گے
جس کے ہاتھ پہ اللہ فتح نصیب فرمائیں گے۔ اور وہ
شخص اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت بھی کرتا ہوگا
جبکہ اللہ اور اُس کا رسولؐ بھی اس سے محبت کرتے ہونگے)

فضائل و مناقب امیر المومنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو اجمال و تفصیل سے بیان کرنا ان محدود صفحات میں ممکن نہیں۔ لیکن یہ محاسن و اوصاف تاریخ کے جستہ جستہ واقعات سے قطع نظر احادیثِ مبارکہ ہی سے ثابت اور واضح ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

اَنْتَ مِنّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ
اِلّا اَنَّہٗ لانبیّ بعدی ٥

"تم (علیؓ) میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے
ہارونؑ تھے البتہ اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"

حضورؐ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عظیم المنزلت صحابہ کرامؓ اور رفقائے عظام کے بارے میں تجربہ کتنا وسیع اور مشاہدہ کتنا قوی تھا اسمیں کیسے کلام ہو سکتا ہے۔ ایک دور حضرت علی رضی اللہ عنہ' کا وہ ہے، جب اللہ کے مبعوث پیغمبر آخرؐ پر ایمان لانے کے بعد انھوں نے مکہ مکرمہ میں دینِ حق کے ستم پیشہ وجفاکیش مخالفین کی بھرپور مزاحمت دیکھی۔ شب ابی طالب میں تو حق پرست مسلمانوں پر قیامتِ صغریٰ ہی گزر گئی۔ پھر سلہ ہجری میں مدینہ منورہ ہجرت کے بعد ۱۲ ربیع الاول سلہ ہجری تک کا، غزوات، معاہدات، مسائل ومعاملات کا وہ عرصہ ہے کہ دونوں جہاں کے آقاؐ جب اپنے جسدِ خاکی کے ساتھ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ اس پورے عرصے میں سیّدنا علیؓ رسول اللہؐ کی رفاقت میں ثابت قدم اور اطاعت گزار رہے۔ وصالِ نبیؐ کے بعد خلیفۃ الرسولؐ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا سوا دو سال کا، امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کا بارہ سال کا۔ اور تقریباً اتنا ہی شہیدِ مظلوم سیدنا عثمانِ غنیؓ کا دورِ خلافت۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے نہ صرف بچشمِ خود دیکھا بلکہ اسلامی ریاست کے فروغ، اس کے دفاع اور استحکام میں بڑی بڑی ذمہ داریاں قبول کر کے خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔ وہ خلفائے راشدین کے بہترین معتمد، بہترین مشیر، اور ایک دوسرے کے جاں نثار دوست تھے۔ اگر کسی اہم مسئلہ پر اختلاف بھی ہوتا تو اصابتِ رائے کے باعث، دین کی بالادستی، اور کتاب وسنّت کے مفہوم ومقاصد میں پورے اخلاص کے ساتھ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نہ صرف اپنے صائب الرائے رفقاء سے مشورہ کرتے بلکہ اُن کے مفید اور مدلّل مشورے پر عمل بھی کرتے۔

شہادت کے المیہ کے موقع پر سیّدنا علیؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے اہل وعیال

کی جانیں بچانے کے لئے اور حرمِ نبویؐ کی حُرمت کے تحفظ کے لئے انتہائی مضطرب اور دل گرفتہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے دونوں نوجوان فرزندوں حضرت حسنؓ ابن علیؓ اور حضرت حسینؓ کو امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ کی رہائش گاہ پر تعینات رہنے کا حکم دیا تھا۔ **تقوٰ ما بابِ عثمان رضؓ**

حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرتِ عائشہؓ اور ام المومنین ام حبیبہؓ کو علم ہوا کہ سیّدنا عثمانؓ کے پاس خوراک اور پانی ختم ہو چکا ہے اور اُنھیں پانی کی شدید ضرورت ہے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ سے منسوب ہے کہ محاصرہ کرنے والوں نے حضرت علیؓ کو پانی پہنچانے سے روک دیا تو سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے پُر جلال لہجے میں باغیوں کو مخاطب کیا:۔

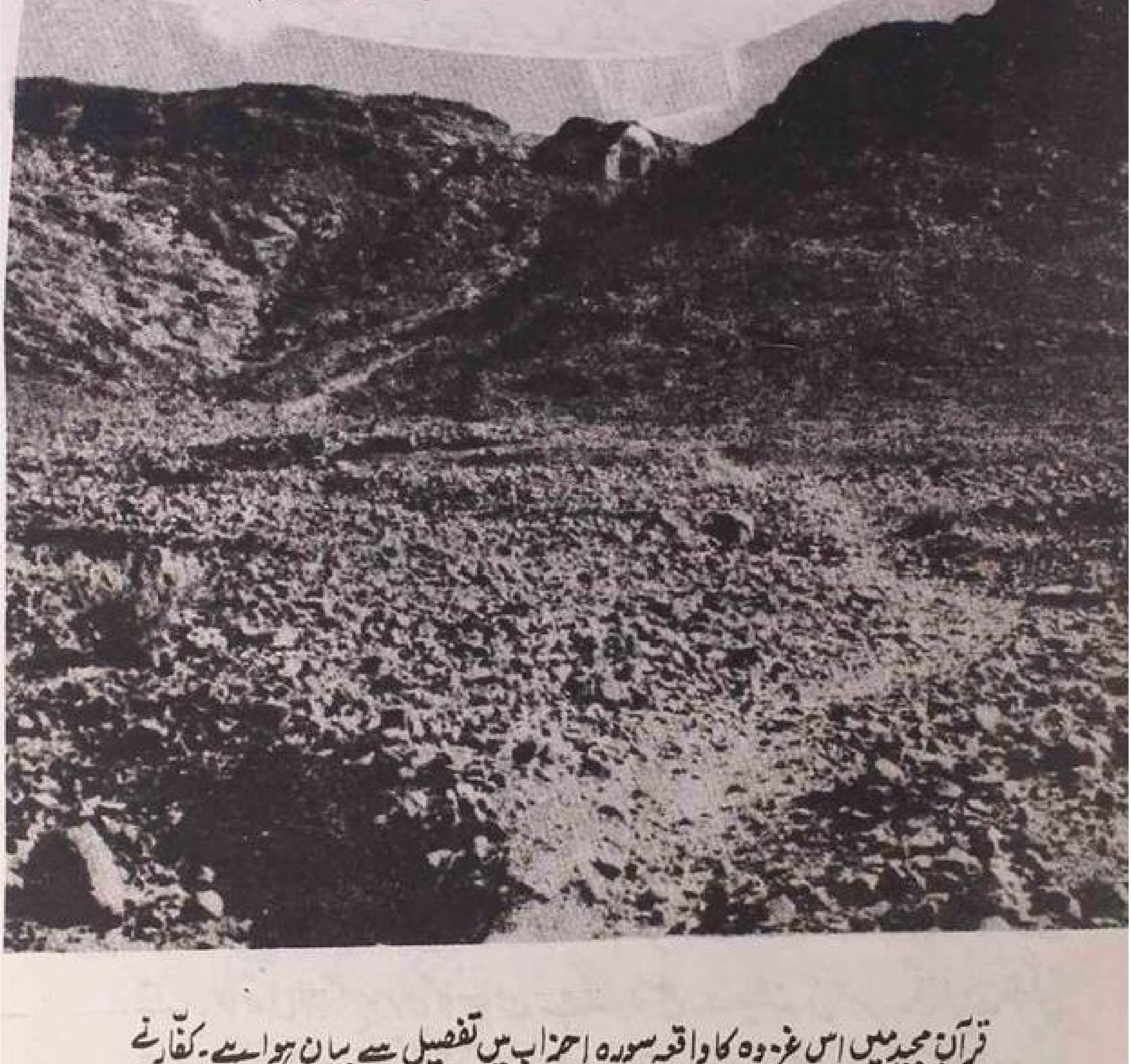
"جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ تو مسلمانوں کا دستور ہے نہ ہی کافروں کا۔ کھانے پینے سے تو روم و فارس کے کافر بھی کسی کو نہیں روکتے تھے۔"

فیما تستحلون حصرہٗ وقتلہٗ (کیوں محاصرہ اور قتل کو روا رکھے ہوئے ہو؟) یہ الفاظِ علیؓ جذباتِ علیؓ کے آئینہ دار ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کے مابین موجود محبت اور وفاشعاری کا درخشاں باب ہیں۔

جب شہادتِ عثمانؓ کے بعد سیّدنا علیؓ امیر المومنین ہوئے تو انھیں، اپنے عہدِ خلافت میں نہایت ہی صبر آزما مسائل، دشوار اور سرد و گرم مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ انھوں نے اپنی خلافت کے پہلے ایک سال اسی محرابِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو نماز پڑھائی خطبات دیئے۔ اور ملّتِ اسلامیہ پر علم و عرفان، تقرب الی اللہ، اور حُبِّ مصطفےٰؐ کے دریچے وا کئے۔ لیکن قصاص عثمانؓ کی تحریک کئی متوقع اور کئی انتہائی ناخوشگوار واقعات کا سبب بن گئی۔ وہ خلفائے راشدین میں واحد خلیفہ راشد ہیں جو اسلامی ریاست کا مرکز مدینہ منوّرہ سے بوجوہ کوفے گئے۔

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لئے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا

(اقبال)



قرآنِ مجید میں اس غزوہ کا واقعہ سورہ احزاب میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ کفار نے مسلمانوں پر اتنا زور باندھا کہ نمازِ ظہر، عصر اور مغرب کی ادائیگی مشکل ہو گئی۔ نصرتِ الٰہی کی بشارت کے بعد آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد کفارِ قریش کبھی مسلمانوں کے مقابل نہ ہوں گے۔ واقعی پھر ان کو مدینے پر حملے کی جرأت نہ ہوئی۔

مدینۂ منوّرہ کیلئے صحابہؓ کی جاں نثاری:

رمضان ۵ھ ہجری :۔ جب مدینۂ منوّرہ پر ایک بار پھر جنگ کے سائے منڈلائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے شہر نبویؐ کو محفوظ رکھا۔ اپنی نوعیت کا سخت امتحان جس سے شمع رسالت کے پروانے گذرے۔ یہ امتحان ہی تو تھا صبر و توکل کا" عزیمت ایمانی کا کہ سارے دشمن ایک لشکرِ جرّار لے کر مدینے کے دروازے پر دستک دینے آپہنچے تھے۔ اور مسلمانوں نے حکمت عملی کے طور پر مدینے کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جسم کو چیرتی ہوئی یخ بستہ ہواؤں میں اپنے اعصاب پر قابو پا کر پھاوڑا اور کدال چلانا اور وہ بھی متواتر، بازیچہ اطفال نہ تھا۔ لیکن یہ منظر اتنا ایمان افروز، اور ہمت آفریں تھا کہ مسلمانوں کے بازوؤں میں فولادی توانائی عود کر آئی۔ مدینے کی دفاعی لائن ۲۴ ہزار مسلح اور تازہ دم حملہ آوروں کی جارحیت کی قبر بن جائے گی۔ غنیم اپنے خیموں کی زبردست چہل پہل اور رونق آرائی میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

دارالہجرت کے دفاع کے لئے رمضان میں خندق کی کھدائی شروع ہوئی اور شوال میں متحدہ جفاکشی سے اختتام کو پہنچی۔ مدینۂ منورہ کی زیارت کرنے والے اس شہر کے شمال مغرب میں شدید موسم سرما میں کھلی فضا کا اندازہ لگا سکتے ہیں: واقدی اور سمہودی کا بیان ہے کہ کوہ سلع سے یہ خندق جنوب کی طرف مڑ گئی تھی۔ جہاں اب مسجد فتح نظر آتی ہے۔ بقول واقدی یہ سلسلہ مسجد قبا کے آس پاس تک چلا گیا تھا۔ فتوح العرب میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کرتے کے دامن میں مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔ بخاری کتاب الجہاد میں ہے:

مہاجرین اور انصار مٹی پیٹھ پر لاد کر ڈھو رہے تھے۔

قرآن کریم کی سورہ احزاب اور تفسیر ابن کثیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خندق کھودنے کا ذکر موجود ہے۔ ظاہر ہے اتنی طویل خندق کھودنے کے لئے زبردست افرادی قوت درکار تھی۔ سلاطین مصر و روما کو ایسی ضرورتیں پیش آئیں تو غلاموں، قیدیوں، اور رعایا کے مظلوم و مقہور لوگوں کو جبراً ایسے کاموں پر لگایا جاتا۔ لیکن اسلام کی فلاحی ریاست تو کل بھی پوری انسانی دنیا کے لئے ایک نمونہ تھی آج بھی آقا و غلام اور حاکم و محکوم سے بے نیاز معاشرتی مساوات کی جھلک دیکھنی ہو تو یہی ایک نمونہ تاریخ عالم میں محفوظ ہے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے والے پہاڑوں کے پتھر کاٹنے والے مٹی اور کنکر اپنے کاندھوں اور پیٹھوں پر لادنے والے اور داموں میں بھر بھر کر لے جانے والے کون لوگ ہیں، آقائے دو جہاں فخر موجودات بذات خود اور ان کے نہایت معزز اور مقرب ترین صحابہ کرامؓ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، سیدنا علیؓ ابن ابی طالب، سیدنا عثمانؓ بن عفان، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت ابو طلحہؓ، حضرت ابو ایوبؓ انصاری، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت سلمانؓ فارسی، اور حضرت بلالؓ حبشی، سب ہی پیش پیش ہیں۔

جوش و خروش سے، ہمت اور پامردی سے، بھوکے پیاسے لیکن بالکل تازہ دم حتیٰ کہ رجز پڑھتے ہوئے۔ یعنی عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار آواز میں بیک زنگی پیدا کر کے پڑھتے جارہے ہیں۔ خندق مکمل کر لی گئی۔ دشمن بے بس ہو گیا۔ محاصرے کی مدت طویل ہوئی تو رسد کی کمی اور موسم کی شدت بھی قیامت بن گئی بالآخر قہر الٰہی طوفان بن کر آیا اور دشمن کی پیشانی پر شکست و ہزیمت کا نہ مٹنے والا داغ لگ گیا۔ مدینہ حضورؐ کا شہر محبت بدستور محفوظ و مامون رہا۔

صحابیاتِ کرامؓ خواتینِ محترم

خواتین اسلام کی، دینی خدمات، رسول اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے جذبۂ جاں نثاری، ذوقِ جہاد، شوقِ شہادت اور ان کے معمولاتِ عبادت و ریاضت کے تذکرے کے بغیر یقیناً یہ اوراق نامکمل رہیں گے۔ جلیل القدر صحابہ صادقین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے واقعات آپ نے اس کتاب کے متعدد ابواب میں پڑھے۔ اب ہم بے شمار صحابی خواتین میں سے صرف چند منتخب صحابیاتؓ کا انتہائی ایمان افروز تذکرہ پیش کرتے ہیں، تاکہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی روشن تعلیمات اور اللہ کے محبوب پیغمبرؐ کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ و ترویج میں خواتینِ اسلام کا کردار متعین کیا جاسکے۔ خواہ وہ عبادت اور تعلیم القرآن کا شعبہ ہو خواہ وہ جہاد و شہادت کا میدانِ کارزار۔

اُمِّ ورقہ بنتِ عبداللہؓ

اللہ کے رسولؐ رحمتِ مجسّم صاحب الجود والکرم ہجرت فرماکر اپنے رفقائے مخلصین کے جلو میں مدینے تشریف لائے تو اُن کی پذیرائی کے لئے چشم براہ ہونے والے انصار مدینہ میں پیش پیش تھیں۔ اسلام اِس شان سے قبول کیا کہ غزوہ بدر میں شرکت کے شوقِ شہادت سے بے قرار ہوگئیں۔ مصطفےٰ جانِ رحمتؐ نے مدینے میں ہی شہادت کی بشارت دی۔ چنانچہ گھر میں رہ کر خواتین اور بچوں کو قرآن پڑھاتیں اور نماز سکھاتیں۔ پورے عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقیؓ میں دینی تربیت و تبلیغ سے خواتینِ مدینہ کے دلوں کو جگمگاتی رہیں۔ حضور انورؐ کی پیش گوئی کے مطابق اپنے گھر میں ہی شہادت پائی۔ یہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا دورِ خلافت تھا۔ بڑے اہتمام سے جنازہ اٹھا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

خولہؓ بنت حکیم

حضور احمد مجتبیٰ بدرالدجیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دائم العبادات صحابیہ نہ صرف خود عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں، بلکہ قدرتِ کاملہ نے انھیں حضرت عثمانؓ بن مظعون جیسا کامل الایمان حضور اکرمؐ کا مقرب صحابی بطور شوہر عطا کیا۔ شوہر ہی کے ساتھ مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون ریاضت ومجاہدے میں باکمال شخصیت تھے۔ دن بھر روزہ رکھتے شب بھر نوافل پڑھتے۔ ان کے بھائی قدامہؓ اور فرزند سائبؓ دونوں اصحاب ہجرت وبدر تھے۔ مسلمانوں کو ہجرت کئے دوسرا ہی سال تھا کہ خولہ بنتِ حکیم بیوہ ہوگئیں۔ ان کے شوہر جنّت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے مسلمان ہیں۔ خولہؓ باحوصلہ صحابیہ تھیں۔ دمِ واپسیں تک خواتین میں تبلیغ دین کرتی رہیں۔ پندرہ احادیث اُن سے مروی ہیں۔ دین حق کا صحیح مفہوم جانتی تھیں اور دوسروں کو اس کا مفہوم سمجھاتی تھیں۔

اُمِ کلثومؓ بنتِ عقبہ،

مکّہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ اسلام کی حقانیت نے اُن کے قلب کو منوّر کیا تو کیفیت یہ تھی کہ باپ سے لے کر تمام افرادِ خانہ حضور رحمتِ عالمؐ اور صحابہ کرامؓ کی جانوں کے دشمن تھے۔ لیکن یہ لاالٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر دینِ حق پر ڈٹ گئیں۔ اور جیسے ہی راستے کی رہبری کا موقع ملا خاموشی سے مدینہ ہجرت کر گئیں۔ دونوں بھائی تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے اور بہن کو واپس لے جانا چاہا۔ صحابیہ کلثومؓ نے حضور اکرمؐ سے درخواست کی کہ اس طرح یہ مجھے اِس دینِ حق سے منحرف کریں گے۔ یہ نہایت مشکل مرحلہ تھا۔ دریں اثنا حضور رسالتمآبؐ پر وحی آگئی۔ ارشادِ ربّانی واضح تھا۔ جس میں ہجرت کرکے آنے والی صاحبِ ایمان عورتوں کو کافروں

کے حوالے نہ کرنے کا اُصول بیان کیا گیا تھا۔ دیارِ نبویؐ کی قربت نے اِس صحابیہؓ خاتون کی علمی و دینی صلاحیتوں کو خوب اجاگر کیا۔ کئی احادیث اِن سے مروی ہیں۔ حضرت زیدؓ بن حارث کے عقد میں آئیں۔ جو آنحضرتؐ کے مُنہ بولے بیٹے تھے۔ حضرت زیدؓ غزوہ موتہ میں شہادت پا گئے۔ ادا اپنی ایمانی جراُت کی بدولت اُم کلثومؓ نے صحابیہ رسولؐ ہونے کا شرف پایا۔ واقعی ایمان والے اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اُم رومانؓ بنت عامر

صدیقہ، طاہرہ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی والدہ خلیفۃ الرّسول صدیق اکبرؓ کی اہلیہ، حضور اکرمؐ کی خوشدامن، اُم رومانؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ اور ایسی خوش نصیب خاتون کہ اپنے رفیع المقام شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کر کے مدینے میں اپنی دُختر خوش جمال و کمال سیّدہ عائشہؓ کو دلہن بنا کر فخرِ کائناتؐ کے گھر رخصت کیا۔ سابقون الاولون اُم رومانؓ دینِ متین کے ابتدائی اور صبر آزما دور میں مہاجر اور خصوصاً انصار خواتین میں دینی شغف اور شعور وحدانیت پیدا کرتی رہیں۔ مدینے میں وفات پائی۔ حضور رسالت مآب اور جملہ صحابہ کرامؓ شریک جنازہ تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"جو شخص عورتوں میں حورِ عین کو دیکھنا چاہے وہ اُم رومانؓ کو دیکھے"۔

اُم عمارہؓ بنتِ کعب

مدینہ منورہ کے محلّہ بنی نجار میں ان کا گھرانہ تھا۔ وہیں پیدا ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُصعبؓ بن عمیر کی قیادت میں، جو تبلیغی جماعت

بھیجی تھی، اُس کی ترغیب پر دیگر کئی افراد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ایسا مستحکم ایمان پایا کہ دینِ حق کے لئے اُن کی جاں نثاری اور سرفروشی نے سب کو حیران کر دیا۔ غزوہ اُحد مسلمانوں کے لئے کئی وجوہ سے اُن کی شجاعت اور صبر کا سخت امتحان تھا۔ اُمّ عمارہؓ کے شوہر زیدؓ بن عاصمؓ، دونوں صاحبزادے عبداللہؓ اور حبیبؓ دوسرے مجاہدین کے ساتھ دشمن سے جنگ آزما تھے۔ اُمّ عمارہؓ کی موجودگی اُن کے جذبۂ جہاد کی آئینہ دار تھی وہ مشکیزہ میں پانی بھر کر لاتیں اور مجاہدین کو پلاتی تھیں۔ ایک موقع پر دشمن حضور اکرمؐ کے قریب آگئے تو تلوار اور ڈھال فوراً سنبھالی اور رسول اللہؐ کی حفاظت کے لئے آگے کھڑی ہوگئیں۔ اس صحابیہ کے کندھے پر تلوار لگی تو خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ حضور اکرمؐ نے مجاہدہ اُمّ عمارہؓ کے گھاؤ پر پٹی بندھوائی۔ اُمّ عمارہؓ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ دشمن قریب آجاتا تو گھوڑے کی ٹانگ پر تلوار سے وار کر کے گرا دیتیں۔ اُن کے صاحبزادے لپک کر گرنے والے دشمن کے ٹکڑے کر دیتے۔ ایک اور معرکہ میں اس مجاہدہ کے گیارہ زخم آئے تھے اور ایک ہاتھ کلائی سے کٹ گیا تھا۔ دیارِ نبویؐ میں حاضر رہنا اُن کے قلب کے لئے وجہِ تسکین تھا ایک موقع پر حضور اکرمؐ نے اس مجاہدہ صحابیہ کو دیکھ کر فرمایا: ”اے اُمّ عمارہ جتنی طاقت تجھ میں ہے۔ کسی اور میں کہاں ہوگی۔“!

اُمّ عطیہ بنت حارثؓ

آپ مجاہدہ بھی تھیں، صحابیہ بھی۔ مدینے میں پیدا ہوئیں۔ سات غزوات میں شریک ہوئیں۔ غازیانِ اسلام اُن کے زہد و ورع کے باعث بڑا احترام کرتے۔ ہر کام سے پہلے حضور رسالت مآبؐ سے اجازت ضرور لیتیں۔ میدانِ جنگ میں بلاخوف بیمار مجاہدین کی تیمار داری کرتیں۔ زخمی ہو جانے والوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ مجاہدینِ اسلام کے لئے کھانا پکاتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینبؓ کے انتقال پر حضورِ اکرمؐ کے بتائے ہوئے

طریقے پر اُن کی تجہیز و تکفین کی (میّت کو غسل دیا)، اسی لئے غسلِ میّت کے بارے میں ان سے مروی حدیث معتبر مانی جاتی ہے۔

اُمِ سلیم رض رملہ بنت ملحان

ان صحابیہ رض نے اسلام قبول کیا تو شوہر سخت برہم ہوا اور انھیں چھوڑ کر شام چلا گیا۔ جب دوسرا نکاح ابو طلحہ رض سے ہوا تو انھوں نے مہر، قبولیتِ اسلام سے مشروط کیا، اور کامیاب رہیں۔ مشہور صحابی حضرت انس رض انھیں سے پیدا ہوئے۔ غزوات میں موجود رہ کر، مجاہدین کو پانی پلانا، زخمیوں کی تیمار داری کرنا ان کا معمول تھا۔ علوم دینی میں ان کا درک اور تفقہ لاجواب تھا۔ لوگ مسائل دریافت کرنے آتے اُن کا واضح جواب ہر قسم کے شکوک رفع کر دیتا۔ حضور رحمت مجسّم ؐ ان کی جاں نثاری اور دینِ حق کے لئے برداشت کی جانے والی صعوبتوں کا احساس کرتے ہوئے دریافتِ خیریت کے لئے اُن کے گھر تشریف لے جاتے اور ارشاد فرماتے۔ "مجھے اُمِ سلیم رض پر رحم آتا ہے" اُمِ انس رض بھی انھیں کی کنیت ہے۔

بی بی اسماء بنت ابی بکر رض

سیدنا ابوبکر رض کی بڑی صاحبزادی، نہایت عالی حوصلہ اور خود دار صحابیہ خاتون۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض جیسے اولوالعزم فرزندِ اسلام کی عظیم ماں۔ سابقون الاولون میں شامل ہیں۔ جس طرح والد بزرگوار جوہر شناس تھے۔ اسی طرح رسولِ صادق ؐ کو انھوں نے فوراً پہچانا اور ایمان لائیں۔ جب ہجرت کی شب خیر البشر رحمۃ للعالمین اپنے وفا شعار یارِ غار صدیق اکبر رض کے ہمراہ روانہ ہونے لگے تو یہ تاریخ ساز منظر حضرت اسماء رض نے بچشمِ خود دیکھا۔ بلکہ تیاری میں بھی ... ہاتھ بٹایا۔ اپنی کمر سے بندھی ہوئی پٹی کھولی اور جلدی سے اس کے دو حصے کئے۔ ایک میں کھانا باندھا اور دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا منہ باندھا۔ اور

حضور انورؐ نے یہ منظر دیکھ کر حضرت اسماءؓ کو "ذات النطاقین" کے لقب سے پکارا۔

جب یہ دونوں دشوار گزار پہاڑی راستوں سے غارِ ثور پہنچ گئے تو حضرت اسماءؓ اس انتہائی مشکل اور بلند پہاڑی پر واقع مکہ سے دور غارِ ثور تک جان پر کھیل کر کھانا پہنچانے جاتیں۔ اب زائرین مکہ مکرمہ۔ نیچے سے کھڑے ہو کر اس سنگلاخ اور بغیر ڈھلوان کا جبلِ ثور دیکھتے ہیں تو اس بلند حوصلہ خاتون کے مجاہدانہ کارنامے پر حیران رہ جاتے ہیں۔ قریشِ مکہ نے حضورؐ کی تلاش میں کامیاب ہونے والے شخص کے لئے ایک سو اونٹ بطورِ انعام دینے کا اعلان کر رکھا تھا۔ اس لئے دشمن کی نظر ہر قسم کی نقل و حرکت پر رکھی۔ سیدہ اسماءؓ قریشِ مکہ کے منصوبوں کی خبر بھی دیتیں۔ اپنے بیٹے کی شہادت کے بعد سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اپنے شہید بیٹے کا لاشہ دیکھ کر آنسو نہیں بہائے بہادر ماں نے فخر کا اظہار کیا۔

اُمِّ ہانیؓ بنتِ ابی طالب

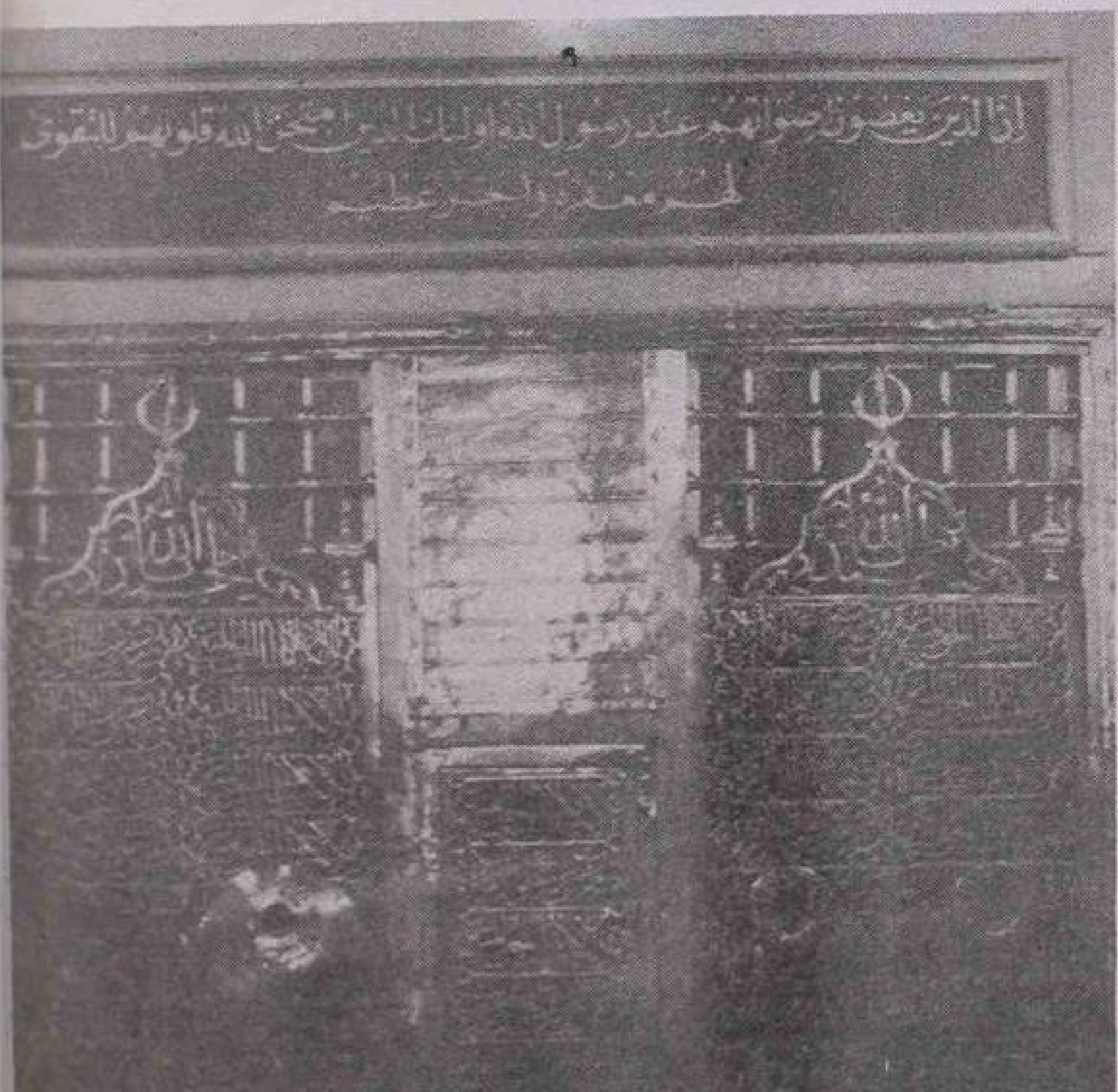
سیدنا علیؓ ابن طالب کی بہن۔ اصل نام فاختہ۔ والدہ بنت اسد۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ لیکن شوہر ہبیرہ بن عمر مخزومی مخالفِ اسلام تھا نجران چلا گیا۔ اُمِّ ہانی عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ چھیالیس احادیثِ نبویؐ ان سے مروی ہیں۔ فقہ کے مسائل کے حل کی تشریح کرتیں۔ جعفرؓ طیار حقیقی بھائی تھے۔ ان کی بیان کردہ احادیث کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن حارثؓ اور حضرت علیؓ جیسے نامور اصحاب شامل ہیں۔

فاطمہؓ بنتِ خطاب

مکہ اور مدینہ دونوں شہروں میں تبلیغ دین انجام دینے والی خواتین میں شامل ہیں سیدنا عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ۔ اُمِّ جمیل کنیت۔ جب قریشِ مکہ کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ نے طعنہ دیا تو وہ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ جہاں وہ اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ اپنی بہن بہنوئی کی یہ ایمانی استقامت دیکھ کر اور قرآنِ کریم کی آیاتِ ربانی سن کر تک عمرؓ کی دنیا بدل گئی۔ یہ تھیں صائم الدہر، باطل شکن عمرؓ کی نڈر اور قوی الایمان بہن فاطمہؓ بنت خطاب۔

إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا
وَأَنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا، تو میں نے مشرق و مغرب تک دیکھا۔ یقیناً میری اُمت کی حدودِ مملکت تمام روئے زمین تک وسیع ہو کر رہیں گی (ارشادِ نبوی)



آقائے دو جہاں ﷺ کے روضۂ پاک کی سُنہری جالیاں اور رفیقانِ نبوّت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرتِ عمر فاروق رضؓ کی آخری آرام گاہوں کا ایک ایمان افروز منظر

مدینے کا نظم و نسق

رحمت کی گھٹائیں لہرائیں دنیا کی اُمیدیں بر آئیں
اکرام و عطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے

ہجری ا سنہ، مدینہ منورہ کی اسلامی فلاحی ریاست اپنے تخلیقی مرحلے میں داخل ہوگئی دائرۂ اسلام وسیع ہوتا گیا۔ مختلف خاندان اور قبائل کے مرد اور خواتین، امراء اور غرباء مشرف بہ اسلام ہوتے گئے۔ روزمرہ زندگی کے معاملات پر مسلمانوں کی راست بازی اور دیانتداری کے سائے گہرے ہوتے گئے۔ جیسے جیسے صاحبِ تقویٰ اور صاحب ایمان لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی، مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم، لوگوں کو بلا تفریق اسود و احمر، ثروت و عسرت، عزّ و شرف، امن و سلامتی اور فلاحِ دارین عطا کرنے والی اس مثالی ریاست کے سربراہ اور نگرانِ اعلیٰ تھے۔ اور سارے نظم و نسق پر یہ اُصول حاوی تھا:-

وَاُمِرْتُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں نیکی کا حکم دوں اور بدی سے (لوگوں کو) روکوں (ارشادِ نبویؐ)

مدنی ریاست کے والی (گورنر)

مدینے کی اسلامی ریاست وسیع ہوئی، تو دور و نزدیک کے علاقوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور لوگوں کے مسائل موقع پر حل کرنے کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے عمال مقرر کیے۔ جس طرح آجکل ہمارے ہاں صوبوں کے سربراہ گورنر ہوتے ہیں۔

- ● ۔ والیٔ مکہ ۔ حضرت عتاب رضؓ بن اُسید ● والیٔ صنعا۔ حضرت شہر باذان رضؓ
- ● ۔ والیٔ بحرین ۔ حضرت علاؓ بن الحضرمی ● والیٔ اخماس یمن ۔ سیدنا علی ابن ابی طالب رضؓ
- ● ۔ والیٔ صنعا ۔ حضرت خالد بن سعید رضؓ ● والیٔ عمان ۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ۔
- ● ۔ والیٔ کندہ ۔ مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضؓ ● والیٔ نجران ۔ ابوسفیان رضؓ بن حرب ،
- ● ۔ والیٔ تیما ۔ حضرت زید رضؓ بن ابوسفیان ● والیٔ یمن ۔ حضرت باذان بن ساسان رضؓ
- ● ۔ والیٔ جند ۔ حضرت معاذ رضؓ بن جبل ● والیٔ حضرموت ۔ حضرت زیادہ رضؓ بن لبید
- ● ۔ والیٔ مارب ۔ ابوموسیٰ رضؓ الاشعری ۔

مدینے میں نیابت کرنے والے صحابہ کرام رضؓ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی دشمنانِ اسلام کی یلغار روکنے ، دینِ حق کے پرستاروں کا لشکر لے کر تشریف لے گئے تو غزوات میں مصروفیت کے دوران مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرما گئے۔ جنہوں نے مدینہ کے مسائلِ عامہ معاملات روزمرہ۔ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے حفاظتی انتظامات کی نگہداشت کی اور ریاستِ اسلامی کے معمولات برقرار رکھے۔

- ■ غزوہ بدر کے موقع پر ——— حضرت ابو لبابہ رضؓ بشیر بن عبد المنذر ۔
- ■ غزوہ بدر الصغریٰ کے موقع پر ——— حضرت عبداللہ رضؓ بن عبداللہ ۔
- ■ غزوہ احد کے موقع پر ——— حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضؓ
- ■ غزوہ ابوا کے موقع پر ——— حضرت سعد رضؓ بن عبادہ الخزرجی
- ■ غزوہ ابوا کے موقع پر ——— حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضؓ

- غزوہ عشیرہ کے موقع پر ——— حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد
- غزوہ بنو قینقاع کے موقع پر ——— حضرت ابولبابہؓ بشیر بن عبدالمنذر
- غزوہ بنو غطفان کے موقع پر ——— سیدنا عثمانؓ بن عفان
- غزوہ بنو مصطلق کے موقع پر ——— حضرت ابوذر غفاریؓ
- غزوہ خیبر کے موقع پر ——— حضرت غیلہ بن عبداللہؓ
- غزوہ سفوان کے موقع پر ——— حضرت زید بن حارثؓ
- غزوہ بنو سلیم کے موقع پر ——— حضرت ابن ام مکتومؓ
- غزوہ سویق کے موقع پر ——— حضرت ابولبابہؓ بشیر بن عبدالمنذر۔
- غزوہ بحران کے موقع پر ——— حضرت ابن ام مکتومؓ
- غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ——— حضرت عثمانؓ بن عفان
- غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر ——— حضرت سباعؓ بن عرطفۃ الغفاری
- غزوہ تبوک کے موقع پر ——— حضرت محمد بن مسلمۃ انصاریؓ
- فتح مکہ کے موقع پر ——— حضرت ابورہم کلثومؓ بن حصین غفاری

حضور رسالتمآبؐ کے قاصد

سلاطین ممالک، امراء شہر اور سرداران قبائل کے نام جو صحابہ کرامؓ مختلف اوقات میں دعوت اسلام کا پیغام لے کر گئے یا حسب ضرورت نامۂ مبارک دور دراز سفر کرکے مکتوب الیہ تک پہنچایا اُن اہم اور سعادت مند اسلامی قاصدوں کے نام جو کتب تاریخ و سیرت میں دستیاب ہیں۔

قاصد		مکتوب الیہ	قاصد	مکتوب الیہ
۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان الاموی	—	قریش مکہ کی جانب	۲۔ حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری	نجاشی شاہ حبش

قاصد	مکتوب الیہ	قاصد	مکتوب الیہ
۳۔ حضرت دحیہ بن خلیفہؓ	ہرقل قیصر روم	۴۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ	خسرو شاہ ایران
۵۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اللخمیؓ	مقوقس شاہِ مصر۔	۶۔ حضرت شجاع بن وہب الاسدی	حارث ابی شمر شاہ غسان
۷۔ حضرت سلیطؓ بن عمرو۔	ہوزہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب۔	۸۔ حضرت عمروؓ بن العاص السہمی	جیفر بن الجلندری اور عبد ابن الجلندری الازدی رئیسان عمان
۹۔ حضرت علا بن الحضرمیؓ	منذر بن ساوی حاکم بحرین۔	۱۰۔ حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری	یمن
۱۱۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومیؓ	حارثؓ بن کلال الحمیری۔	۱۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ	یمن
۱۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ	ذوالکلاع الحمیری	۱۴۔ حضرت عیاشؓ بن ربیعہ المخزومیؓ	حارث، مسروح اور نعیم بن عبد الکلال کی طرف۔

کاتبانِ رسالتؐ

کُتب تذکار سیرت میں کم و بیش چالیس افراد کے نام ملتے ہیں، جو سیّد عالم، فخرِ کونین حضورؐ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات کتابت کرتے رہے۔ یا خطوط لکھتے رہے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰؓ۔ سیّدنا عثمان غنیؓ بن عفان۔ حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ۔ حضرت زیدؓ بن ثابت۔ حضرت ابی ابن کعبؓ اور دحیہ کلبی، آیاتِ ربانی کی کتابت کیا کرتے تھے، اور کاتبانِ وحی کی حیثیت سے نہایت معروف ہیں۔

خطوطِ نبویؐ لکھنے والوں میں حضرت خالدؓ بن سعید العاص۔ حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان حضرت عبداللہ بن الارقم۔ حضرت علاؓ بن عقبہ قابلِ ذکر ہیں۔

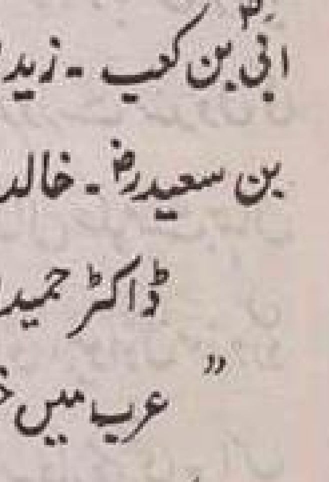
یہ حوالہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کتابت وحی کی نمایاں خدمت انجام دینے کا موقع... سیدنا علی المرتضیٰؓ ابن ابی طالب اور سیدنا عثمانؓ المعروف جامع القرآن کو نسبتاً زیادہ ملا۔ حضرت معاویہؓ کیونکہ ۲۵ سال کی عُمر میں مُشرف بہ اسلام ہو کر حنین اور طائف کی جنگوں میں شریک رہ چکے تھے علمی صلاحیت اور ذہانت خُداداد پائی تھی اس لئے مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ نے کتابت وحی کی خدمت اُن کے سپُرد کر دی۔ مدینے کی اسلامی ریاست کے مہمان وفود کے قیام و طعام اور اُن کی خاطر مدارات کا انتظام بھی صحابی رسولؐ جناب معاویہؓ کے ذمے تھا۔ وہ ۱۷ برس قبل از ہجرت مکہ میں پیدا ہوئے اور پانچویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اُم المومنین اُم حبیبہؓ ان کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔

تلقیح صفحہ ۳۷ پر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی کی ترتیب اس طرح ملتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب اُبیؓ بن کعب۔ زیدِ بن ثابت انصاریؓ۔ حضرت معاویہؓ۔ حنظلہ بن الربیع الاسیدیؓ۔ ابان بن سعیدؓ۔ خالد بن سعید بن العاص۔ علاؓ بن حضرمی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ڈاکٹر حمید اللہ ”الوثائق السیاسیہ“ میں لکھتے ہیں:۔ کہ

”عرب میں خطوط پر مہر ثبت کرنے کا رواج سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے شروع ہوا۔ مہرِ رسالت میں تین سطریں تھیں۔ پہلی میں: اللہ — دوسری میں — رسول — اور تیسری میں — محمد — لکھا ہوا تھا۔



آپ واضح عبارت اور روشن الفاظ کو پسند فرماتے۔ اکثر اوقات خطوط کے محرّر اور گواہان کے نام بھی لکھ دیئے جاتے۔

بلاذری باب الخاتم میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ ریاست کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کو مترجم بھی مطلوب ہوتے۔ سفارتی مقاصد کے لئے جانے والوں میں اِن ممالک کی زبان جاننے والے شامل ہوتے۔ یہاں دربارِ رسالت ﷺ میں حضرت زید بن ثابت رضؓ متعدد زبانوں کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے۔ انھیں فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) زبانوں سے (خوب) واقفیت تھی۔

اسلامی ریاست کے محاصل کا نظام

ابنِ سعد اور تاریخ طبری میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب روزہ فرض ہوا۔ صدقہ واجب ہوا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے حکم خداوندی آگیا تو ۹ ہجری میں زکوٰۃ کے تمام ضوابط مرتب کرکے علاقہ وار محصلین کا تقرر بھی عمل میں آگیا، تاکہ جن صاحبِ نصاب لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے یا واجب صدقہ۔ اُنھیں ادا کرنا ہے۔ اسکی باقاعدہ وصولیابی کرکے بیت المال میں پہنچانے کا نظام قائم ہوسکے۔ مدینے کے یہود، طائف کے بنو ثقیف اور قریش میں سودی لین دین کا بڑا غلبہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے سود کو باطل قرار دیا۔ اور رزقِ حلال اور طیب خوراک کو باعثِ خیر وبرکت قرار دیا۔ ضرورت مندوں کی مدد اور دستگیری، فلاحی مملکت کے بیت المال سے از خود کردی۔ عمالِ حکومت جہاں زکوٰۃ کے حصول میں نظم قائم رکھتے وہاں اپنے علاقے کے مساکین، یتامیٰ، بیواؤں، معذورں محتاجوں، بیماروں اور بے روزگاروں کی اعانت بھی اُن کی پوری پوری ذمہ داری تھی۔ اس طرح جرائم کی نوبت بھی نہ آتی۔

ہم یہاں اُن صحابہ کرام رضؓ کے نام درج کرتے ہیں، جنھیں مدینے کی اسلامی حکومت نے بطورِ افسر محصولات مقرر کیا۔ یہ حضرات صدقات زکوٰۃ اور جزیہ کی رقوم وصول کرتے اور بیت المال میں ان کی ترسیل کا مکمل حساب رکھا جاتا۔

(۱) سیّدنا عمر فاروق رضؓ ۔ مدینہ منورہ کے لئے (۲) حضرت صفوانؓ بن صفوان ۔ بنو عمرو کے لئے (۳) حضرت بریدہ بن حصیب الاسلمی رضؓ ۔ بنو غفار و اسلم کے لئے ۔ (۴) حضرت ضحاک بن سفیان رضؓ ۔ بنو کلاب کے لئے ۔ (۵) حضرت قیس بن عاصم ۔ بنو سعد کے لئے ۔ (۶) حضرت بشیر رضؓ بن سفیان ۔ بنو کعب کے لئے (۷) عبداللہ بن رواحہؓ ۔ خیبر کے لئے ۔ (۸) حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضؓ ۔ یمن کے لئے ۔ (۹) ابان بن سعید رضؓ ۔ بحرین کے لئے — (۱۰) حضرت عدی بن حاتم رضؓ ۔ بنو طے ۔ بنو اسد پر (۱۱) حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضؓ ۔ بنو لیث پر (۱۲) حضرت عباد ابن بشیر رضؓ ۔ بنو سلیم اور غرتیہ کے لئے (۱۳) حضرت رافع رضؓ ۔ بنو جہینہ کے لئے (۱۴) عمرو بن العاص رضؓ ۔ بنو خزارہ پر (۱۵) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ ۔ نجران کے لئے ۔ (۱۶) زیاد بن بعید ۔ حضر موت کے لئے (۱۷) عمرو بن سعید بن العاص رضؓ ۔ تیما پر — (۱۸) حضرت عبداللہ بن لیث ۔ بنو دیان کے لئے ۔

نظامِ عدل و انصاف

فتنہ و فساد ، جانی و مالی زیاں ، قتلِ عمد ، خیانت ۔ سرقہ ، زنا ، رہزنی ، اور مالی معاہدوں کی خلاف ورزی جملہ تنازعات میں اسلامی ریاست کے مقررہ قوانین کے مطابق فریقین کو فیصلہ سنایا جاتا ۔ قصاص اور دیت جیسے معاملات میں بین الفریقی معاہدات بھی ملحوظ رکھے جاتے ۔ اہلِ کتاب کے معاملات میں شخصی قوانین (پرسنل لاز) بصورتِ دیگر قوانینِ ریاست نافذ العمل ہوتے ۔ مدینے کے شہری مقدمات اور بعض اوقات نواحی اور دور افتادہ مقدمات ۔ کے سائلان مسجدِ نبویؐ میں حضور اکرمؐ کے پاس اپنے مسائل لاتے رہتے ، جن کے فیصلے خود حضور نبی پاکؐ فریقین کے بیانات اور شواہد کے حوالے سے فرماتے ۔ جب اسلام کا پیغامِ توحید و رسالت دور دور تک پھیل گیا تو ضرورت مند لوگوں کو فوری اور ارزاں انصاف مہیا کرنے کے لئے سیّد الانبیاء آقائے عرب و عجم رحمتِ مجسم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل جابجا شرعی عدالتیں قائم فرمادیں۔ اِن مفتی اور منصف حضرات میں یہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ شامل تھے۔

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ۔ سیدنا عمر ابنِ خطابؓ۔ سیدنا عثمانؓ ابنِ عفان۔ سیدنا، علی المرتضیٰؓ ابنِ ابی طالب۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت عمار بن یاسرؓ۔ حضرت حذیفہؓ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب کو علم وعرفان کے ایسے نور سے منور فرمایا تھا کہ اصحابِ صفّہ جو درس وتدریس دیتے اُس کی نگرانی از خود فرماتے۔ اعلیٰ سطح کی تعلیمات۔ توضیحات درس قرآن، تفسیر وتفہیم اور قوانین حکومتِ الٰہیہ کی تشریحات اور تعبیرات فرمانے کا فریضہ خود انجام دیتے۔ مقرب صحابہ کرامؓ اور حاضر محفل مسلمانوں پر اس طرح براہِ راست فیضان علم وبصیرت جاری رہتا۔

حضور نبیؐ اکرم کے خُدّام

یہ مسجد نبویؐ میں اکثر وبیشتر حاضر رہتے ۔ حضور اکرمؐ کے معمولات کے مطابق اُن کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے والوں میں یہ نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں :- اور یہی اعزاز اِن صحابیان خوش بخت کے لئے کیا کم ہے کہ کوئی نہ کوئی نسبت رحمتِ عالم فخرِ کائنات سے حاصل کرلی اور تاریخ وتذکرے میں اُن کی ایک شناخت یہ بن گئی، کہ وہ آقائے دوجہاں رسولِ آخریں صلی اللہ علیہ وسلم کے "خدام" کہلاتے ہیں۔

(۱) گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے والے حضرت انسؓ (۲) وضو کے موقع پر حاضر رہنے والے ربیعہ بن کعبؓ (۳) جوتے پہنانے والے حضرت ابن مسعودؓ (۴) خچر کی دیکھ بھال اور چارہ کا خیال رکھنے والے عقبہ بن عمروؓ (۵) مقررہ وقت پر

اذان دینے والے، حضرت بلال رضؓ بن رباح (۶) ان کے علاوہ سعد (۷)، عامر رضؓ (۸) بکیر رضؓ (۹) اسود رضؓ بن مالک (۱۰) ایمن رضؓ (۱۱) ثعلبہ رضؓ (۱۲) سالم رضؓ (۱۳) سابق رضؓ (۱۴) بلال رضؓ بن حارث نیز دوسرے کئی اصحاب اور مقربین۔

تاریخ نے ثابت کیا کہ یہ صرف خدام نبویؐ ہی نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کی ترقی، عروج، دینِ اسلام کی مدافعت، اور حق کے پیغام کی وسعت پذیری میں بڑا نام پانے والے لوگ تھے۔ حضورِ رسالت مآب کے فیضِ صحبت اور شرف ہمکلامی اور نظرِ رحمت آفریں نے اُن کو سراپا ایمان واستقامت بنا دیا تھا۔ یہ سب آقائے دو جہاںؐ کا اعجازِ قرب تھا۔

تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں میں
کانٹوں کو گلوں کی قیمت دی، ذرّوں کے مقدر چمکائے
ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیاتِ نو بخشی!
صبحوں کے بھی چہرے کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سُلجھائے
تلوار بھی دی، قرآن بھی دیا، دنیا بھی عطا کی، عقبےٰ بھی!
مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے
عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازا بھی بخشا!
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے

(ماہر القادری)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ الْمَخْصُوْصِ بِجَوَامِعِ
الٰہی اپنی خاص رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خاص طور پر بخشے ہوئے
الْكَلِمِ وَخَوَاصِّ الْحِكَمِ
جامع کلمات اور خاص خاص حکمتوں سے سرفراز ہوئے

سرورِ کائنات کا مکتوب شہنشاہ روم کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" اللہ کے رسول محمدؐ بن عبداللہ کی طرف سے عظیم روم کے نام سلامتی ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے، بعد حمد و ثناء میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے۔ خدا تم کو دوہرا اجر عطا کرے گا۔ اور اگر تم نے منہ موڑا تو رعایا کا گناہ بھی تمہارے سر عائد ہو گا۔

اور اے اہل کتاب، آؤ ایسی بات پر اتفاق کر لیں، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کریں۔ نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی بھی کسی کو خدا کے سوا اپنا پروردگار تصور کرے۔ اور اگر لوگ ان باتوں کو ماننے سے گریز کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں اللہ کے اطاعت گذار

سرورِ کائنات کا مکتوب شہنشاہ ایران خسرو کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے فارس کے عظیم بادشاہ کسریٰ کے نام، اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا اتباع کرے، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں۔ تاکہ ہر متنفس کو خبردار کر دوں، اور انکار کرنے والوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ اسلام قبول کر لو۔ اور سلامتی میں آجاؤ، اگر تم نے انکار کیا تو مجوسی قوم کا وبال تمہاری گردن پر ہو گا۔" (مدینہ منورہ ۶ھ ہجری)

اسلامی رشتۂ مواخاۃ کی ایک مثال

صحابی رسولؐ سعدؓ بن ربیع انصاری مدینہ طیبہ کے قبیلہ خزرج کے خاندان ۔ بنو حارث بن خزرج کے خوشحال اور متموّل فرد تھے ۔ مشیّت ایزدی نے اپنی عطا فزوں کی تو دینِ حق کی نعمتوں سے بھی جلد مالا مال ہو گئے ۔ بعض روایات کے مطابق عقبۂ اولیٰ میں مشرف بہ اسلام ہو کر اُن ۵، نفوسِ قدسی میں شامل ہوئے ۔ جنھوں نے اللہ عزوجل کو گواہ بنا کر رسولِ برحقؐ پر جان و مال قربان کر دینے کا عہد کیا تھا ۔ مدینے میں مواخاۃ کے رشتے سے وہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے بھائی بنائے گئے ۔ یہ انعام دربارِ رسالتؐ سے ملا ۔ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق (مواخاۃ کے اسلامی بھائی بننے سے قبل ہی) حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، ان مدنی صحابی سعدؓ بن ربیع کے ہاں قیام پذیر تھے ۔

دینِ حق کا رنگ چڑھتا ہے تو دوسرے سب رنگ ماند پڑ جاتے ہیں ۔ اخوۃ اور مواخاۃ کا اسلامی جذبہ دیکھنا اور سمجھنا ہو تو ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان رنگ و نسل، زبان و بیان کے لب و لہجے کے فرق اور معاشی و سماجی رسوم و رواج کے تضاد کے باوجود جو بے پناہ محبّت استوار ہوئی، ایک دوسرے کے لئے مدد، ہمدردی و احترام باہمی کی جو قدریں پروان چڑھیں تو ان کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

حضرت سعدؓ بن ربیع مدینے کے انصار میں سے تھے اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف مکّہ مکرمہ سے آئے ہوئے مہاجر، لیکن عالم یہ تھا کہ انصار اپنے مہاجر اسلامی بھائیوں کو کسی نعمت سے محروم دیکھنا نہیں چاہتے تھے ۔ چنانچہ مواخاۃ کے رشتے کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں کہ انسانی ہمدردی کی پوری تاریخ اس جذبہ و ایثار و قربانی کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے ۔ حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کے گھر میں راحت و آرام کا کافی سامان تھا ۔ انھوں نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے کہا : نصف سامانِ رہائش آپ قبول فرمایئے ۔ دوؑ بیویاں ہیں :

آپ راضی ہوں تو میں ایک بیوی کو طلاق دیدیتا ہوں۔ جب وہ حلال ہو جائے، آپ اس سے نکاح کرلیں۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے جواب دیا:۔

"اللہ آپ کے مال و متاع میں اور اہل و عیال میں برکت عطا فرمائے۔"

(بحوالہ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب اخاۃ النبیؐ بین المہاجرین والانصار)

اس واقعہ کے دونوں پہلو بصیرت افروز ہیں۔ یعنی انصار کا جذبۂ ایثار اور مہاجرین کا جذبۂ تشکر اور کمال درجے کی مروّت اور سیر چشمی! چند روز بعد ہی عبدالرحمٰنؓ بن عوف اپنے مواخاتی بھائی سے دریافت کرتے ہیں۔ "اس شہر میں کوئی بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو۔؟"

چنانچہ حضرتِ سعدؓ انصاری، مدینے کے بازار قینقاع تک ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ جہاں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کاروبار شروع کرتے ہیں۔ "اور ایک روز ایسا آتا ہے کہ مدینہ منوّرہ میں اُن سے بڑا کوئی تاجر نہیں ہوتا۔" (ماخوذ)

آنحضرتؐ کی شگفتہ مزاجی :۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت نصیب کرے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی یہ فرما کر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اور بڑھیا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سنتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آپؐ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ جب سے آپ نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ یہ ضعیفہ رو رہی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ، اس سے کہہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنّت میں جائیں گی مگر جوان ہو کر جائیں گی:۔

مسجدِ ضرّار کا پس منظر

۹ ہجری، مدینہ منوّرہ سے مجاہدینِ اسلام کا لشکر تبوک روانہ ہو رہا تھا، کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند منافق اور دینِ حق کے شدید مخالف مسکین صورت بنائے حاضر ہوئے۔ ظاہر داری میں پورا انکسار و ادب بھی روا رکھا۔

"حضور! ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے تاکہ مسجد قبا میں تنگی کی وجہ سے نمازی پریشان نہ ہوں، قرب و جوار کے مسلمان باسانی اس مسجد میں آکر نماز پڑھیں۔ آپ تشریف لاکر ایک مرتبہ وہاں نماز پڑھ لیجیے۔ تاکہ سب مسلمانوں کیلئے باعثِ سعادت ہو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اس وقت تبوک کے لئے عازمِ سفر ہوں۔ اللہ نے چاہا تو واپسی پر دیکھیں گے۔"

منافقین نے قبا کی بستی میں، مدینے کی شمالی سمت اپنی سازشوں کی تکمیل اور اسلامی فلاحی ریاست کی ترقی کا زور توڑنے کے لئے منصوبہ سازی کا یہ خفیہ مرکز ایک مکان میں قائم کیا تھا۔ لیکن عام مسلمانوں کو اُنھوں نے یہ ظاہر کیا کہ انھوں نے دراصل آس پاس کی آبادی کی سہولت کے لئے یہ ایک نئی مسجد تعمیر کی ہے۔ اس طرح عام مسلمانوں کی نظر سے منافقین اپنے ناپاک مقاصد پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جلیل القدر صحابہؓ کے ہمراہ جتنے عرصے مدینہ منوّرہ سے باہر رہے، ظاہر ہے حرۂ واقم کے اس علاقے میں منافق گروہ، اپنا اثر و رسوخ، ریاکاری کے ساتھ بڑھانے میں کوشاں رہا۔ لیکن کوئی دو ماہ بعد رمضان ۹ ہجری میں جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو ابھی مومنین اور صادقین کی جماعت شہر میں داخل ہی ہو رہی تھی کہ اللہ نے بذریعہ وحی آپؐ کو گروہ منافقین کے ناپاک مقاصد اور فتنہ برپا کرنے کی اصل سازش سے آگاہ فرما دیا۔ اور یہ مکان جسے مسجد کہا

گیا تھا اور اپنے ضرر رساں اغراض کے باعث مسجد ضرار موسوم ہوئی۔ بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسمار کر دی گئی۔ حتیٰ کہ مسجد ضرار کا نام و نشان ڈھونڈنا بھی اب آسان نہیں رہا۔ قرآنِ کریم میں اس واقعہ کا ذکر وضاحت سے موجود ہے۔

"کچھ لوگ ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی اِس غرض کے لئے
کہ (دعوتِ حق) کو نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی
کرنے کی بجائے) کفر کریں اور اہلِ ایمان میں پھوٹ
ڈالیں اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے
لئے کمین گاہ بنائیں، جو اس سے پہلے خُدا اور اس کے
رسولؐ کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہو۔ وہ ضرور قسمیں
کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا،
کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ
قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے
نہ ہونا جو مسجد (یعنی قبا) اول روز سے تقویٰ پر،
قائم کی گئی ہے، وہی اس کے لئے موزوں ہے، کہ
تم اِس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو۔ اس
میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور
اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے لوگ پسند ہیں۔"

(سورۃ التوبہ ۱۰۷ - ۱۰۸)

سفرنامہ ارض القرآن میں لکھا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا اور وہ گرادی گئی۔ (صفحہ ۲۲۷)

واضح رہے کہ سورۃ التوبہ قرآنِ پاک کی مدنی سورۃ ہے اور وہ واحد سورۃ

جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر شروع ہوتی ہے۔ امام رازیؒ کے قول کے مطابق خود آنحضرت صلعم نے اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی۔ قرآنِ کریم کی یہ سورۃ التوبہ کئی قابلِ ذکر خصوصیات کی حامل ہے۔ مثلاً اس میں مسلمانوں کو محض اپنی عددی اکثریت پر فخر کرنے سے روکا گیا ہے اور محض نصرت خداوندی پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک رکوع میں منافقوں کی ایذا رسانی اور ایک اور رکوع میں مسلمانوں میں نفاق کے تباہ کن نتائج سے خبردار کیا گیا ہے۔ منافقوں سے جہاد اور اُن سے مکمل لاتعلقی کا ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ اور آگے چل کر اس "مسجدِ ضرار" کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جو مدینے میں مسلمانوں کے خلاف داخلی اور بیرونی دشمن عناصر کے لئے ایک خفیہ کمین گاہ بنا کر حرم نبویؐ کی حرمت پامال کرنا چاہتے تھے۔

محققین اور سیاح اس مقام کو تلاش کرنے نکلے تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ یہ یہودی قبائل بنی نضیر اور بنو قریظہ کے بھرپور اثر و رسوخ کا علاقہ رہ چکا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث اپنی تفسیر قرآن " موضح القرآن" میں لکھتے ہیں۔ بنی عمرو بن عوف کے محلے میں (جو مدینے کے نواح میں ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائے تو چند روز ٹھہرے اور وہاں جن لوگوں نے پہلی مسجد تیار کی — قبا — حضور اکرمؐ اکثر ہفتے کے روز وہاں آکر نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہاں بعض منافقوں نے چاہا۔ پہلوں کی ضد پر مسجد بنا دیں۔ شاہ صاحب نے بیان کیا۔ — اور ایک راہب ابو عامر کو جو اسلام کی ضد سے نکل گیا تھا۔ اس کو نفاق سے بلا کر وہاں سردار اور ان کا امام کریں۔"

گویا اس منصوبے کی تکمیل کے لئے آنحضرتؐ کو مسجدِ ضرار میں نماز پڑھنے کی دعوت دی گئی۔ لیکن ان کی یہ دغا اور حیلہ سازی ناکام رہی۔ صرف حضرت مولانا اشرف علی

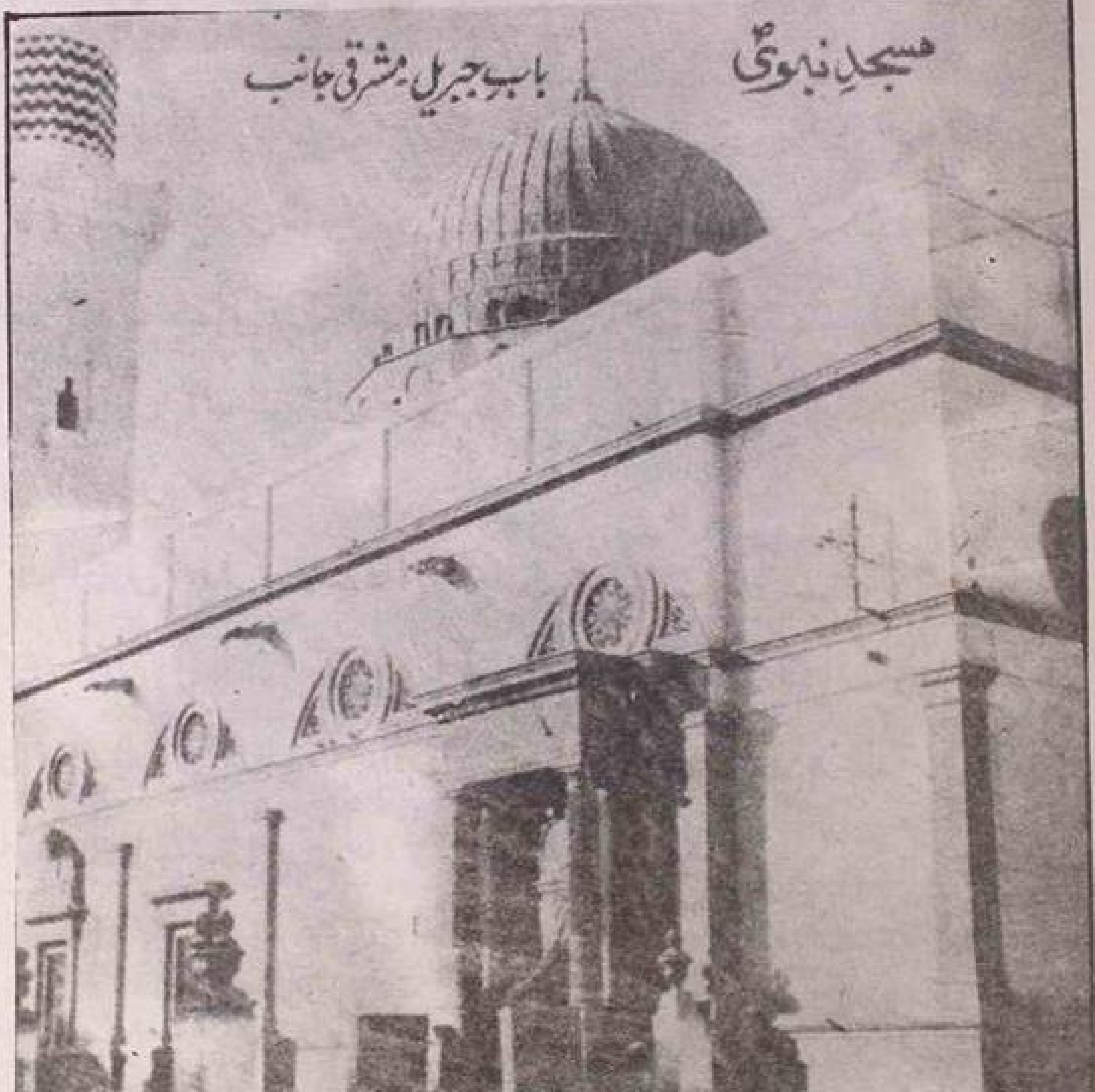
تھانوی ؒ نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں اس عمارت کو "مکان" لکھا ہے۔ جس کا نام منافقین نے "مسجد" رکھا اور اس خاطر کہ جماعت کے لئے لوگ وہاں آنے لگیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اِن کے پوشیدہ منصوبے کو افشا فرما دیا تو حضور اکرم ؐ نے وہاں جانے سے انکار فرما دیا۔ اور صحابہؓ کو بھیج کر اُس کو آگ لگوادی۔ اور اسے منہدم کرا دیا۔ مولانا سید محمد نعیم الدین ؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ابو عامر جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی راہب ہو گیا تھا ہوازن کی شکست کے بعد مایوس ہو کر ملکِ شام کی طرف بھاگا۔ اس نے منافقین کو خبر بھیجی کہ تم سے جو سامانِ جنگ ہو سکے قوت و اسلحہ جمع کرو اور میرے لئے ایک مسجد بناؤ۔ میں شاہِ روم کے پاس جاتا ہوں وہاں سے رومی لشکر لے کر آؤں گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم ؐ پر منافقین کے فاسد ارادوں کا اظہار فرما دیا۔ ابو عامر راہب شام میں انتہائی بے کسی میں ہلاک ہوا۔ (صفحہ ۲۹۵)

حضور نبی کریم ؐ کی اشیائے حرب:

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے جو ہتھیار موجود رہے تاریخ و سیر کی کتب سے ان کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔ چھ تلواروں میں سے ایک کا نام تبار، ایک کا نام ماثور اور ایک کا نام ذوالفقار تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور اکرم ؐ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا۔ (آقائے دوجہاں کو اکثر تلواریں ہدیہ کے طور پر ملتی رہیں) اسی طرح نبی کریم ؐ نے وقتاً فوقتاً جنگوں کے دوران سات زرہیں استعمال کیں حضرت زبیر ؓ نے بیان کیا کہ اُحد کی جنگ کے دن آپ کے جسم پر دو زرہیں تھیں۔ خود ایک آہنی ٹوپی ہوتی ہے۔ حضور ؐ کے پاس خود بھی رہا

یک بیک کیوں دلِ مضطر کو قرار آنے لگا
"دیکھنا وہ نگہہ ناز کہاں ٹھہری ہے"

(حسرت موہانی)



حجاج کرام اور زائرین بالعموم مسجدِ نبویؐ کے باب السلام کی جانب سے داخل ہو کر جانب مشرق اسی بابِ جبرئیلؑ سے باہر آتے ہیں۔ یہاں سے جنّت البقیع صاف نظر آتی ہے مسجدِ نبویؐ میں توسیع سے قبل اسی میدان میں ذی وقار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور دیگر اکابر اسلام کے مکانات تھے۔

مدینہ منوّرہ میں جدید تعمیر و توسیع

طریق الہجرت :-

جو خوش نصیب زائرین حرم گذشتہ چند سالوں میں ہی مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کے درمیان جدید ترین شاہراہوں پر سفر کر آئے ہیں۔ وہ اس مبارک بارونق، اور روشنیوں سے جگمگاتے راستے کو ہرگز فراموش نہیں کر سکے ہوں گے جو خواتین و حضرات ابھی وہاں سے نہیں گزرے وہ شاید آسانی سے اس کہکشاں ثانی راہگذر کا اندازہ نہ لگا سکیں۔

دونوں شہروں کو ملانے والی یہ سڑک طریق الہجرت کہلاتی ہے۔ گویا ہجرت نبوی کی یاد دلاتی ہے قدیم شاہراہ یا راہگذر جہاں سے آقائے دو جہاں سید المرسلین نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقائے سفر طے کر کے مدینے تشریف لائے تھے اب اس کی جگہ نئے جادہ منزل نے لے لی ہے۔

۴۵۲ کلومیٹر طویل اس شاہراہ کا افتتاح ۱۹۸۴ء میں ہوا تھا۔ مدینہ منوّرہ اور جدّہ کے درمیان نئی سڑک ۴۳۰ کلومیٹر کے طول پر محیط ہے۔ اس کا مقصدِ تعمیر صرف پختہ اور کشادہ شاہراہیں تعمیر کرنا ہی نہیں تھا بلکہ سفر اور اس کی طوالت کو کم کرنا بھی تھا۔ لیکن یہ کوئی معمولی منصوبہ نہیں تھا۔ چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ، اور مدینہ اور جدّہ کے درمیان یہ راہگذر پتھریلی وادیوں اور سخت چٹانوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں نہایت ناہموار اور سخت دشوار گذار ——— بہر حال قادر مطلق

کی عطا کردہ افرادی قوت تیکنکی ذہانت کے علاوہ اس مقصد کے لئے دو ہزار سات سو پچاس ملین سعودی ریال کی خطیر رقم بھی صرف کی گئی۔

موجودہ طریق الہجرت کی کشادگی اتنی ہے کہ اس پر چھ گاڑیاں بیک وقت چل سکتی ہیں۔ راہ میں ۲۹ بلند و بالا اور مضبوط پل بنائے گئے ہیں۔ اس طرح سڑک کے دونوں اطراف واقع بستیوں قریوں اور وادیوں میں بھی ربط باہم قائم ہو گیا ہے۔ لاکھوں مسافروں کے لئے یہ راہگذر نہ صرف سودمند ہے۔ بلکہ مشقت کی بجائے آج کے دور میں ذریعہ راحت بن گئی ہے۔ اپنے خاص محل ووقوع میں اس کی ملکی اور معاشی اہمیت بھی مضمر ہے۔ ایسے زرعی علاقوں کو اس سے سہولت ہوئی جہاں ایک عمومی اندازے کے مطابق کم و بیش چھ لاکھ افراد زراعت گاہوں سے وابستہ ہیں یا اس شاہراہ میں واقع ۱۶ زرعی علاقوں میں رہائش پذیر ہیں۔ تین سال اور چھ ماہ میں اس تعمیراتی منصوبے کو مکمل کیا جا سکا تھا۔ اور متعدد ممالک کے انجینئروں اور مزدوروں نے جانفشانی سے اُسے بنایا۔ آج جب ائیر کنڈیشنڈ کاریں ویگنیں، بسیں، اور باربرداری میں مصروف بڑی گاڑیاں نہایت تیز رفتاری سے اس شاہراہ پہ دوڑتی ہیں۔ تو حرمین شریفین کی زیارت کو جانے والوں کے جذبہ شوق کو اور مہمیز ملتی ہے۔ اور رات گئے مکہ معظمہ کے موقف سے روانہ ہونے والے شہر نبویؐ، مدینہ طیبہ میں صبح صادق سے پہلے پہلے عین اس وقت ضرور داخل ہو جاتے ہیں۔ جب مسجد نبویؐ سے نماز فجر کی اذان کا سحر انگیز آہنگ، مدینہ شریف کی پوری فضا میں بکھر رہا ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو حجاج فریضہ حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر اور مناسک حج کی تھوڑی تکان اپنے جوان اور بوڑھے جسموں میں سمیٹے یہاں آرہے ہوتے ہیں۔ وہ مدینہ طیبہ کی نکہت ونور کی فضا میں رحمت وراحت کی بارش میں نہا کر تر و تازہ اور شاداں و فرحاں ہو جاتے ہیں۔

مسجد نبویؐ میں توسیعی سلسلہ :۔

جیسے جیسے حجاج کرام اور عالم اسلام کے علاوہ کرہ ارض کے ہر گوشے سے آنے والے زائرین حرم کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ عظیم الشان اور وسیع و عریض مسجد نبویؐ کے رقبے میں مزید کشادگی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ بالخصوص موجودہ حکومت نے چند سال قبل مسجد نبویؐ کی اصل عمارت سے ملحق شیڈوں کی تعمیر کا ایک مفید تجربہ کیا۔ لاکھوں نمازی خواتین و حضرات ان حدتِ برداشت کر لینے والے شیڈوں میں سما جاتے ہیں۔ پھر بھی ایام حج میں خصوصیت سے لاکھوں افراد کھلے فرش، گلیوں، بازاروں میں صف بندی کرنے پر مجبور ہوتے رہے ہے۔ حکومت وقت اس صورت حال کے پیش نظر مسجد نبویؐ کو مزید وسعت دینے پر کمر بستہ ہوئی اور سب سے پہلے ملحقہ دوکانیں مکانات بلا تخصیص نئی پرانی عمارتیں مالکان جائیداد کو معاوضہ دے کر کشادگی کیلئے راہ سے ہٹا دی گئی ہیں اب یہ سب اطراف وجوانب کے مزید قطعات اراضی شامل حرم نبویؐ ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیضانِ رحمت ہے کہ اللہ کے رسولؐ برحق اور اُن کے صحابہ کرامؓ کی تعمیر کردہ مسجد نبویؐ اور سرور عالم محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو جلیل القدر صحابہ کرام (سیدنا صدیق اکبرؓ اور امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ) کی ابدی آرام گاہیں نہ صرف مرجع خلائق ہیں۔ بلکہ اُن کی شان و شوکت، وسعت و رفعت، اور تعمیراتی زینت و زیبائی میں بتدریج حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔

اگرچہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے اپنے زمانے میں مسجد نبویؐ میں نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مدنظر اس میں اضافے کئے اور نبی پاکؐ کی مسجد ہونے کی نسبت سے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی عبادت

کے اس مرکز کی زینت و زیبائش میں کوئی جوہرِ صناعی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔
ہم ایک اور جگہ لکھ آئے ہیں کہ حضورِ اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی اسی مسجد کیلئے ہے۔

مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ

ترجمہ :- حدیث نبویؐ : جو میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے)

تو یہ خصوصیت اسی مسجد کے لئے وقف ہے پھر یہ کہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت، سیدالانبیاء، سارے جہانوں کے لئے رحمتِ مجسّم نبی پاکؐ نے اپنے اُولوالعزم اور عالی مرتبہ جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ اینٹیں اٹھائیں، گارا بنایا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے کہ جن پر مشک و عنبر کی ساری مہک اور خوشبوئیں قربان، اس مسجد کی دیواریں اُٹھائیں۔

جدید ترین خاکہ تعمیری وسعت کا پچاس ہزار مکعب میٹر رقبے پر محیط ہے اور بہ عجلت ممکنہ نئے منصوبے کو مکمل کیا جارہا ہے توقع یہ ہے کہ اب تک اگر مسجد نبویؐ میں ۲۸ ہزار نمازی اندرونی حصہ میں نماز ادا کر سکتے تھے تو آئندہ ایک لاکھ ۷۰ ہزار نمازیوں کی بیک وقت گنجائش ہو جائے گی۔

مسجد نبویؐ کے بلند و بالا مینار، اور دُور و نزدیک نظروں میں رچا بسا سبز گنبد سب ہی کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو اس زرِ کثیر کا اندازہ ہو سکتا ہے جو مسجد نبویؐ کے فراواں انتظامات پر صرف ہوتا ہے۔ گذشتہ دنوں سعودی حکومت کے جاری کردہ کوائف سے معلوم ہوا کہ مسجد نبویؐ کی نگہداشت، متعین عملے اور دیگر ضروریات پر ہر سال تقریباً پانچ سو ملین سعودی ریال خرچ کئے جاتے ہیں۔ اور جب تعمیر و توسیع کا نیا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔ تو اُس وقت تک اس پر ہونے والے جملہ مصارف کی مالیت ۴ ارملین ریال ہو چکی ہو گی۔ خادم حرمین فہد بن عبدالعزیز پوری

فراخ دلی سے اس وسعت پہ ذاتی سرمایہ صرف کر رہے ہیں ـــــــ

مسجد نبوی ؐ میں تعمیراتی توسیع تدریجاً ہر دور میں ہوتی رہی۔ البتہ کبھی یہ وقفہ طویل ہو گیا اور کبھی نسبتاً کم وقفے میں اس کام پہ زیادہ توجہ دی گئی۔ گویا یہ بھی اپنی اپنی خوش قسمتی کا انعام ہے کہ جس کو اللہ رب العزت نے جتنا چاہا شیریں ثمر دیا۔ اور اجر و ثواب کے درجے بلند فرمائے۔ گذشتہ تین عشروں میں حرمین شریفین کی توسیع و تعمیر میں جو گہری دلچسپی لی گئی۔ اُسے دیکھ کر آج کے زائرین انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں

ہم یہ بات قدرے وضاحت سے دہراتے ہیں کہ شوال کا مہینہ تھا اور ۱۳۷۰ ہجری سال، کہ مسجد نبوی ؐ کے قرب و جوار کی عمارتیں منہدم کر کے جدید توسیعات شروع کی گئیں جو جدید و قدیم مکانات اور دکانیں ختم کی گئیں اُن کے مالکان کو مجموعی طور پر اس وقت تیس ملین سعودی ریال ادا کئے گئے ۔ شاہ عبدالعزیز فرمانروائے سعودی عرب نے ہدایت کی کہ "مسجد نبوی ؐ کے موجودہ رقبے کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے چنانچہ ۱۳۷۰ ھجری کے تعمیراتی منصوبے کے تحت مسجد نبوی ؐ کا رقبہ ۱۶۳۲۶ مربع میٹر ہو گیا۔ اور اب اس تعمیراتی مہم کی تین دہائیوں کے بعد ۱۴۰۵ ہجری میں خادم حرمین شریفین جناب فہد بن عبدالعزیز نے دوسرے کئی منصوبوں کی منظوری دی۔ اور یہ کام فوری طور پر شروع کرنے کی ہدایت کی ۔ یہ اضافہ کوئی معمولی اضافہ نہیں سابقہ رقبے میں کم و بیش پانچ گنا توسیع ممکن ہو گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب مسجد نبوی ؐ کے رقبے کو بڑھا کر ۸۲ ہزار مربع میٹر کر دیا گیا ہے ۔ یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ مسجد نبوی ؐ کے چھ میناروں کو اس طرح تعمیر کیا جا رہا ہے کہ ہر مینار ۹۰ میٹر بلند ہو گا۔ جبکہ میناروں کی موجودہ بلندی ۷۲ میٹر ہے۔ (ظاہر ہے یہ بھی حد درجے خوشنما دیدہ زیب اور پُر شکوہ ہیں۔) اور جب چار کی بجائے مجموعی طور پر دس فلک بوس مینار مکمل ہو جائیں گے تو مسجد نبوی ؐ کی شان و شوکت میں مزید اضافہ ہو گا۔ اور

حدِ نگاہ تک اِن بلند میناروں کا انداز دلربائی، اور طرزِ صناعی زائرین حرم نبوی
اور ساکنان شہرِ رسالت مدینۃ المنورہ کو دعوت نظارہ دے گا۔ مسجد نبویؐ کے تعمیراتی حسن
کو چار چاند لگیں گے۔ یہ تعمیراتی اخراجات اتنے خطیر ہیں کہ کسی ملک کے پورے بجٹ
سے ہی ان کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی سرکاری اور مصدقہ تخمینہ کے مطابق ۵۰۰،۰۰۰،۰۰۰
پانچ بلین سعودی ریال۔ بہر حال پہلا مرحلہ مشرقی سمت سے محلہ عوات ختم کر کے
شروع کیا جا چکا ہے۔ اور اس توسیع میں شامل علاقے کے ساکنان کو ان کی املاک
کے معاوضے کے طور پر سات سو ملین ریال ادا کئے جا چکے ہیں اسی طرح انشاء اللہ
دوسرے مراحل پر اصل منصوبۂ تعمیر کے مطابق کام جاری رہے گا۔ اور ارضِ مقدس
مدینہ منورہ کو دی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللہ جل شانہٗ پوری فرماتے رہیں گے
مدینہ اور ساکنان مدینہ کے لئے سید الکونین، سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ
خوشنودی جذبات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اور تمام آفات و مصائب سے محفوظ رکھنے
کے لئے اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان کے طالب ہوتے تھے۔

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے :۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِی مَدِیْنَتِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِی صَاعِنَا
وَبَارِکْ لَنَا فِی مُدِّنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ عَبْدُکَ وَخَلِیْلُکَ
وَنَبِیُّکَ وَاِنِّی عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ وَاِنَّہٗ دَعَاکَ
لِمَکَّۃَ وَاَنَا اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَۃِ بِمِثْلِ
مَا دَعَاکَ لِمَکَّۃَ وَمِثْلِہٖ۔

ترجمہ :۔ اے اللہ برکت دے ہمارے لئے ہمارے
مدینے میں اور برکت دے ہمارے لئے ہمارے
صاع میں اور برکت دے ہمارے مُد میں اے

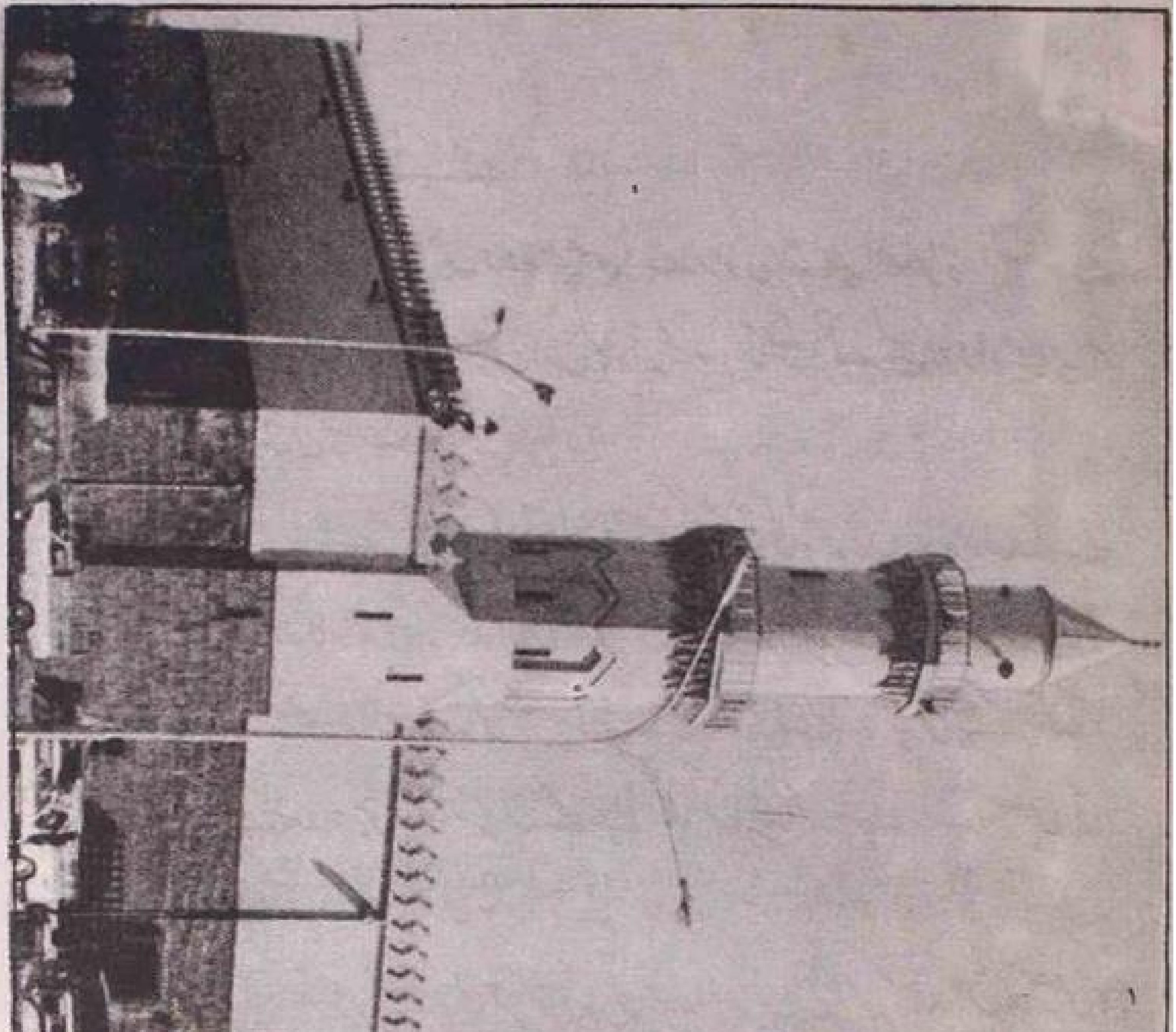
اللہ بے شک ابراہیمؑ تیرے بندے اور تیرے
خلیل اور تیرے نبیؑ تھے اور میں تیرا بندہ اور تیرا
نبی ہوں بے شک ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی
تجھ سے مکّہ کے لئے اور میں دعا کرتا ہوں تجھ سے
مدینے کے واسطے۔ اس مقدار میں کہ تجھ سے دعا کی
تھی مکّہ کے لئے اور اس کے مثل اس کے ساتھ۔"

مدینے کی شان بھی کیا شان ہے کہ سرورِ کائناتؐ نے اس کے لئے دعائیں فرمائیں۔ کتبِ سیر میں یہ واقعہ مذکور ہے :۔ کہ جناب عمرؓ بن عبدالعزیز جب مدینے میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے کہتے جاتے تھے کہ :

"خوف کرتا ہوں میں کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو
جاؤں جن لوگوں کو مدینہ نکال دیتا ہے۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ شیاطین شہر مدینہ میں اپنی عبادت سے مایوس ہو گئے ہیں، فاضل مولّف راحت القلوب نے آگے لکھا کہ شیاطین کی عبادت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو برائی کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس جزیرے کو (ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قریہ کو) شرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔ اگر نجوم ان کو گمراہ نہ کرے۔ عرض کیا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجوم کا گمراہ کرنا کس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا : کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے حکم سے بارش بھیجتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ قمر فلاں منزل میں آیا تھا۔ جس کی وجہ سے بارش ہوئی یہ ہے نجوم کی گمراہی ——— !



مسجدِ قباء: عالمِ اسلام کی پہلی مسجد، جسے پہلی صدی ہجری میں حضور نبی کریمؐ
نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تعمیر کیا۔ ارشادِ رسولؐ ہے کہ جو گھر سے باوضو ہو کر جائے اور
قبا میں دو رکعت نماز پڑھے اُسے ایک عمرہ کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔

مسجد قبا:

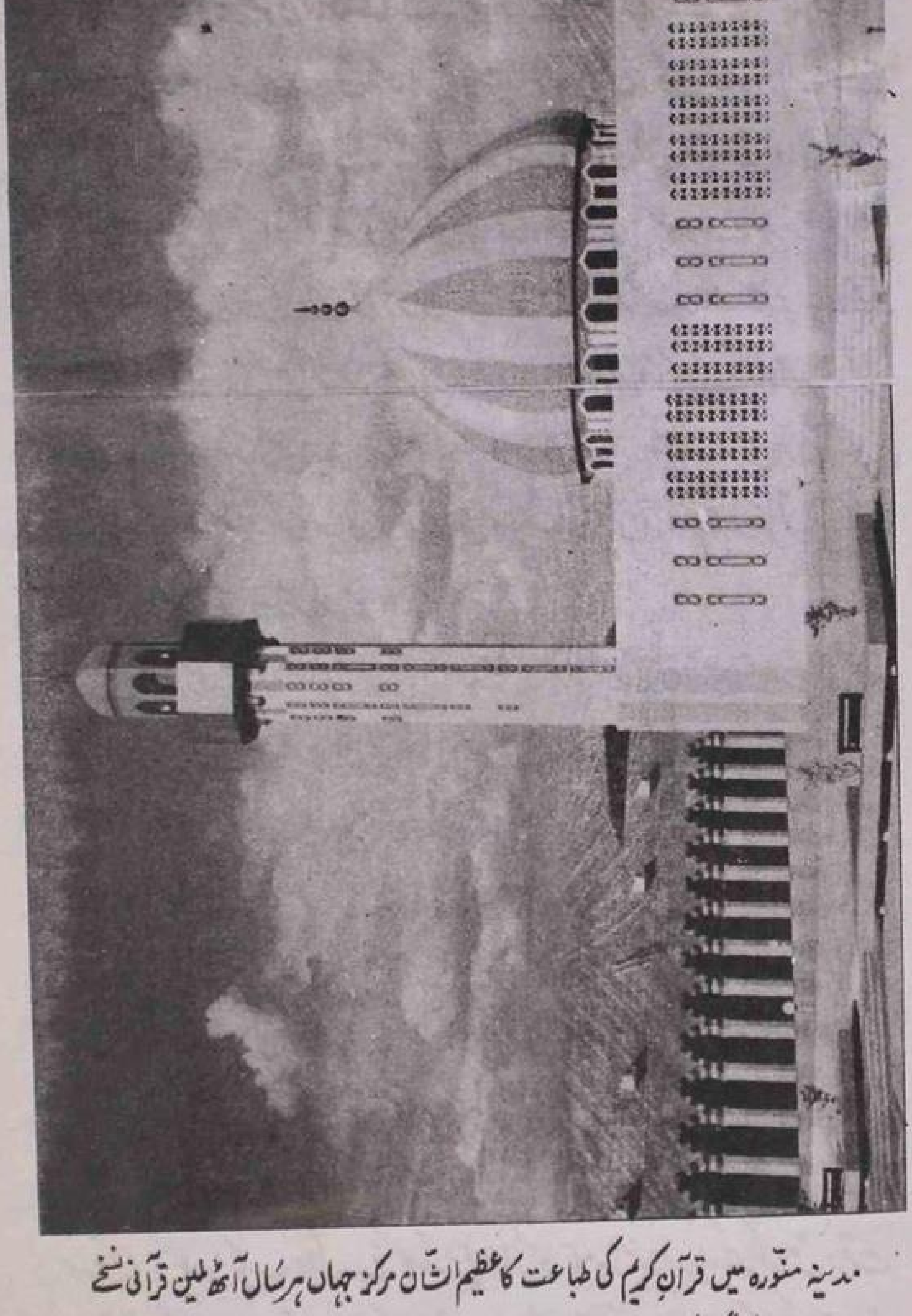
مدینہ منورہ کے نواح میں وہ پہلی مسجد، جسے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تعمیر کیا ہم لکھ آئے ہیں کہ شروع میں اس کا رقبہ مختصر تھا لیکن بعد کے ادوار میں برابر اس میں تعمیر و تبدّل کا سلسلہ چلتا رہا۔

کیونکہ جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی قبا کی بستی میں نمازیوں کے لئے گنجائش مزید درکار ہوتی مسجد قبا کی حفاظت اور پختہ تعمیر کے لئے ماضی میں جو کام ہوا۔ موجودہ منصوبہ ان سب کوششوں سے بڑھا ہوا ہے۔ حالیہ توسیع کا مقصد مسجد قبا میں بارہ سے پندرہ ہزار نمازیوں کے لئے گنجائش پیدا کرنا ہے۔ اب اس کی عمارت مزید دل کشی کی مظہر ہوگی۔

خادم حرمین شریفین سعودی فرمانروا فہد بن عبد العزیز نے اس مسجد میں توسیعی کام کی بنیاد ۱۹۸۴ء میں رکھی تھی۔ اس مسجد کی عباداتی فضیلت کا ذکر ہم دوسری جگہ کر آئے ہیں۔ یہاں جدید توسیعی لائحہ عمل کا ذکر مطلوب ہے۔ سابقہ تعمیر کے تحت مسجد کی جو ظاہری صورت تھی۔ اس میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے مسجد کی چھت پر تین بڑے گنبد ہوں گے جن کا قطر ۱۲ میٹر سے کم نہیں ہوگا۔ ۵۸ چھوٹے چھوٹے گنبد بھی ہوں گے۔ طرز تعمیر اسلامی ہوگا پختہ اینٹیں استعمال کی جائیں گی۔ مسجد قبا کا مجموعی رقبہ ۵۰۴۰ مربع میٹر ہو جائے گا۔ صحن اور باہر کے میدان میں تقریباً پندرہ ہزار نمازی ایک وقت میں نماز ادا کر سکیں گے۔ صرف پختہ بیرونی فرش ۴،۲۴ مربع میٹر پر مشتمل ہوگا۔ گنبدوں کو ڈیڑھ اور تین میٹر بلند چاند نما گول دائروں سے مزین کیا جائے گا۔ روشنیوں کے لئے دلکش اور نوع بہ نوع طرز کے قمقمے لگائے جارہے ہیں۔ اور مسجد قبا کو مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ بنا دیا جائے گا۔ اب مسجد کے دو بلند مینار ہوں گے۔

اِس توسیع کو غیر معمولی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نئے منصوبے سے قبل مسجد قبا کا مجموعی رقبہ ۱۳۵۲ مربع میٹر تھا۔ جہاں دو ہزار افراد بیک وقت نماز ادا کر سکتے تھے۔ یاد رہے کہ حضور رسالت مآبؐ کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسجد دوبارہ تعمیر کی تھی اور اِسے وسیع بھی کیا تھا۔ جب مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز بنائے گئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ مسجد کی عمارت بوسیدہ ہونے لگی ہے تو انہوں نے اس ضرورت پر توجہ دی اور مسجد قبا کو ایک بار پھر تعمیر کرایا مسجد قبا کا موجودہ مینار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہی ۸۷ھ ہجری اور ۹۳ھ ہجری کے دوران تعمیر کرایا تھا۔ اگر تعمیر اور دیکھ بھال کا یہ سلسلہ متواتر قائم نہ رہتا تو ہم اسلام کی ایک عظیم یادگار سے محروم ہو جاتے۔

کیونکہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا، مسجد قبلتین ہو یا مسجد مصلّیٰ، مسجد جمعہ ہو یا مسجد سبق، مسجد فتح ہو یا مسجد ابوبکر صدیقؓ، یا دوسری عہد رسالت کی مسجدیں آج مسلمانان عالم اِنہیں اس حفاظت اور توجہ کی بدولت دیکھ رہے ہیں۔ اور یہاں پہنچ کر ادائیگی نماز کی طمانیت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ سب ہماری تاریخ کے اوراق ہیں۔ مکہ مکرمہ کے بعد عہد رسالت کا وہ خاص شہر مدینہ طیبہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی۔ حضرت جبرئیل علیہ السّلام پیغام ربّانی لاتے رہے اور قلب رسولؐ کو ہدایت ربّانی کے علم و عرفان سے منوّر فرماتے رہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے قرآن پاک کی آیات کو مرتب کرنے اور سورتوں کو، یک جا کرنے کا تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ کیونکہ اس وقت تک قرآن کریم زیادہ تر حفّاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اور اس کے لکھے ہوئے اجزاء مدون ہونے کے منتظر تھے۔ یہ قرآن مجید کی معجز نمائی ہے کہ اس کا ہر جزو اور متن جیسا وقت نزول تھا ویسا ہی آج بھی لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً محفوظ ہے اور



مدینہ منورہ میں قرآنِ کریم کی طباعت کا عظیم الشان مرکز جہاں ہر سال آٹھ ملین قرآنی نسخے شائع کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ سعودی عرب کے فرمانروا خادم حرمین شریفین فہد بن عبدالعزیز نے اس جدید ترین منصوبے کا افتتاح ۱۴۰۳ھ ہجری میں کیا۔ تاکہ دینِ اسلام کی آفاقیت اور قرآنی دستورِ حیات کی کاملیت کا پورے عالمِ انسانیت میں ابلاغ کیا جائے۔

باری تعالیٰ نے اپنے کلام ربانی کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر اُسے بنی نوع آدم کی ہدایت اور رہبری کے لئے ابد تک کے لئے وقف رکھا ہے۔

عظیم مرکز اشاعت قرآن :-

قرآن کریم کے برحق منشور انسانی اور کلام ربانی ہونے کا ایک زندہ کرشمہ اور روشن ثبوت یہ ہے کہ دشمنان اسلام، مسلمانوں کے اتحاد، ان کی فرمانروائی، تہذیب و تمدن، ثقافت، تاریخی و اخلاقی اقدار، اور سرچشمہ عبادات و روحانیات کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ہر دور میں نبرد آزما رہے۔ لیکن قرآن کریم سرچشمہ علم و عرفان تک اُن کی رسائی کبھی ممکن نہ ہوئی۔ بلکہ دنیا کے ہر حصے میں قرآن کریم کی روشنی و تابانی پھیلتی ہی چلی گئی۔ اس سلسلے میں جدید اور عظیم مرکز اشاعت قرآن مدینہ منوّرہ میں ہی قائم ہوا ہے جس کی بنیاد ۱۴۰۳ھ ہجری میں ۶ محرم الحرام کو فرمانروائے سعودیہ نے رکھی۔

مدینہ منوّرہ میں قرآن کریم کی طباعت اور نہایت عمدہ جلد بندی کے لئے جدید ترین مشینیں نصب کی گئی ہیں۔ جنہوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ یہ کوئی سرسری اہمیت کی بات نہیں ہے کہ مدینہ منوّرہ کا یہ قرآن کمپلیکس کلام پاک کے آٹھ ملین نسخے ہر سال طبع کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے۔ اور اسلامی ممالک میں بولی جانے والی زبانوں میں تراجم بھی فراہم کرے گا۔ سعودی عرب کے وزیر حج و اوقاف جناب عبد الوامع نے ۱۴۰۷ ہجری کے ایک نشری اعلان میں واضح کیا ہے کہ مدینہ منوّرہ میں قائم کنگ فہد کمپلکس میں طبع ہونے والے قرآن مجید کے نسخوں کی تعداد اسّی لاکھ تک پہنچ گئی ہے اور عنقریب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ و تشریح کا ایک بڑا مرکز بھی قائم ہو جائیگا۔ (واضح رہے کہ اس سے قبل زائرین حرمین شریفین کو مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تراجم و تفسیر والے قرآنی نسخے دستیاب نہیں ہوتے تھے، بلاشبہ اس اقدام میں مناسب احتیاط مضمر رہی ہے۔)

عہدِ رسالت کے موذن صحابی

عمرو بن اُمِ مکتوم قرشی العامری رضؓ

موذنِ رسولؐ حضرت بلالؓ بن رباح کا دل نشین تذکرہ اِن اوراق میں آیا ہے۔ لیکن چند دیگر صحابہ کرامؓ بھی سرورِ دوسرا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر و حضر میں ادا کی جانے والی نمازوں کے موقع پر اذان دینے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اربابِ تاریخ و سیر نے اُن کے مندرجہ ذیل نام لکھے ہیں:

مدینہ منورہ میں دو صحابی بلال رضؓ بن رباح جن کو اپنی والدہ کی نسبت سے بلال ابن حمامہ بھی کہا گیا ہے۔ قرشی العامری صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن اُم مکتوم رضؓ قبا کی بستی میں حضرت سعد القراظ رضؓ اور مکہ معظمہ میں حضرت ابو محذورہ اوس بن مغیرہ بن خمجی رضؓ

حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ ابنِ حجرؒ کا قول ہے کہ حضرت عمرو بن اُم مکتوم مکہ مکرمہ میں بعثتِ نبویؐ کے اوّلین دَور میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ روایات میں ان کا اصل نام عمرو کے علاوہ عبداللہ یا حصین بھی ملتا ہے لیکن وہ ابنِ اُم مکتوم رضؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حافظ قرآن اور تجوید و قرأت کے ماہر تھے۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد یہاں قرآنِ کریم کی تعلیم دینا اور قرأت سکھانا اُن کے معمولات میں شامل تھا۔ نابینا ہونے کے باوجود ہر باجماعت نماز میں شرکت کے لئے اپنے گھر سے (جو فاصلے پر تھا) مسجد نبویؐ پہنچ جاتے تھے۔ حضرت ام مکتوم رضؓ نسبی اعتبار سے قیس بن زائدہ کے فرزند اور اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ قرآنِ کریم کی سورۃ عبس کے نزول کی روشنی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ابنِ جریر اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے۔ اُس میں اُم مکتوم رضؓ کی جانب سے حضور سرورِ دو عالمؐ سے مخاطب ہو کر کہا جانے والا یہ فقرہ آج بھی ہم سب کی

طلبِ ایمان و استقامت کو تازہ حرارت بخش رہا ہے۔

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے وہ علم سکھائیے جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے۔"

ایک مرتبہ دونوں جہاں کے آقا ﷺ نے اپنی ردائے مبارک اُن کے لئے بچھادی

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا ارشاد ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے حضرتِ اُم مکتوم رضؓ کے لئے شہد اور لیموں کا روزینہ مقرر فرمایا تھا۔ واقدی کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ علامہ ابنِ سعد اور حافظ ابنِ حجر، ان کی جنگِ قادسیہ میں شرکت کا ذکر کرتے ہیں۔ بہرحال یہ تھے محبِ صادق، صحابیٔ حق جو موذنِ رسول ﷺ مدینے کی جھاڑیوں اور راہ کے خودرو کانٹوں سے دامن تار تار کر کے مسجدِ نبوی ﷺ کی جانب رواں دواں ——

حضرت عمرو ابنِ مکتوم رضؓ حافظ قرآن، قاریٔ قرآن، بصارت سے محروم ہونے پر بھی اداشناسِ رسول ﷺ تھے اور محبوبِ ربّ العالمین کی مہر و محبت سے دامن معمور تھا

بھرا ہے جس نے دامانِ دو عالم

وہی دستِ سخا ہے اور میں ہوں (بہزاد لکھنوی)

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

بے شک نماز روکتی ہے، بے حیائی سے اور بُری بات سے

سورۃ العنکبوت آیت ۴۵

ترجمہ: شاہ عبدالقادر رحؒ

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

صدق اللہ العظیم



ذوالحلیفہ : اہل مدینہ اور مدینہ منوّرہ سے گزر کر مکّہ معظمہ آنے والوں کے لئے میقات، جو مدینہ منوّرہ سے گیارہ کلومیٹر اور حرم کعبہ سے تقریباً چار سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جہاں جہاں میقات مقرر فرمائیں ان میں کسی کو تبدیلی کا اختیار نہیں بلکہ کسی ارضی عمق اور فضائی بلندی کے باوجود یہ حکم برقرار رہتا ہے۔

مسجد الحرام مکہ مکرمہ اور مسجدِ نبوی مدینہ منورہ میں نمازوں کی سعادت اور فضیلت

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن

("نماز مومن کی معراج ہے" حدیث نبوی)

نماز کی فرضیت حقیقت یہ ہے کہ پروردگارِ عالم کی بے شمار اور بیش بہا نعمتوں کا شکر بجا لانے کا بہترین وسیلہ نماز ہی ہے اور نماز تحفۂ معراج نبوی ہے۔

نماز اسلامی فلسفۂ عبادت کا نقطۂ عروج ہے

اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْاِسْلَامِ وَالْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃ

مفہوم: (مسلمان اور کافر کے درمیان فرق اور سرحد نماز ہے۔ حدیث نبوی)

دینِ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اور جن پانچ ستونوں پر یہ دینِ حق قائم ہے اُن میں سے ایک بنیادی ستون نماز ہے۔

کلامِ ربانی قرآنِ مجید اور احادیث شریف میں قیام الصلوٰۃ، ادائیگی صلوٰۃ۔ (دوام) اور پابندیٔ وقت سے، فرض نمازوں کی ادائیگی کی سخت تاکید آئی ہے۔ اور نماز ترک کرنے والوں، نماز میں غفلت کرنے والوں یا دانستہ یا عمداً اس سے گریز کرنے والوں کے لئے باری تعالیٰ کی تعلیمات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عذابِ جہنم کی سخت وعید آئی ہے۔ نماز کی فرضیت ہر مسلمان عاقل و بالغ پر اتنی محکم اور لازمی ہے کہ اُسے ترک کرنے والا اپنے دوسرے اعمالِ نیک بھی زائل کر بیٹھتا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق سات سالہ بچوں کو زبانی تاکید سے اور دس سالہ بچوں کو سختی کے ساتھ نماز پڑھانا ضروری ہے تاکہ وہ اس کم سنی ہی سے پانچ وقت کی فرض نمازوں کے عادی ہوتے چلے جائیں۔

شفیع الامم، جمیل الشیم رحمۃ للعالمین جب قادرِ مطلق، کی رضا پر ملاءِ اعلیٰ کے لئے معراج کی شب سدرۃ المنتہیٰ کی جانب مائلِ پرواز ہوئے اور بالآخر عرشِ معلیٰ کا وہ مقامِ ارفع آیا کہ اللہ جلّ شانہٗ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تو شروع میں اُمتِ محمدیؐ کو پچاس نمازوں کا تحفہ عطا کیا گیا۔ اور بعد میں یہ فرض نمازیں پانچ رہ گئیں۔ تو اس سہولتِ عظیمہ کے باوجود ہم میں سے جو لوگ اپنی غفلت سے، سہل انگاری سے، خودساختہ تاویلات اور غیر معقول عُذر، معذرت سے ترکِ نماز کے مُرتکب ہوں، تارک الصلٰوۃ کہلائیں تو اُن کی بدنصیبی اور دینی و دنیاوی خسارے میں کیسے شُبہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ربّ العزت کے احسانات و انعامات کا شمار انسان کے بس میں کسی طور ممکن نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے اِن احسانات کو مشاہدے میں لانے اور فہم و سماعت میں سمیٹ لینے کی پوری صلاحیت سے نوازا ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں:

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

"اور اُس نے دین کے احکام میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی ملّت پر قائم رہو۔ (سورۃ الحج - ۷۸)

گویا وہ اعمال اور کیفیات جن کا کوئی مرد یا عورت بشری تقاضوں اور حدود کے باعث مکلّف نہ ہو وہ انسان پر مسلط نہیں کی گئیں۔ پھر یہ کہ جن اعمال و افعال کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا گیا، اُن میں نفس کی پاکیزگی، اخلاق کی عمدگی، جسم کی طہارت، روزمرہ معاملاتِ زندگی میں صحتِ وصفائی اور دیانت و صداقت کا شعورِ اختیاری شامل رکھا گیا ہے۔ ایک

مثالی زندگی کے اِن اساسی تقاضوں کی احادیث کی نفی دنیا کا کوئی قدیم و جدید علم اور مہذب و متمدن معاشرہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

مشکوٰۃ شریف میں حضور اکرمؐ کی ایک حدیث ہے:

"ارشاد فرمایا جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے۔ نماز اس کے لئے قیامت کے روز سبب روشنی، دلیلِ ایمان، اور باعثِ نجات ہوگی اور جس نے (نماز کی) پابندی نہیں کی۔ اس کے لئے نہ تو روشنی کا ذریعہ ہوگی، نہ ایمان کی دلیل، اور نہ نجات کا باعث (بلکہ) قیامت (کے روز) قارونؔ فرعونؔ ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

"جس نے ایک نماز نہ پڑھی۔ اُس کے دل میں ایک سیاہ داغ پڑ گیا۔ اور جتنی نمازیں نہ پڑھیں، اتنے سیاہ داغ پڑتے چلے گئے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا۔ کون سا عمل افضل ہے؟ ارشاد ہوا۔ "وقت پر نماز پڑھنا۔"

مشکوٰۃ میں ہی ایک اور حدیث۔

"ارشادِ رسولؐ ہوا: پانچوں وقت کی نمازیں اور ایک جُمعہ، دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان، دوسرے رمضان تک، اپنے درمیان صغیرہ گناہوں کے لئے زائل کرنے والے ہیں۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے" (صفحہ ۵)

اس سے ظاہر ہوا کہ نماز انسان کے اختیار میں ایک ایسی کنجی ہے کہ جس سے گناہوں کے

دروازے کو مقفل کیا جا سکتا ہے اور اجر و ثواب کے دروازے کے قفل کو کھول کر اپنا دامن فلاح و راحت سے بھرا جا سکتا ہے۔

یہ کلام ربانی اپنے بندوں کے لئے ایک بشارت ہے نوید برحق ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور (ہر) بری بات سے

(سورۃ العنکبوت - آیت ۴۵)

پھر دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک نماز وہ ہے، جو عادتاً یا کسی جائز مجبوری کی وجہ سے گھر میں، دکان میں، سفر میں، ڈیوٹی کے دوران، کسی کارخانے میں یا دفتر میں، تنہا پڑھی جاتی ہے اور ایک وہ نماز جو مسجد میں جاکر با جماعت پڑھی جاتی ہے، دونوں نمازوں کا واضح فرق ہمارے ذہنوں میں رہے تو مسجد اور باجماعت نماز دونوں میں کوئی ایک انعامِ خداوندی بھی ہم چھوڑنا گوارا نہ کریں گے۔ ہمارے قلب بھی نورِ ایمانی سے روشن ہوں گے اور خانۂ خدا بھی آباد اور بارونق رہیں گے۔ اور کسی کو یہ شکوہ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

ع مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا، تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے بڑھی ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم شریف کی حدیث ہے کہ :-

"تنہا نماز پڑھنے میں اگر دس نمازوں کا ثواب ہوتا ہے تو جماعت سے نماز پڑھنے میں دو سو ستر نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔"

ابو داؤدؒ اور ترمذی میں یہ ارشاد نبویؐ موجود ہے۔ کہ فرمایا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خوش خبری دو اندھیرے میں مسجد میں آنے والوں کو کامل نُور کی "

قیامت کے دن یعنی اندھیرے میں مسجد کے اندر آنے
والوں کو قیامت کے روز کامل روشنی دی جائے گی۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی اہمیت حرمین شریفین کے زائرین پر خاص طور سے واضح ہوتی ہے۔ جہاں تمام نمازیں نظم و ضبط کے ساتھ باجماعت پڑھی جاتی ہیں۔

اس بارے میں بعض عظام صحابہؓ کے ارشادات بھی نہایت ایمان افروز، اور درسِ عبرت لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کا قول ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں (نماز) جماعت وہ لوگ چھوڑتے تھے، جن کا نفاق مشہور تھا، انہی سے روایت ہے کہ بعض صحابہؓ جماعت کے اس قدر دلدادہ اور شائق تھے کہ باوجود بیمار ہونے کے بھی جماعت نہ چھوڑتے تھے۔ موطا۔ امام مالک میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں ایک نمازِ فجر میں سلیمان ابنِ حثمہؓ کو نہ پایا تو راہ چلتے ان کی والدہ شفارضؓ سے صورتِ حال دریافت کی۔ اُنھیں بتایا گیا، کہ سلیمانؓ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ صبح آنکھ لگ گئی۔ یہ حضرتِ عمرؓ کا ہی عہدِ خلافت تھا۔ بزرگ خاتون کو امیر المومنین عمر فاروقؓ نے جواب دیا:

"میرے نزدیک بہتر ہے کہ تمام رات سوؤں، اور
آرام کروں اور صبح کے وقت جماعت سے نماز پڑھوں۔"

سیدنا فاروق اعظمؓ تو اقامت الصلوٰۃ کے معاملے میں کسی رُو رعایت کے روادار ہی نہ تھے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے کہ:

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں
تمام حکام کو یہ حکم نامہ تحریری طور پہ بھیجا کہ میرے نزدیک
تمہارے کاموں میں سے زیادہ ضروری نماز ہے جو شخص
اس پر پابندی اختیار کرلے گا، وہ دین کا پابند ہوگا۔

اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دوسرے امور کو زیادہ
ضائع کرنے والا سمجھا جائے گا۔"

حضرت عبداللہ بن شفیقؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ ترکِ نماز کو کفر کا عمل سمجھا کرتے تھے۔ سیّدالانبیاء نبئ آخرالزماںؐ صرف اپنی اُمت کے لئے ہی رحمتِ مجسّم نہیں پُوری انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں۔ کمال محبت آفریں انداز میں فرماتے ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے تو اپنے نبیؐ کی سُنت و طریقہ کو چھوڑ دو گے۔ اگر تم نے اپنے نبیؐ کی سُنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص پاک و صاف ہو کر مسجد میں آتا ہے اور باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اُس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ ایک اور نماز جمعہ کی نماز ہے۔ جو بدقسمت لوگ ایک عید کے بعد دوسری عید کی نماز پڑھنے جاتے ہیں اور صلوٰۃ پنج وقتہ تو کیا جمعہ کا دن بھی نماز باجماعت کی نعمت سے محرومی میں، محض کاہلی، اور، لاپروائی کے سبب گزار دیتے ہیں، وہ دل کی آنکھیں کھول کر یہ ارشادِ رسولؐ پڑھیں۔

فرمایا نبئ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ جس شخص نے
بلا عذر جمعہ کو چھوڑ دیا وہ اس کتاب میں منافق لکھ دیا
جائے گا۔ جو نہ کبھی مٹے گی اور نہ بدلے گی۔"

حرمین شریفین زائر مدینہ مسجد نبویؐ پہنچتا ہے یا باشندگان مدینہ منورہ اذان سُن کر جانب مسجدِ نبوی صلعم فوراً گامزن ہوتے ہیں تو نماز کے ذوق اور افضلیت میں کچھ اور ہی شان سے اضافہ ہو جاتا ہے، کوئی شمار، کوئی پیمانہ ایسا نہیں کہ ہم انعام و اکرام کے اِس بارانِ رحمت کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکیں۔ یعنی ایک نماز جو مسجد نبویؐ میں پڑھی گئی۔ اس کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر۔

رحمتِ عالم فخرِ کونین، جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن عبد اللّٰہ بن الزبیر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوٰۃٌ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوٰۃٍ فیما سواہ من المساجد الّا المسجد الحرام وصلوٰۃ فی المسجد الحرام افضل من مائۃ صلوٰۃ فی ھذاہ (رواہ احمد)

مفہوم: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری، اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے اور مسجدِ حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔"

گویا مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ دنیا بھر کی تمام مساجد سے اجر و ثواب میں زیادہ اور مسجد نبویؐ سے سو نمازوں کے مساوی افضلیت، اور اجر و ثواب میں مسجد الحرام (بیت اللہ مکہ مکرمہ) زیادہ پُر عظمت۔

کیونکہ بیت اللہ تو وہ مقام عظیم و رفیع ہے کہ دینِ حق اسلام کی ساری عبادات اسی کے محور پر قائم ہیں۔ اسی قبلہ کی جانب پورے کرۂ ارض کے فرزندانِ اسلام فرض، سُنّت اور نفلی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اُسی کا طواف مناسکِ حج کی روح ہے چنانچہ وہاں جو نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اُن میں سے ہر ایک نماز کا ثواب بھی ایک لاکھ گنا رکھا گیا ہے۔

سبحان اللہ خانۂ کعبہ کی اندرونی محرابوں کے درمیان، مطاف میں، یا بالائی منزلوں میں، یا وسیع وعریض، بیرونی صحن میں، ابوابِ خاص کے اندر جن خوش نصیب بہنوں اور بھائیوں اور بزرگوں نے باجماعت نمازیں پڑھی ہیں، وہ اِن اذانوں کی خوش آہنگی اور آئمہ کرام کی تلاوتِ بلیغ و دلنشیں کو کیونکر فراموش کر سکتے ہیں۔ وہاں کی تیز دھوپ بھی دلوں کی ٹھنڈک اور آفتاب کی تمازت، احساسِ بندگی کی شبنم بن جاتی ہے

مدینے کی چالیس نمازیں

سرورِ عالم شفیع المذنبینؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

عن انسؓ قالَ قالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فی مسجدی اربعینَ صلوٰۃً لاتفوتہٗ صلوٰۃٌ کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِنَ النَّار، وَبَرَاءَۃٌ مِنَ العَذَابِ وَبَرَاءَۃٌ مِنَ النِّفاق.

(رواۃ احمد طبرانی فی الاوسط)

مفہوم: حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جس نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت (قضا) نہیں ہوئی، اس کے لئے لکھدی جائے گی نجات اور برأت، دوزخ سے اور ہر عذاب، سے اور اسی طرح برأت نفاق سے۔"

(خطبات قاسمی صفحہ ۴۷۸)

گویا جہاں مدینہ منورہ میں قیام کرنے والوں کے لئے خیر و برکت، دعا و استغفار،

اجر و ثواب، اور قلب و نگاہ کی راحت و فرحت کے دوسرے مواقع بے شمار ہیں۔ وہاں مسجدِ نبویؐ میں نمازوں کی باقاعدہ ادائیگی کی سعادت بھی بے حساب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چالیس نمازیں نہ تو بیت اللہ کے مناسکِ حج کا حصہ ہیں، نہ فرضیت کے زمرے میں آتی ہیں، لیکن ارشادِ رسولؐ میں ان کے بڑے اجر و ثواب کی نہایت اہم بشارت موجود ہے۔

حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم

مدینہ منورہ بنی مخزوم کی اس تاریخی شخصیت کی بھی آخری اقامت گاہ رہا، جو بعثتِ نبویؐ کے بعد مسلمان ہونے والوں میں بعض راویوں کے نزدیک ساتویں نمبر پر اور بعض کے مطابق گیارہویں نمبر پر آتے ہیں۔ اصل نام جناب ارقمؓ بن ابی الارقم، کنیت ابوعبداللہ، تبلیغِ اسلام کے ابتدائی دور میں ان کا گھر کوہِ صفا کے زیریں مکہ مکرمہ میں دارالارقم کے نام سے مشہور ہوا۔ جہاں دنیائے اسلام کی بڑی بڑی نامور شخصیتوں نے اسلام کی دعوتِ حق قبول کی۔ تبلیغی اغراض و مقاصد پر کام جاری رکھا گیا۔ دشمنانِ اسلام کی جانب سے مقاطعہ کی تحریک کے بعد مسلمان دارالارقم کے گوشہ پناہ سے بے بسی اور بے کسی کی حالت میں شعب ابی طالب کی تین سالہ صعوبتوں کے طوفان میں منتقل ہوئے تھے۔ ابنِ سعد نے ان کے فرزند عثمان کی روایت سے لکھا ہے کہ ارقمؓ ساتویں مسلمان تھے۔ حضور اکرم شفیع الامم، دین مبین کے لئے اُن کی جانبازی کی قدر فرماتے تھے۔ اور انھیں دیکھ کر چہرہ انور پر مسرت بکھر جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مہاجرین نے مدینے ہجرت کی تو اول اول جانے والوں میں شامل تھے اور نبیٔ پاک صاحبِ جود و الکرم کے ایما پر حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مدینہ منورہ کے محلہ بنی زریق میں مستقل قیام کے لئے رہائشی قطعہ اراضی عطا کیا گیا۔ چنانچہ ارقمؓ بن ابی الارقم نہ صرف شہرِ نبویؐ مدینہ طیبہ میں رہے بلکہ جنگِ بدر سے معرکۂ تبوک تک دل و جان سے شریک رہے۔ تجارت اور کاشت ذریعہ معاش تھا۔ یہ واقعہ انہی لائقِ احترام صحابیؓ سے متعلق ہے کہ ایک مرتبہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

گزارش کی کہ وہ حصولِ ثواب کی خاطر مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس میں) نماز کی ادائیگی کے لئے جانا چاہتے ہیں، معلمِ کتاب و حکمت نبیِؐ آخرالزماں نے فرمایا:

"مسجدِ نبویؐ (مدینہ) کی ایک نماز مسجدِ حرام (بیت اللہ مکہ مکرمہ) کے سوا دنیا بھر کی مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔" (بحوالہ مستدرک جلد سوم)

چنانچہ حضرت ارقمؓ نے مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر مسجدِ نبویؐ میں ہی نمازیں ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے تمام شاہد میں نبیِ مرسلؐ کے ساتھ رہے۔

ایک موقع پر زُہد و تقویٰ میں زیادتی کے جذبے نے اذیت کوشی پر مجبور کیا۔ تو حضورؐ کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ اللہ کے رسولِ آخرؐ نے دین کو اذیت کوشی کی تعبیر دینے سے احتراز فرمایا۔ اور مشورہ دیا کہ روزے رکھا کریں چنانچہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم روزے اکثر رکھا کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ "بیت الخزران" کے نام سے مشہور ہوئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں ۸۵ برس کی عُمر میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں سُپردِ خاک کئے گئے۔ دین کی تبلیغ کا ذوق... رکھنے والے اُن کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ ضرور کریں:۔ جہاد بالسیف اور اشاعتِ دین کا مظہر تھے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۝

(اے ہمارے رب، بخش دے ہمیں اور ان بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں)

عاشقانِ حرمین شریفین اپنے اپنے عالمِ شوق میں

(ایک بزرگ) علی بن موفق کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف (مکہ مکرمہ) میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس وقت تک ساٹھ حج کر چکا تھا۔ میرے دل میں یہ وسوسہ گزرا کہ کب تک اِن جنگل بیابانوں میں پھرتا رہوں گا (اب ختم کروں بہتیرے حج کر لیے) مجھ پر دفعتاً نیند کا غلبہ ہوا تو، میں نے ایک غیبی آواز دینے والے کو دیکھا، وہ کہہ رہا ہے کہ:۔

"اے ابنِ موفق تو اپنے گھر اُسی کو بلاتا ہے، جس کے بُلانے سے تیرا دِل خوش ہو۔"

اس کے بعد اس آواز دینے والے نے دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ میں نے زیارت کے لئے اپنے سے محبت رکھنے والوں کو بُلایا ہے اور اُن کے علاوہ کسی اور کو نہیں بُلایا۔ یہ لوگ میرے گھر کی طرف اکرام کے ساتھ آتے ہیں۔ پس مُبارک ہیں یہ لوگ بھی اور وہ کریم ذات بھی جس نے ان کو بلایا (روض)

• علامہ شامی کہتے ہیں کہ خیر رملی شافعیؒ نے ابنِ حجر سے اس قول کو نقل کیا اور تائید کی۔ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جتنے احسانات اُمت پر ہیں، اور جو توقعات وصال کے بعد آپؐ سے وابستہ ہیں ان کے لحاظ سے وسعت، اور طاقت کے بعد بھی حاضری نہ نصیب ہو تو بے حد محرومی ہے اور معمولی اعذار (وجوہ) سے اس سعادتِ عظمیٰ سے محرومی انتہائی قساوت اور جفا ہے۔

• علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ جس شخص نے باوجود وسعت کے زیارت نہ کی اُس نے یقیناً جفا کی۔

• حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں حج کے سفر میں جنگل میں مجھے ایک نوعمر اور نوشکیل لڑکا ملا۔ عشقِ الٰہی اُس کے بدن میں جوش مار رہا تھا۔ وہ بھی حج کے لئے جارہا

تھا۔ میں نے اس کو ساتھ لے لیا اور اس سے کہا کہ سفر بڑا طویل ہے۔ لڑکے نے جواب میں (ایک فکر انگیز) شعر پڑھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"کاہلوں اور اُکتا جانے والوں کے لئے یہ سفر بعید"

لیکن مشتاقوں کے لیے قریب ہے (کچھ بھی دور نہیں) (روض)

● ایک بزرگ نے طواف خانہ کعبہ کے دوران ایک ضعیف عورت کو دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے چند اشعار پڑھ رہی تھی۔ جن کا مفہوم یہ تھا۔ کہ اے دلوں کے محبوب! میرے لئے تیرے سوا کوئی نہیں، آج تو رحم کر دے اس پر جو تیری زیارت کو حاضر ہوئی۔ میرا صبر جاتا رہا۔ اور تیرا اشتیاق بہت بڑھ گیا اور دل کو اس سے انکار ہے کہ وہ تیرے سوا کسی سے بھی محبت کرے۔ تو ہی میرا سوال، تو ہی میرا مطلوب ہے۔ تو ہی میری مُراد ہے۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا تیری ملاقات کب ہو سکے گی۔ مجھے جنت سے اس کی نعمتیں مقصود نہیں۔ مجھے جنّت اس لئے مطلوب ہے کہ اس میں تیرا دیدار ہو گا۔" (روض۔ ص ۵۷)

● شیخ فتح موصلیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے لق و دق صحرا میں تن تنہا ایک کمسن لڑکے کو پیدل جاتے دیکھا۔ اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ اُس نے جواب دیا۔ پھر پوچھا صاحبزادے کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا: بیت اللہ شریف جا رہا ہوں ــ میں نے پوچھا: تمہارے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں؟ کہنے لگا۔ قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا: ابھی مکلف بھی نہیں بنے ــ؟ کہنے لگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ موت مجھ سے کم عمر والوں کو بھی پکڑ لیتی ہے۔ میں نے کہا تمہارے قدم چھوٹے ہیں اور راستہ بھی بہت دور ہے۔؟ کہنے لگا۔ میرا کام قدم اٹھانا ہے اور اللہ جلّ جلالہٗ کا کام مقصود پر پہنچانا ہے۔ میں نے کہا، کوئی توشہ، کوئی سواری؟ کہنے لگا، میرا توشہ یقین ہے اور میری سواری پاؤں ہیں۔ میں نے

کہا: میں تو روٹی اور پانی کو پوچھتا ہوں، کہنے لگا: چچا جان! اگر کوئی تمہیں بلائے، تو تمہیں یہ زیبا ہے کہ اس کے گھر کھانے کے واسطے اپنا کھانا لے کر جاؤ۔ میں نے کہا، نہیں۔ کہنے لگا: میرے آقا نے اپنے بندوں کو اپنے گھر بلایا ہے اور زیارت کی اجازت دی ہے۔ (فضائل حج۔ مرتبہ: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)

● مجھ عاصی، خطاوار (مولف کتاب "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت") کو قیام مدینہ کے دوران متعدد ایسے واقعات پیش آئے، جو دل پر نقش ہو گئے۔ اور احساس ہوا کہ جو خواتین و حضرات وہاں جاتے ہیں کچھ ذاتی مشاہدے اور تجربات کی خوشگوار یادیں بھی ساتھ لاتے ہیں۔ ایک بار مسجد اُحد والے حافظ محمد صادق اپنے گھر سے خود عمدہ کھانا پکا کر ہماری قیام گاہ پر لائے۔ وہاں کھانا رکھ کر ہم اکٹھے مسجدِ نبویؐ کی جانب نماز جُمعہ ادا کرنے چلے۔ باب السلام کے باہر جگہ ملی۔ دھوپ نہایت شدید تھی۔ میں نے کہا حافظ صاحب! دھوپ کافی سخت ہے۔ حافظ صاحب مسکرائے اور فرمایا:

"جی! مدینہ کی دھوپ بھی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔"

میں گہری سوچ میں مستغرق ہو گیا۔ کہ یہ جواب محبت سے کس قدر لبریز ہے۔!

نماز شروع ہوئی تو امام مسجدِ نبویؐ کی اقتدا میں راقم السطور اور میرے رفیقانِ سفر نے نیت باندھی۔ عالم یہ تھا کہ پیشانی سے پسینہ بہ کر پیروں تک آ رہا تھا ــــ لیکن ــــ خشوع و خضوع میں الحمدللہ کچھ فرق نہ تھا۔ پہلی ہی رکعت میں نسیمِ صبح گاہی کی مانند ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا اور بارانِ رحمت کی طرح ہم پر گزر گیا۔ اُس کے بعد پوری نماز میں نہ پسینہ تھا نہ دھوپ کی تمازت کا احساس ــ! ہم لوگ نماز کے بعد ایک دوسرے سے ہوا کے اس غیر معمولی ٹھنڈے اور فرحت بخش جھونکے کی آمد پر گفتگو کرتے ہوئے آئے۔ اور اس کے بعد سے مستقل یہ کیفیت ہو گئی کہ اگر مسجد کے اندر جگہ بھر چکی ہو تو دھوپ میں نماز پڑھنے میں ذرّہ بھر تعرض اور تامل نہیں ہوتا۔ حرم کعبہ میں یہ تحفہ ملا کہ بلا عذر نفل نماز بھی بیٹھ کر نہ پڑھی جائے اسی طرح دیارِ نبویؐ میں یہ جذبہ احترام ملا کہ ترکِ سنّت سے ہر قیمت پر باز رہا جائے۔

جبلِ اُحد کا ایک عام منظر



یہاں ایک گوشے میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا مزار بھی واقع ہے مسجد کے ساتھ چہار دیواری ہے زائرین مدینہ اس گنجِ شہیداں کی چہار دیواری تک ہی جاتے ہیں۔ اور لائق صد افتخار شہدائے اسلام کے لئے دعا کرتے ہیں۔ چہار دیواری سے ملحق ایک جدید تعمیر شدہ مسجد بھی ہے جہاں باقاعدہ نماز ہوتی ہے۔



مسجد ذوباب: جہاں غزوہ احزاب کے موقع پر حضور نبی اکرمؐ خیمہ زن تھے۔

• راحت القلوب میں مذکور ہے کہ مسجد الذباب کی بنیاد عمر بن عبد العزیز نے رکھی تھی اور اب مسجد الرایہ کے نام سے معروف ہے۔ نہایت بلند مقام پر واقع ہو کے سبب خوب ہوادار اور روشن ہے۔ مدینہ منورہ کا منظر یہاں سے بہت دلنشیں نظر آتا ہے

خوشبوئے محمّد صلی اللہ علیہ وسلم

بیدم شاہ وارثیؒ

آئی نسیم کوئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم
کھنچنے لگا دِل سوئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

لے کے مُرادیں آئیں گے مرجائیں گے مٹ جائینگے
پہنچیں ہم تا کوئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

طُوبیٰ کی جانب تکنے والو آنکھیں کھولو، ہوش سنبھالو!
دیکھو قدِ دِل جُوئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

نام اِسی کا بابِ کرم ہے، دیکھ یہی محرابِ حرم ہے
دیکھ خمِ ابروئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

بھینی بھینی خوشبو مہکی، بیدمؔ دل کی دُنیا لہکی
کُھل گئے جب گیسوئے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

حاشیہ: راقم السطور نے دس بارہ سال کی عمر میں یہ اشعار پوُری پوری شب پڑھے۔ اور سُنے ہیں۔ اور شاید قارئینِ کرام اس نقطۂ نظر سے اتفاق کریں گے کہ جذبہ حبِّ رسولؐ

کے حوالے سے گیارہویں صدی ہجری کے اِس صاحبِ کمال درویش شاعر کے ذکر کے بغیر برِ صغیر کی شعری خوشبوئے عقیدت کا تذکرہ مکمّل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۶۶ برس کی زندگی میں کم و بیش ایک لاکھ اشعار جن میں ۱۹ قصائد شامل ہیں۔ اُن سے منسوب ہیں۔) استاذِ محترم حضرت علّامہ قاری غلام محی الدین خاں قادری نقشبندی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ ذکر و فکر کی محافلِ شب میں ایک مرحلے پر عارفِ کامل، شاعرِ خوش نوا شیخ عبد القادر بیدم وارثیؒ کے مذکورہ بالا اشعار اپنے منفرد دلنشیں انداز میں پڑھنا شروع کر دیتے۔ اُس وقت جملہ وابستگانِ دامانِ محبوب رب العالمین پر عالمِ بے خودی کا سحر طاری ہو جاتا۔ جوں جوں رات بھیگتی جاتی، نیلگوں پہاڑوں کی جانب سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے عطر بیز ہوتے جاتے — عشقِ مصطفےٰؐ سے سرشار شاعر کے جذباتِ محبت کا یہ خوب صورت شعری سلسلہ مُشکبار فضا میں کبھی کبھی اُس وقت تک جاری رہتا کہ اذانِ فجر کی گونج بندگانِ خدا پر بارانِ رحمت بن جاتی۔ دلوں کے دریچے وا کر دینے والی محفل نُور و نکہت ختم ہوتی۔ مشتاقانِ دیدِ دیارِ مصطفےٰؐ نسیمِ سحر طرب خیز کی مانند خراماں خراماں، معطر، حیّ علی الفلاح کی جستجوئے شوق میں سوئے مسجد گامزن ہو جاتے۔ (اس کے برعکس الحذر، الاماں۔ ایسی شب خیز اور شب گزیدہ محافلِ طرب، اور ہنگامۂ شور و شغب سے تو انسان سراسر خسارے میں ہی رہتا ہے۔ جو ایمان والوں سے عشا اور فجر کی فرض نمازیں چھین کر انھیں تارک الصلوٰۃ بنا دیتی ہیں) سبحان اللہ اُس دَور میں مسلمان گھرانوں میں سن رسیدہ لوگ تو کیا کمسن بچے بھی بصد شوق روزے رکھتے۔ افطار کے وقت مساجد اور بیٹھکوں میں بڑی گہما گہمی ہوتی۔ تراویح، شبینے بھرپور اور بارونق ہوتے۔ خواتین اور بچیاں، گھروں میں اس اہتمام اور ذوقِ بندگی سے نمازیں پڑھتیں، روزے رکھتیں کہ ماحول کی سادگی

کے باوجود اِن مسلمان گھرانوں کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ۔ نہ عبادت میں دکھاوا نہ عقیدت میں نمائش ۔ گویا سادگی میں اخلاص اور اخلاص میں حُسنِ نیت ۔!

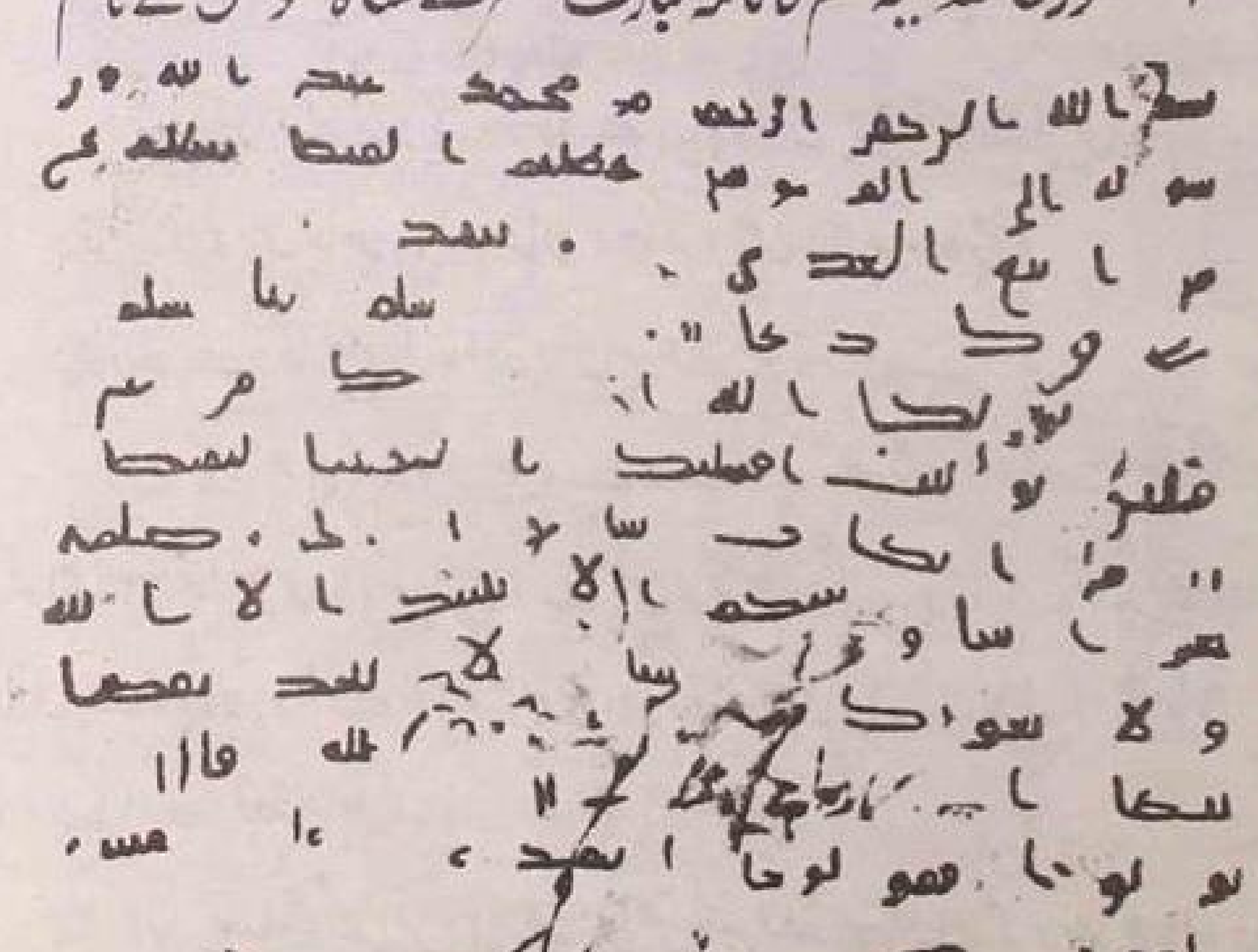
وائے حرماں نصیبی! کہ گزری صدی کے نصف آخر میں وقت کے ساتھ ساتھ فرض عبادات میں کمی ہوتی گئی ۔ فروعات میں اضافہ ہوتا گیا ۔ حتیٰ کہ عقیدت و احترام کے جذبات میلوں ٹھیلوں میں گم ہو گئے ۔ یا انھیں ثقافت کی روایات کا نام دیدیا گیا ۔ رہ گئے، فرائض و واجبات، حقوق اللہ اور حقوق العباد تو شروع میں وہ ثانوی درجے میں رکھے گئے اور اب یہ عالم ہے کہ

ع "اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر"

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا
ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ہدایت کرکے پھر کبھی ڈانواڈول نہ کر دینا اور ہم کو

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○
اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک مصر کے شاہ مقوقس کے نام



اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

مجھ سے دعا کرو، میں ضرور قبول کروں گا (ارشادِ ربّانی)

دُعا کی احادیث

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
دُعا عبادت کی جڑ ہے۔ پھر آپؐ نے (بطورِ استدلال) یہ آیت (اَلدُّعَآءُ ھُوَا لْعِبَادَۃُ .....) پڑھی اور (لوگو!) تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ ہم سے دعائیں مانگتے رہو ہم تمہاری (دُعا) قبول کریں گے۔"

(ابنِ ابی شیبہ، سنن اربعہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ ابنِ ماجہ ابنِ حبان حاکم، احمد (عن نعمان بن بشیرؓ) (بحوالہ حصن حصین علامہ محمد ابن جزریؒ)

حدیثِ نبویؐ ہے:
"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعاؐ سے زیادہ کوئی چیز باعزت نہیں۔"
(ترمذی، ابنِ ماجہ، ابن حبان، حاکم (عن ابی ہریرہؓ)
"جو اللہ سے دعاؐ نہیں کرتا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔"

شرح ۱ قولی عبادتوں میں سے دعا سب سے بڑھ کر عبادت ہے۔ اس لئے کہ اس میں عاجزی و انکساری، بے چینی و تڑپ، گریہ و زاری، آہ و بکا اور عبادتوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ البتہ نماز اور روزہ جو کہ عباداتِ بدنیہ (جسمانی) ہیں، دعا سے افضل ہیں۔

۲ اللہ تعالیٰ اُس پر اس لئے ناراض اور غصہ ہوتا ہے کہ دعا جو اس کی

انتہائی محبوب و مرغوب چیز تھی۔ اس نے اسے ٹھکرایا اور متکبر بنا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: "دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے۔ آسمان و زمین کی روشنی ہے (حاکم (عن ابی ہریرہؓ)

ایک اور حدیثِ نبویؐ: "جو شخص یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا سختی اور غم کے وقت (بھی) قبول کرے تو اُسے چاہیئے کہ فراخی اور خوش حالی کے وقت خوب دعائیں کرے (ترمذی (عن ابی ہریرہؓ)

(شرح) اس لئے مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے مربّی و محسن کو راحت و مُصیبت، رنج و غم، تکلیف و آرام، تنگی و فراخی سب وقت یاد کرتا ہے۔

حدیث نبویؐ "دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر (کے فیصلے) کو بدل نہیں سکتی اور نہ نیکی کے سوا کوئی چیز عمر بڑھا سکتی ہے۔"

(ترمذی، ابنِ ماجہ (عن سلمانؓ) ابنِ حبان۔ حاکم (عن ثوبانؓ)۔

(شرح) یہاں تقدیر سے بُری چیز (بلا و مصیبت) مُراد ہے، جس کے آنے کو آدمی ہر حال میں بُرا سمجھتا ہے۔ جب اُس کو دعا کی توفیق دی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بلاؤں اور مصیبتوں کو دُور کر دیتے ہیں۔ یا اس قدر آسان کر دیتے ہیں جو بمنزلہ دور ہونے کے ہو جاتی ہیں۔ شارح حدیث نے اپنی اس تشریح میں لکھا ہے، خدا جس کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ موجود ہے۔ (کہ اس میں سب کچھ لکھا رہتا ہے) مثلاً اللہ تعالیٰ نے "اُمّ الکتاب" میں لکھ دیا کہ اگر فلاں شخص حج کرے گا۔ تو اس کی عمر چالیس برس ہوگی اور اگر جہاد بھی کرے گا تو ساٹھ برس ہوگی۔ اگر اس نے (حج و جہاد) دونوں کئے اور اس کی عمر ساٹھ برس ہوگئی تو یہ عمر کی زیادتی ہے،

اور صرف حج کیا اور چالیس ہی برس عمر پائی تو یہ عمر کی کمی ہے۔ دُعا کی افادیت اور اسکی قبولیت سے متعلق احادیث نبویؐ بیان کرتے ہوئے شارح نے یہ نکات پیش کئے۔ دعا کی توفیق ہو جانا ہی اس کی مقبولیت کی علامت ہے۔ اگر دعا کی قبولیت میں کبھی تاخیر ہو تو بھی اس میں ضرور کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ دعا ضائع نہیں جاتی۔ آخرت میں ذخیرہ ہوتی ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی، جب اس نعمت کو آخرت میں دیکھیں گے تو کہیں گے۔ کاش دنیا میں کوئی دعا قبول نہ ہوتی تو یہاں ثواب کا پورا پورا ذخیرہ پالیتے۔

حدیث نبویؐ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دعا اُس سے عافیت مانگنا ہے (ترمذی (عن ابن عمرؓ)

عافیت مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی آفات و مصائب اور رنج و آلام سے سلامتی کی دعا کرے۔

(ترجمہ و تعلیق حصن حصین علامہ محمد ابن جزریؒ مترجم مولانا محمد عبدالعلیم ندویؒ صفحہ ۱۰۱-۲)

سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں۔ مجھے حدیث قدسی پہنچی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو ایسی چیز دی ہے، اگر جبرئیلؑ و میکائیل کو دیتا تو ان کو بڑی نعمت دیتا" اور وہ آیت یہ ہے۔ فاذکرونی اذکرکم۔" سورۃ الاحزاب، چھٹے رکوع میں واضح ارشاد ربانی ہے۔ "مسلمانو! کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔"

علامہ امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف (احیاء علوم الدین) میں ثابت بنانیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "میں جانتا ہوں جس وقت میرا پروردگار، مجھے یاد کرتا ہے؟"

لوگوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ آپ کیونکر جانتے ہیں۔؟ انھوں نے کہا

"جب میں اُس کو یاد کرتا ہوں تو وہ بھی مجھے یاد کرتا ہے۔"
(قول متین صفحہ ۲۰)

گویا دُعا مانگنے کی افادیت مسلمہ ہے اور اس کی فضیلت سے غفلت کوشی نہایت حرماں نصیبی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ
اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور

قِنَا عَذَابَ النَّارِ ○
ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

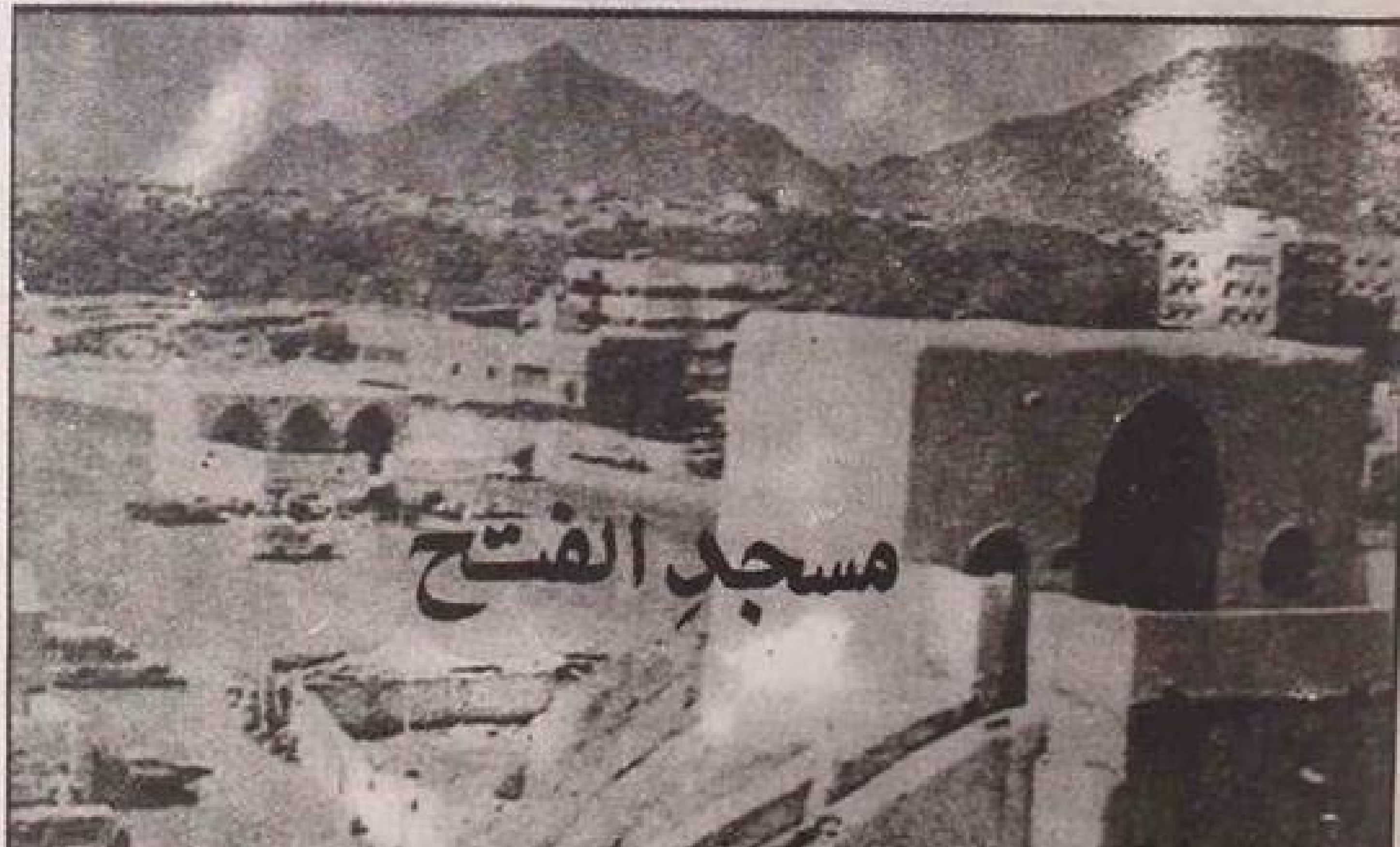
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا
پروردگار ہماری پکڑ نہ فرما اگر ہم بھولیں یا چوک جائیں پروردگار اور

وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی
ہم پر ایسے سخت احکام کا بار نہ ڈال جیسا ہم سے پہلے

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ
لوگوں پر ڈالا تھا ہمارے پروردگار وہ بار ہم سے نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت

لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ
نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم فرما تو ہی

مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○
ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں پر ہم کو غالب رکھ



جہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب کے موقع پر، خندق

کے اُس طرف محاصرہ کئے ہوئے تھے دشمن لشکر پر مسلمانوں کے غلبے کی تین بار دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ پر بھرپور یلغار کی گئی تھی۔ لیکن کفارِ قریش کے لئے یہ ناکام حملہ آخری ثابت ہوا۔ دورانِ غزوہ ظاہری احوال نہایت مخدوش تھے۔ مسجد فتح میں سید المرسلین خاتم المعصومین نے متواتر تین دن یعنی دو شنبہ، سہ شنبہ اور چہار شنبہ دو نمازوں کے درمیان حق تعالیٰ سے کامیابی کی دُعا فرمائی اور قبولیت کی خبر پائی۔ امام احمد حنبل نے معتبر حوالوں سے جابرؓ سے مذکورہ روایت کی ہے۔ حضرتِ جابرؓ نے مزید فرمایا"

"جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے۔ اُس وقت (احزاب کی مسجد فتح میں جاکر دعا کرتا ہوں، اور اس کی قبولیت کی بشارت پاتا ہوں۔ اس مسجد کو بعض روایات میں مسجدِ اعلیٰ اور مسجد الاحزاب بھی کہا گیا ہے۔ علامہ سمہودی کا قول ہے کہ آنحضرتؐ کی دعا کی اصل جگہ مسجدِ فتح میں درمیانی ستون ہے۔ دوسری روایات میں ہے کہ حضور اکرمؐ کی دُعا کا اصل مقام مغرب کی جانب ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور سیف الدین حسین ابی الکیہجا کے نام مسجد الفتح کی تعمیر کرانے والوں میں نمایاں ہیں۔ حضرت جعفر صادق نے اپنے آبائے کرام کی سند سے بیان کیا کہ آنحضرتؐ مسجد فتح میں تشریف لائے تو دو قدم چل کر کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھاکر بارگاہِ الٰہی میں اس خضوع سے دعا مانگی کہ شانۂ مبارک سے چادر نیچے گر گئی۔ لیکن حضورؐ دُعا میں مصروف رہے۔ ایک اور روایت کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مشکل وقت میں یہاں دعا مانگی تھی۔

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے وہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں (امیر مینائی)

ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ

آؤ مدینے چلیں....

میں عازمِ طیبہ ہوں مجھے کوئی نہ روکے
کہہ دو کہ حوادث مرے رستے میں نہ آئیں (اقبال عظیم)

زُہد و ورع کا رختِ سفر پاس نہیں، معصیتِ عمل اور توزّع یاطن سے دامن تہی نہیں۔ فکرِ محدود، علوم ظاہری کی اغوا کوشیوں اور عقلی موشگافیوں سے پاک نہیں، ہم گنہگاروں اور خطا کاروں کو" ان متواتر فرو گذاشتوں اور یوماً فیوماً کوتاہیوں، لغزشوں کا کب احساس نہیں ۔۔۔! "پھر بھی فرمانرواؤں کے فرمانروا ربِّ کائنات کی قسم! اُس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کے عہد کی تجدید مزید کرکے اس توقع اور توقّر کے ساتھ گلستانِ محبّت، گلستانِ مدینہ چلتے ہیں کہ وہ بنائے تخلیق ہفت اقلیم و ہفت ایوان، فخرِ موجودات، ہادیٔ جن و انسان، ہم نشینِ ملاءِ اعلیٰ، اپنی سیر چشمی، عالی ظرفی، رحمت و نزاہت اور نورِ الٰہی کے تقرب، تجسّم، تجاذب کے حامل آقا اپنی ردائے رحمت و محبّت ہم سراپا شرمسار و اشکبار، اہلِ اُمّت پر ضرور ڈال دیں گے" تا آنکہ اُن کی شفاعت، ہمیں جہنّم کے اس عذابِ الیم سے محفوظ رکھے۔ جہاں آگ کے لامتناہی الاؤ روشن، شعلہ فشاں ہونے کے باوجود ہولناک تاریکی ہوگی۔

آؤ حق تعالیٰ کے پرستارو! وفا کیش بندو! سوئے مدینہ چلیں کہ وارفتگانِ عشقِ مصطفےٰؐ کے دلوں کا گوشۂ راحت ہے۔ طیبہ چلیں کہ یہ نبی رحمتِ عالمؐ کی بھرپور حیاتِ اقدس کا گہوارہ ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ کشورِ دل کے لئے جگمگاتا ستارہ ہے آج بھی مکہّ مکرمہ کی جلالت و عظمت اور مدینہ منوّرہ کی محبوبیت و سربلندی کے لئے پورے عالمِ اسلام کے مسلمان متحد الخیال اُمّتِ واحدہ بن کر جدوجہد

کریں اور افکارِ باطلہ کی خود ساختہ فرقہ بندیوں کے دامِ فریب اور حصارِ نفاق سے باہر نکل آئیں تو اسلامی اُمّہ کے مابین اُخوت و مودّت اور ایک مرکزیت ۔ ناقابلِ تسخیر اجتماعیت کا خواب تشنۂ تعبیر نہیں رہے گا۔ بلکہ اسلامی شان و شوکت کا غلغلہ ایک بار پھر پوری کائنات میں مفتخر ہو کر گونج اُٹھے گا۔

اللہ ربّ العزّت ہی صرف عبادت کے لائق ہے ۔ صرف وہی حاجت روا ہے ۔ سب اُسی کے فضل و کرم اور قدرتِ کاملہ اور اختیارِ کُنْ فیکون کے تابع و منتظر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پورے مکّی و مدنی عہدِ رسالت میں دنیا و عقبیٰ کی فلاح و سلامتی کے سارے اُصول عملاً سکھا دیئے اور سمجھا دیئے گئے ہیں۔ مصائب کا کون سا مرحلہ ہے جس سے سرکارِ دو جہاں نہیں گزرے ۔ آج بھی دیارِ حرمِ کعبہ سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا۔ دیارِ حبیبؐ میں جو پہنچتا ہے، محبت، اعتبار اور رحمت کی جھولیاں بھر کر تازہ دم ہو جاتا ہے ۔ اور اس اعتماد و عقیدت سے سرشار ہو کر لوٹتا ہے کہ وہ بھی ہے اب یکے از وابستگانِ رحمتِ مجسّم کہ جو مالک عرشِ اعظم کے معزز و محبوب مہمان رہے ۔ انھوں نے اپنے اِس چاہنے والے کی میزبانی کی ۔ کاش یہ توفیقِ الٰہی بھی ہم سب کو نصیب ہو کہ محبت، اطاعت، شریعت اور طریقت کا صحیح شعور، صحیح تصویب تکملہ اور توشۂ نوبہار لے کر جائیں۔ ضیوف الرحمٰن بننے کی سعادت حاصل ہوئی تو رحمٰن و رحیم کا فیضان توحید بھی ایمان پر ثابت قدم کر دے ۔ ہم اس کتاب کے اوراق میں ذکر کر آئے ہیں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم جب کبھی باہر کے سفر سے تشریف لاتے تو جس اونٹنی یا گھوڑے پر سوار ہوتے اُسے تیز چلانے کے لئے ایڑ لگاتے " اگر آج ہم مدینے کے لئے بے قرار جذبہ پاتے ہیں تو یہ بھی گویا ہمارے عالی وقار نبیِ رحمتؐ کی سُنّت ہے اور ہمارے جذبۂ محبّت کی مظہر ___

اِن نورِ گو، علیٰ نورُ فضاؤں کے صدقے ہماری ہزار جانیں بھی، مسجدِ نبویؐ ریاض الجنّۃ، مواجہ شریف، روضۂ اطہرہ، وزرائے رسولؐ (ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ) کی ابدی آرام گاہیں اور نہ جانے کتنے دوسرے صحابہ کبارؓ۔ عاشقانِ نبوتؐ کے مقاماتِ حاضری اور دید کے قابل گوشے ہیں اور مسجدِ نبوی میں حاضری تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کے اہتمام سے ۔ پھر بصد ادب و احترام صلوٰۃ و سلام اور درود کی سوغاتیں، دعاؤں کے نذرانے ۔ یہ ایک ایک ساعت، ایک ایک لمحہ اتنا بیش بہا اور قیمتی ہے کہ سارے بادشاہانِ وقت مل کر بھی کوئی قیمت، معاوضہ اور بدل اس کا ادا نہیں کر سکتے ۔

قرآنِ کریم میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد گرامی اپنے نُور کے بارے میں ہے :۔

الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح ؕ المصباح فى زجاجة الزجاجة كانها كوكب درى يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضى ولو لم تمسسه نارؕ نور على نورؕ يهدى الله لنوره من يشاء ويضرب الله الامثال للناس ؕ والله بكل شى عليم . (۳۵) (سورة النور)

اور اب اللہ جلّ شانہٗ کے نُور سے محبوبِ ربّ العالمین کے نُور کا ربطِ باہم بھی بہ یک نظر دیکھتے جائیں اور دلِ حزیں کو مخمور اور قلبِ مہجور مسرور کرتے جائیں :۔

الفصلِ کُلّہا منَ المواہب ۱۲ میں عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی کہ میں نے عرض کیا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے) کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں ۔ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی ۔ آپؐ نے فرمایا :

" اے جابرؓ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبیؐ کا نُور، اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نُورِ الٰہی اس کا مادّہ تھا، بلکہ اپنے نُور کے فیض سے) پیدا کیا ۔ پھر وہ نُور قدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا

اور اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم تھا۔ نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا۔ اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا۔" (نشر الطیب)

ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ملی۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا:۔
"یا رسول اللہ آپؐ کے لئے نبوۃ کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپؐ نے فرمایا:۔
"جس وقت میں اور آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان تھے۔"
(بحوالہ ترمذی، امام احمد، بخاری، ابونعیم، حاکم)

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔
" بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا۔
اور حضرت آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں تھے۔ (یعنی ان کا پیکر ابھی تیار نہ ہوا تھا) حوالہ احمد اور بیہقی، حاکم نے بھی اسے صحیح الاسناد کہا۔ مشکوٰۃ میں شرح السنہ سے یہ حدیث مذکور ہے:۔

کاش، ہم سب زائرینِ حرم نبوی سراپا محبت، و مؤدب حاضری اور بکثرت درود و سلام کا حق بمنزلہ اطاعت اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کریں۔ اور حق تعالیٰ شانہ، ہمارا شمار اپنے صاحبِ ایمان بندوں میں کر کے دنیا و عاقبت میں ہمیں سرخروئی اور کامرانی عطا فرمائے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً دَائِمَةً مَقْبُوْلَةً تُؤَدِّیْ بِهَا عَنَّا حَقَّهُ الْعَظِیْمَ آمین!

اقبال احمد صدیقی
عفی عنہٗ

۲۸، شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ ہجری کراچی (پاکستان)

کتابیات

اُن کُتب اور مُصنّفین ومترجم حضرات کے ناموں کا اشاریہ
جن سے اِن اوراق کے لیئے استفادہ کیاگیا..........

نمبر	نام کتاب	نام مُصنّف یا مترجم
۱	الکتاب	قرُآن مجید
۲	تفسیر ابنِ کثیر	محدث ومُفسر علّامہ اسمٰعیل بن عُمر عماد الدین ابوالفدا حافظ ابنِ کثیر
۳	موضح القرآن (ترجمہ وتفسیر)	شاہ عبدالقادرؒ محدث
۴	فیوض القرآن "	شمس العلماء ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی
۵	بیان القرآن "	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۶	خزائن العرفان "	حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی
۷	ترجمان القرآن "	مولانا ابوالکلام آزاد
۸	ترجمہ وتفسیر ماجدی۔	مولانا عبدالماجد دریاآبادی
۹	ترجمہ وتفسیر۔	شمس العلماء مولوی نذیر احمد
۱۰	ترجمہ وتفسیر۔	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
۱۱	تفہیم القُرآن (ترجمہ وتفسیر)	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۱۲	الاتقان "	ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی قاہرہ
۱۳	صحیح بخاری (احادیث)	محدثِ کبیر ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بخاریؒ

نمبر	نام کتاب	نام مُصنّف یا مترجم
۱۴	مُسلم شریف (احادیث)	امام محمد مُسلمؒ بن حجّاج قشیری
۱۵	تیسیر الباری، ترجمہ و شرح بخاری	علامہ وحید الزماں رح
۱۶	مسند احمد	امام احمدؒ بن محمد حنبل
۱۷	نسائی	امام ابو عبدالرحمٰن احمدؒ بن شعیب بن علی بن سنان
۱۸	ابُو داؤد	سُلیمان بن اشعث السّجستانی
۱۹	بیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی
۲۰	مشکوٰۃ	محمد بن عبداللہ خطیب
۲۱	ابنِ ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی
۲۲	ابنِ عساکر	ابوالقاسم علی بن الحسن
۲۳	زرقانی شرح مواہب	امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی
۲۴	طبقات کبیر ابنِ سعد	ابو عبداللہ محمد بن سعد بن معن البصری، ترجمہ عبداللہ العمادی
۲۵	تاریخ طبری	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (ترجمہ سیّد محمد ابراہیم)
۲٦	تاریخ الخلفاء	علّامہ سیوطی
۲۷	الفصل فی الملل والاہواء والنحل	علّامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابنِ حزم
۲۸	سیرت النّبی کامل	ابنِ ہشام
۲۹	مدارجِ نبوّت	علّامہ شیخ عبدالحقؒ محدّث دہلوی
۳۰	سیرت النّبیؐ کامل	علّامہ شبلی نعمانی / علّامہ سیّد سلیمان ندوی رح
۳۱	رحمۃً لِلعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
۳۲	نشر الطیّب فی ذکر النبی الحبیب (سیرتِ رسولِ اکرمؐ)	مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف یا مترجم
۳۳	البدایہ والنہایہ	علّامہ عماد الدین ابن کثیر
۳۴	زاد المعاد	امام ابن القیم شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابو بکر بن ایّوب بن سعد الزرعی۔
۳۵	الاستیعاب	علّامہ ابن عبدالبر
۳۶	الاصابہ	علّامہ ابنِ حجر عسقلانی
۳۷	جمہرۃ الانساب	ابو محمد علی، علّامہ ابنِ حزم
۳۸	وفیات الاعیان	ابنِ خلکان
۳۹	فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری
۴۰	حیات احمد بن حنبل رح	ابو زہرہ مصری
۴۱	تاریخ یعقوبی (کتاب البلدان)	احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب یعقوبی
۴۲	جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اردو تراجم محمد احمد قادری / حکیم عرفان علی بیلی بھیتی)
۴۳	آثارِ مدینۂ منوّرہ	عبدالقدوس انصاری
۴۴	وفاء الوفا، خلاصۃ الوفاء	علامہ سید نُور الدین علی بن احمد سمہودی
۴۵	فضائلِ مدینہ	مولوی عابد الرحمٰن ابن مفتی اشفاق الرحمٰن صدیقی رح
۴۶	تاریخ ارض القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی رح
۴۷	سفرنامہ ارض القرآن	محمد عاصم
۴۸	فضائل حج	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رح
۴۹	تاریخِ عرب	سیّد سلیمان ندوی
۵۰	عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار	احمد بن عبدالحمید عبّاسی
۵۱	مرأۃ الحرمین	ابراہیم پاشا رفعت

نمبر	نام کتاب	نام مصنف یا مترجم
۵۲	ضیوف الرحمٰن	سعودی وزارتِ اوقاف و حج
۵۳	مجلّہ یومیہ المدینہ جدہ	شمارہ جات ۱۴۰۵ تا ۱۴۰۶ ہجری
۵۴	نبیؐ رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۵۵	اسلامی تہذیب کے گہوارے	خواجہ جمیل احمد
۵۶	سیرتِ رسول اللہؐ	پروفیسر سید نواب علی
۵۷	حیات محمدؐ	محمد حسین ہیکل
۵۸	اسوہ رسول اکرمؐ	عارف باللہ ڈاکٹر عبد الحئیؒ
۵۹	غنیۃ الطالبین / فتوح الغیب	حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ
۶۰	جمالِ محمدؐ	سید شمس الحق بخاری قادری قدیری
۶۱	ارمغانِ شاہ ولی اللہؒ	انتخاب محمد سرور
۶۲	مضامین البلاغ	مولانا ابوالکلام آزاد
۶۳	حضرت ابوبکر صدیقؓ	محمد حسین ہیکل
۶۴	ثانی اثنین (خصوصی نمبر ضیائے حرم)	مرتبہ: پیر محمد کرم شاہ (الازہر)
۶۵	اُسوۂ صحابہؓ	عبد السلام ندوی
۶۶	سیرتِ عائشہ صدیقہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ
۶۷	الفاروقؓ	علامہ شبلی نعمانیؒ
۶۸	حیاتِ فاروق اعظمؓ	امام جمال الدین ابنِ جوزی
۶۹	ترجمہ و تعلیق	علامہ شاہ حسن عطا مرحوم و مغفور
۷۰	عمر فاروقؓ	محمد حسین ہیکل
۷۱	ذوالنورین عثمانؓ	عباس محمود العقاد

نمبر	نام کتاب	نام مصنف یا مترجم
٧٢	سیرت عثمان رضؓ بن عفان	محمد رضا مصری
٧٣	شہادت امام مظلوم سیدنا عثمان رضؓ	مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری
٧۴	سیرتِ عثمانِ غنی رضؓ (عربی)	محمد بن یحییٰ بن ابی بکر
٧۵	عثمان غنی رضؓ	رفیق بک المعظم
٧٦	سیدنا عثمان رضؓ بن عفان	محمد نصیر ہمایوں
٧٧	(سیدنا) علی رضؓ	ڈاکٹر طٰحہ حسین
٧٨	فضائل علی رضؓ	رواہ احمد مشکوٰۃ باب مناقب علی رضؓ
٧٩	تاریخ الخلفاء	امام سیوطی
٨٠	سیدنا علی رضؓ	مولانا عبد الرؤف فاروقی
٨١	فاران سے کربلا تک	ہلال زبیری
٨٢	تاریخِ اسلام	شاہ معین الدین احمد ندوی
٨٣	معجم البلدان	یاقوت بن عبد اللہ الحموی۔
٨۴	موضوعاتِ کبیر	مُلّا علی قاری حنفی رحؒ
٨۵	تاریخ خلفائے عرب و اسلام	مولانا شاہ محمد کبیر ابو العلا دانا پوری
٨٦	خلافتِ اسلامیہ	مولانا سید عبد القدوس ہاشمی
٨٧	تاریخِ اسلام	علی محمد شاہین
٨٨	خزینۃ الاصفیاء	غلام سرور لاہوری
٨٩	حضرت بلال رضؓ بن رباح	عبّاس محمود العقاد مصری
٩٠	سیدنا بلال حبشی رضؓ	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری (مدینہ)
٩١	خیر البشر صلعم کے چالیس جاں نثار	طالب ہاشمی

نمبر	نام کتاب	نام مصنّف یا مترجم
۹۲	خدا کا اسلامی تصوّر	الحاج عبدالقادر وارثی
۹۳	خطبات قاسمی	مولانا محمد ضیاء القاسمی
۹۴	رزمِ حق و باطل	شاہ بلیغ الدین
۹۵	مہرِ منیر	مولانا فیض احمد فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ
۹٦	ہادی کونین ؐ	حکیم محمد اسمٰعیل ظفر آبادی
۹۷	سیاسی وثیقہ جات	ڈاکٹر حمید اللہ
۹۸	سفرِ مبارک	شیخ ضمیر الدین احمد
۹۹	تفسیر قرآن عزیز	مولانا احمد علیؒ لاہوری
۱۰۰	المعارف (انسائیکلوپیڈیا)	ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔
۱۰۱	انسائیکلوپیڈیا آف برٹنیکا	ـــــــ انگریزی ـــــــ
۱۰۲	اسلامی انسائیکلوپیڈیا	سیّد قاسم محمود
۱۰۳	اسلامی المانک	شاہکار فاؤنڈیشن،
۱۰۴	THE PROPHET MOHAMMAD (PBUH) FOUNDER OF ISLAMIC CULTURE	• DR. BASHARAT ALI, SENIOR RESEARCHER, MUSLIM INSTITUTE OF RESEARCH AND PLANNING, LONDON
۱۰۵	رسولؐ نمبر۔ خاتونِ پاکستان۔ ۸۴ - ۱۳۸۳ ہجری	مرتّبہ : شفیق بریلوی مرحوم
۱۰٦	حِصن حصین (قولِ متین)	علّامہ محمد ابنِ جزریؒ ترجمہ و تشریح
۱۰۷	نقشہ اسلامی ریاست	THE BENEFACTOR

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَ
يَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول اُن میں فیصلہ فرمائیں کہ عرض کریں ہم نے سُنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (سورۃ نور - آیت ۵۱ - ۵۲)

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ ۙ وَ الرَّسُوْلُ
الْعَظِيْمُ ۙ الرَّءُوْفُ الرَّحِيْمُ ۙ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ
اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا وَ نَبِيَّنَا وَ حَبِيْبَنَا
وَ قُرَّةَ عَيْنِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۙ اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ
عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ۙ اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا
حَبِيْبَ اللّٰهِ ۙ اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَمَالَ
مُلْكِ اللّٰهِ ۙ اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ عَرْشِ
اللّٰهِ ۙ اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ ۙ
اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۙ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سُلْطَانَ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ رَحْمَةُ
اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ ۔

• سلام آپ پر اے نبی سردارِ مکرم اور رسولِ معظم شفقت و رحمت والے اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات، درود و سلام آپ پر اے ہمارے آقا اور نبی اور اے ہمارے پیارے اور اے ہمارے آنکھوں کی ٹھنڈک اے اللہ کے رسول، درود و سلام آپ پر اے اللہ کے نبی۔ درود و سلام آپ پر اے اللہ کے حبیب۔ درود و سلام آپ پر اے اللہ کے ملک (کائنات) کی زینت۔ درود و سلام آپ پر اے اللہ کے عرش کی روشنی۔ درود و سلام آپ پر اے مخلوقِ خدا میں سب سے بہتر (افضل) درود و سلام آپ پر اے انبیاء اور رسولوں کے سردار اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

سیدالمرسلین، احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اقامت گاہ اور ابدی آرام گاہ حرم نبویؐ یعنی مدینۃ النبیؐ کے متبرک موضوع پر کتاب کو ترتیب دینا بجائے خود خوش بختی کی علامت ہے، میرے نزدیک اس موضوع پر ایک مستند اور تحقیقی کتاب کی اشد ضرورت ہے تاکہ عہدِ حاضر کے مسلمانوں کو اور خصوصاً نژادِ نو کو آقائے نامدار اور دو عالم کے سردار کے سب سے پسندیدہ شہر کی عظمتوں اور برکتوں کے بارے میں معلومات مہیا کی جا سکیں اور رُوئے زمین پر پہلی اسلامی فلاحی مملکت کی خوشبوؤں سے اس دورِ پُرفتن کی آلودگیوں کو دُور کر کے اسے معطر بنانے کی کوشش کی جا سکے۔ میں اس موقع پر اقبال احمد صدیقی کو اس موضوع پر کتاب ترتیب دینے پر قلب کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جناب حاجی حنیف طیب

وفاقی وزیر ہاؤسنگ و تعمیرات پٹرولیم و قدرتی وسائل حکومتِ پاکستان

جناب اقبال احمد صدیقی ایک کہنہ مشق صحافی اور ملک کے ممتاز دانشور ہیں۔ پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت کے اظہار پر مبنی ان کی کتاب "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" شائع ہو رہی ہے۔ اُمید ہے یہ کتاب تاریخِ اسلام کے حوالے سے درج معلومات کا بیش بہا خزانہ ہوگی۔

ڈاکٹر وحید قریشی

صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

صحافت کی تیس سالہ کوچہ گردیوں کے بعد یہ کتاب دورِ رفتہ کی وارفتگیوں کی تلافی ہو سکتی ہے۔ خدا کرے یہ کتاب ۱۴۰۷ھ کا اچھا تحفہ ثابت ہو۔

جناب نعیم صدیقی

ادارہ معارفِ اسلامی لاہور

شہرِ مطلعِ انوار مدینہ منورہ کو محور بنا کر جو حقائق، سراپا ہدایت و رحمت، صاحبِ خلقِ عظیم، صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح مبارک پر جمع کئے گئے ہیں۔ انہوں نے عملاً اسے سیرتِ رحمتہ للعٰلمین پر ایک منفرد اور جامع کتاب بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس محبت آفریں کاوش کو قبولیتِ عامہ عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب ایس ایچ ہاشمی

چیئرمین ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن پاکستان

صاحبِ کتاب کی علمی و ادبی بصیرت کا تو میں پہلے سے قائل تھا لیکن سبحان اللہ "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" پر کتاب تحریر کر کے انہوں نے یہ باور کرا دیا کہ علمی شخصیتوں میں یہ گوہر نایاب ہیں۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ صاحبِ ایمان لوگوں کو ہی نصیب کرتا ہے۔ اتنی عمدہ کتاب کی اشاعت پر میری جانب سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ یہ کاوش دینِ حق سے عقیدت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر پر آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے (آمین) پی و جیسر پریشان خٹک، اسلام آباد

ہر شخص کے لکھنے کا انداز اور جذبہ الگ ہوتا ہے۔ آپ نے جس والہانہ انداز اور جذبے سے یہ کتاب لکھی ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے نہ صرف آپ کو اِس دُنیا میں سرخروئی حاصل ہوگی بلکہ عاقبت سنوارنے کے لئے بھی یہ کتاب زادِ راہ ثابت ہوگی۔

مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن

(ناظم دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ یوپی، بھارت)

اقبال احمد صدیقی اُردو صحافت کا ایک معتبر نام ہے۔ وہ مثبت اور تعمیری فکر کے مالک ہیں۔ پاکستان، اسلام اور دُنیائے اسلام سے گہری محبت اُن کی تحریروں کو ایک ایسی مہک عطا کرتی ہے جس سے قارئین کے مشامِ جاں معطر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زیرِ نظر کتاب "مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت" محبت اور عقیدت کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں دلربا خوشبو بھی ہے اور دلکش تزئین و ترتیب بھی۔ جناب اقبال احمد صدیقی نے تحقیق و کاوش سے اسے لکھا ہے اور اس میں وہ ساری معلومات سلیقے سے یکجا کر دی ہیں جن کے لئے قاری کو متعدد کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب مستند، عقیدت کے اعتبار سے پُرشوق اور پیرایۂ بیان کے اعتبار سے دلچسپ ہے۔ میں اس کتاب کی تالیف و اشاعت پر جناب اقبال احمد صدیقی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی (وائس چانسلر یونیورسٹی آف کراچی)

اسی مصنف کی دو اور زیرِ طبع تصانیف

تاریخ مکہ مکرمہ (پس منظر و پیش منظر)

جامع، مستند اور پانچ صد صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب۔ تاریخ کے لمحہ بہ لمحہ اور تحقیق کے نادر حوالوں سے مربوط و آراستہ۔ ایسے چشم کشا حقائق جو اس موضوع کی کسی اور کتاب میں بہ مشکل یک جا ملیں گے۔ جدید اسلوب، معیاری کتابت و طباعت اور اہم تاریخی مقامات و مناظر کی شمولیت نے اس معرکہ آرا کتاب کی معلوماتی، دلچسپی اور جامعیت افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

(قیمت: ۳۰۰ روپے)

سیرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بن رباح مؤذنِ اسلام (قیمت: ۶۰ روپے)

مکہ مکرمہ تا مدینہ منورہ، بالآخر دمشق تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ صادق، جلیل القدر صحابی، مؤذن مسجدِ نبوی حضرت بلال حبشی کے سوانحی تذکرے اور جاں نثاری کے احوال پر مبنی، عقیدت و محبت سے بھرپور جامع کتاب، مع نادر تصاویر اور مستند ...

ادارہ ابلاغ علوم و افکار ملی۔ اے ۳۳/ یو کے بلاک، ۱۲ بلاک فیڈرل بی کراچی ۳۸